امت میں اہل علم کی قدر ومنزلت اور ان کے ساتھ برتاؤ سے
متعلقہ اصول وضوابط کی رہنمائی کے لئے ایک گرانقدر مستند علمی کتاب

تالیف

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمن بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

(استاذ مشارک امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض، سعودی عرب)

تقدیم

سماحۃ الامام علامہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ

اردو ترجمہ

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

امت میں اہل علم کی قدر و منزلت اور ان کے ساتھ برتاؤ سے متعلقہ اصول وضوابط
کی رہنمائی کے لئے ایک گرانقدر مستند علمی کتاب

تالیف

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمٰن بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

(استاذ مشارک امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی ریاض، سعودی عرب)

تقدیم

سماحۃ الامام علامہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ

اردو ترجمہ

ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

حقوق طبع محفوظ ہیں

نام کتاب	:	علماء کے حقوق
تالیف	:	فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد الرحمن بن معلا اللویحق حفظہ اللہ
تقدیم	:	سماحۃ الامام علامہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ
ترجمہ	:	ابو عبد اللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی
سنہ اشاعت	:	شعبان 1438ھ مطابق مئی 2017ء
تعداد	:	دو ہزار
ایڈیشن	:	اول
صفحات	:	280
قیمت	:	
ناشر	:	شعبۂ نشر واشاعت، صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی

ملنے کے پتے:

- دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی: 14-15، چوناوالا کمپاؤنڈ، مقابل کرلا بس ڈپو، ایل بی ایس مارگ، کرلا (ویسٹ) ممبئی-400070 ٹیلیفون: 022-26520077
- جمعیت اہل حدیث ٹرسٹ، بھیونڈی: 225071 / 226526
- مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ، بیت السلام کمپلیکس، نزد المدینۃ انگلش اسکول، مہاڈ ناکہ، کھیڈ، ضلع: رتناگری-415709، فون: 02356-264455
- شعبۂ دعوت وتبلیغ، جماعۃ المسلمین، مہسلہ، ضلع رائے گڈھ، مہاراشٹرا۔

فہرست مضامین

حرفِ چند

از: فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی ﷾ (امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

الحمدلله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على نبينا محمد خاتم النبيين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد:

دین اسلام حقوق اور نصیحت کا دین ہے، اس میں ہر ایک کے حقوق ایک دوسرے پر کیا کیا ہیں انہیں کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، جیسے اللہ کا حق بندوں پر، بندوں کا حق اللہ پر، نبی ﷺ کا حق امتیوں پر، علماء کا حق عام مسلمانوں پر، ماں باپ کے حقوق اولاد پر، اولاد کے حقوق والدین پر، حکمراں کے حقوق عوام پر، عوام کے حقوق حکمراں پر، بڑوں کے حقوق چھوٹوں پر، چھوٹوں کے حقوق بڑوں پر، وغیر ذلک، اسلام میں ہر ایک کا حق اور اس کی ادائیگی کا اصول وضابطہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

زیر نظر کتاب علماء کی قدر ومنزلت، ان کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے اصول اور قاعدوں پر مشتمل ہے جو عالم اسلام کے ایک بڑے عالم ڈاکٹر عبد الرحمٰن اللویحق حفظہ اللہ کی ایک گراں قدر تالیف ''قواعد فی التعامل مع العلماء'' کا معتبر اردو ترجمہ ہے، جسے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے شعبہ نشر واشاعت سے ''علماء کے حقوق'' کے نام سے منظر عام پر لایا جا رہا ہے، فللّٰہ الحمد۔

کتاب کو بالاستیعاب پڑھنے کی توفیق ملی، پڑھ کر اندازہ ہوا کہ کس طرح امت کے حالات اور تقاضوں پر علماء کی نظر ہوتی ہے، فجزاہم اللہ خیراً، پھر یہ جذبہ اور فکر پیدا ہوئی کہ کاش زیادہ سے زیادہ عوام وخواص اس سے استفادہ کرتے، تاکہ دلائل کی روشنی میں پتہ چلتا کہ علماء کون ہیں؟ انہیں کیسے

پہچانیں؟ علماء حق اور علماء سوء کے درمیان تمیز کا پیمانہ کیا ہے؟ ان کی قدر و منزلت کیا ہے؟ پھر اس مقدس جماعت وارثین انبیاء کے ساتھ ہمارا تعامل اور برتاؤ کیسا ہونا چاہئے؟

کیونکہ دین اور دنیا کی ساری بھلائیاں علماء کو لازم پکڑنے پر موقوف ہیں "عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ" سے بھی دراصل حقیقتاً علماء ہی مراد ہیں، کیونکہ مسلمانوں کی جماعت کی اساس اور اصل تو علماء ہی ہیں، اس لئے علماء معتبرین سے خالی جماعت کبھی جماعت حقہ نہیں ہو سکتی، بلکہ اس جماعت کے گمراہ ہونے کی دلیل یہی ہوتی ہے کہ اس میں کتاب وسنت کے ماہر علماء نہ ہوں۔ اس لئے یہ بات اہل علم، طلبۂ علم اور عامۃ الناس کے لئے کتنی اہم اور رغبت کی ہے کہ وہ اپنے درمیان انبیاء کے وارثاء کی اس ٹیم کو پہچانیں جنہیں دین و دنیا کی ہر بھلائی اور ہر شر وفتنہ سے بچاؤ کا واسطہ قرار دیا گیا ہے، پھر ان سے متعلق اپنی ذمہ داریاں سمجھیں اور ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ سے توفیق کا سوال ہے کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر کوئی کار خیر انجام نہیں پاتا۔

یہ کتاب اردو زبان میں اپنے موضوع پر ایک دستاویز اور شاہکار ہوگی، اس بات کے لئے امام زمانہ علامہ ابن باز رحمہ اللہ کی شہادت کافی ہے، جوانہوں نے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اس کے لئے "تقدیم" پیش کرتے ہوئے دی ہے۔

فرماتے ہیں: "میں نے اسے بڑی ٹھوس اور مفید کتاب پایا"۔ اور آگے فرماتے ہیں: "میں اس کتاب کے پڑھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور اس کے مولف کو گنادرگنا اجر عطا فرمائے"۔

آج کا مسلم سماج بالخصوص نوجوان اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ جس طرح علماء کی اہمیت سے غافل ہے، ان کی سرپرستی وقیادت سے باہر آزاد ہوتا جارہا ہے، اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ علماء کے مقام، ان کے ساتھ تعلق اور برتاؤ کے اصول کو عام کیا جائے، خصوصی تربیتی سرگرمیاں ہوں تاکہ علماء سے جوڑ کر مسلم معاشرہ کو ہر طرح کے دینی و دنیوی فسادات سے بچایا جاسکے۔

میں پوری جمعیت اور جماعت کی طرف سے فاضل جماعت شیخ عنایت اللہ مدنی سلمہ اللہ تعالیٰ (نگراں شعبۂ نشر واشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے ایک اہم ترین بنیادی تقاضہ کے موضوع پر مبنی کتاب ''قواعد فی التعامل مع العلماء'' کی دریافت کی اور اس کا معتبر ترجمہ جماعت کے سامنے پیش کیا، فجزاہ اللہ خیراً۔

اسی طرح جماعت کے ممتاز عالم شیخ محمد مقیم صاحب فیضی حفظہ اللہ (نائب امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی) بھی ہماری طرف سے ہر طرح کے شکر وتقدیر کے مستحق ہیں جو ملی و جماعتی تقاضوں پر اپنی بھرپور علمی ودعوتی ذمے داریاں نبھاتے ہوئے مشن کو مستحکم کرتے ہیں، اللہ مزید برکت دے۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اس کتاب کی توفیق اشاعت پر اللہ تعالیٰ کی بے پناہ شکر گزار ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ اسے زیادہ سے زیادہ مفید ومقبول بنا، تاکہ امت خوب استفادہ کرے اور مولف، مترجم، ناشر اور تمام معاونین کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرما۔

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم، وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم۔

2017/5/15ء
1438/8/18ھ
ممبئی

عبد السلام سلفی
(امیر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

تقریظ

از: فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ (شارجہ)

الحمدلله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد:

علماء کے حقوق وآداب کے موضوع پر چند سال قبل مشہور عالم دین، استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، الریاض، مملکت سعودی عرب فضیلۃ الشیخ الدکتور عبدالرحمن بن معلا اللویحق حفظہ اللہ نے ایک نہایت ہی جامع ومانع کتاب "قواعد فی التعامل مع العلماء" تصنیف کی تھی، اس کتاب میں متعدد پہلو سے علماء کے حقوق وآداب کے متعلق گفتگو کی گئی، یہ کتاب برابر عرصہ دراز سے میرے مطالعہ میں رہی ہے، اس کے مختلف اقتباسات اپنے وعظ ونصائح، تقاریر، دروس، محاضرات وخطب میں طلبہ علم اور عوام کے سامنے پیش کرتا رہا اور خود بھی مستفید ہوتا رہا۔

مگر یہ کتاب عربی میں ہونے کی وجہ سے اردو داں طبقہ اس سے استفادہ سے محروم تھا، دلی تمنا تھی کہ اس کا کوئی اردو میں ترجمہ کردے تاکہ اردو داں طبقہ بھی اس سے مستفید ہو اور علماء کے مقام ومرتبہ کو پہچانے۔

بحمد اللہ وتوفیقہ ہماری جماعت اہلحدیث کے معروف نوجوان عالم فضیلۃ الشیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی سلمہ اللہ نے اس کا اردو ترجمہ کردیا ہے، شیخ عنایت اللہ سلمہ اللہ ایک باصلاحیت نوجوان عالم ہیں، جن کی تقریر وتحریر دونوں قابل ستائش ہے، منہج اہلحدیث کی نشر واشاعت میں نہایت ہی نشیط ہیں، اس سے پہلے بھی شیخ محترم کے مختلف موضوعات پر تصانیف اور ترجمے منظر عام پر آچکے ہیں، اللہ تعالی سے

دعا گو ہوں کہ اللہ شیخ موصوف کو دین کے کاموں کی مزید توفیق عطا کرے اور سلف کا خلف بنائے۔

ہمارے محترم مولانا عبدالسلام سلفی صاحب حفظہ اللہ، امیر صوبائی جمعیت اہلحدیث ممبئی قابل شکر ہیں، اللہ تعالی ان کو بھی جزائے خیر دے کہ انھوں نے اس کتاب کو صوبائی جمعیت کی طرف سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا، اور اس سے پہلے بھی کئی کتابیں صوبائی جمعیت کی طرف سے شائع کر چکے ہیں۔

امیر محترم اور مترجم سلمھما اللہ کی گذارش پر یہ چند سطور میں نے عدم فرصت اور قلت وقت کے باوجود لکھا، اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کی اللہ تعالی ہم سب کو اجر وثواب کا مستحق بنائے اور اس کتاب کو لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے اور علماء کے مقام ومرتبہ کو پہنچاننے کی توفیق دے، کیونکہ اس پرفتن دور میں عوام تو عوام ہی ہیں، نام نہاد دعاۃ کا بھی ایک بہت بڑا طبقہ ہے جو نوجوانوں کو علماء سے دور رکھنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔

لوگوں کو رشد وہدایت کی راہ بتانے اور ضلالت وگمراہی سے بچانے کے لئے اللہ تعالی آسمانی کتابیں اور اپنے انبیاء ورسل کو بھیجتا رہا ہے، جیسے کہ فرمایا:

﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ ٱتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾ ﴾ [طہ:۱۲۳]۔

اب تمہارے پاس کبھی میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے نہ تو وہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا۔

اسی طرح فرمایا:

﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِي فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾ ﴾ [الأعراف:۳۵]۔

اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں جو میرے احکام تم سے بیان کریں تو جو شخص تقوی اختیار کرے اور درستی کرے سو ان لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ

وہ غمگین ہوں گے۔

اور آخری نبی محمد ﷺ کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا کہ:

﴿هُوَ ٱلَّذِي بَعَثَ فِي ٱلۡأُمِّيِّـۧنَ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُواْ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحِكۡمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبۡلُ لَفِي ضَلَٰلٖ مُّبِينٖ ۝٢﴾ [الجمعة:۲]۔

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

انبیاء علیہم السلام تو دنیا سے چلے جاتے ہیں، مگر ان کی لائی ہوئی ہدایت اور تعلیمات باقی رہ جاتی ہیں، لہٰذا ان کی ذمہ داریاں (رشد وہدایت اور ضلالت وگمراہی کی نشاندہی کرنا، نیز دعوت حق اور امت کی اصلاح وارشاد کی ذمہ داریاں) ان کے سچے جانشین علمائے حق پر عائد ہوتی ہیں، اور وہی علمائے حق اس دنیا میں توحید وسنت اور حق کے علمبردار ہوتے ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ"۔

اسی چیز کی طرف اللہ تعالی نے بھی اشارہ کیا ہے:

﴿شَهِدَ ٱللَّهُ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ وَأُوْلُواْ ٱلۡعِلۡمِ قَآئِمَۢا بِٱلۡقِسۡطِۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ ۝١٨﴾ [آل عمران:۱۸]۔

اللہ تعالی، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس لیے لوگوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ علماء سے جڑے رہیں، ان کو اپنا قائد ورہنما

سمجھیں اور اپنی تمام مشکلات ومسائل میں ان کی طرف رجوع کریں، مگر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ ہمیشہ علماء کے متعلق افراط وتفریط کے شکار ہو جاتے ہیں، ایک گروہ تو علماء ومشائخ کو اپنا رب بنالیتا ہے، جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ﴾ [التوبہ:۳۱]۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

جبکہ دوسرا گروہ خود رائی اور خود اعتمادی کا شکار ہو کر علماء سے بالکل قطع تعلق کر لیتا ہے، ان سے کوئی ربط وضبط نہیں رکھتا، نہ کبھی ان کی طرف رجوع کرتا ہے، جب کہ علماء سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور ان سے قطع تعلق کرنا ہلاکت وبربادی اور گمراہی وضلالت کا بڑا سبب ہوتا ہے، وہ علماء سے کنارہ کشی اختیار کر کے طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسی لیے کتاب وسنت میں علماء سے الفت ومحبت، ان کی طرف رجوع کرنے اور ان سے جڑے رہنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے، علماء کے ساتھ عوام وخواص کے تعلقات ومعاملات کیسے ہونے چاہیے یہ ایک طویل بحث ہے جن میں سے چند چیزیں یہ ہیں:

● **احترام العلماء:**

ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللَّهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ"(1)۔

بوڑھے مسلمان کی تعظیم وتکریم کرنا، حامل قرآن (عالم ربانی) کی تکریم کرنا جو حامل قرآن (عالم) نہ تو اس میں غلو کرنے والا ہو اور نہ اس پر عمل سے کنارہ کشی اختیار کرنے والا ہو، اسی طرح عادل بادشاہ کی تکریم وتعظیم کرنا اصل میں اللہ کی تعظیم وتکریم کرنا ہے۔

(۱) ابوداود فی الأدب، باب فی تنزیل الناس منازلہم (4843)، صحیح الترغیب 1 / 44، صحیح الجامع 1 / 438۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ: "أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي الثَّوْبِ الوَاحِدِ، ثُمَّ يَقُولُ: ''**أَيُّهُمَا أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ؟**''، فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا، قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ''[۱]۔

نبی کریم ﷺ شہدائے احد میں سے دو دو لوگوں کو ایک کپڑے میں کفناتے تھے، پھر پوچھتے تھے: ان دونوں میں سے زیادہ قرآن والا کون ہے؟ اگر آپ کو ان دونوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو اُسے قبر میں پہلے رکھتے۔

- **علماء کے مقام ومرتبہ کا لحاظ رکھنا:**

عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**ليس منّا مَنْ لم يُجِلَّ كبيرَنا، ويرحمْ صغيرَنا ويَعْرِفْ لعالِمِنا حقَّهُ**''[۲]۔

وہ میری امت میں سے نہیں ہے جو اپنے بڑوں کی عزت واحترام نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے علماء کا مقام ومرتبہ نہ پہچانے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**البركةُ مع أكابِرِكم**''[۳]۔

برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے۔

- **علماء کے حقوق کو پہچاننا اور ادا کرنا:**

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''**ليس منا من لم يَرحمْ صغيرَنا، ويَعْرِف حقَّ كبيرِنا**''[۴]۔

---

(۱) البخاری (1353)، أبوداود (3138)، الترمذی (1036)، النسائی (1955)۔

(۲) صحیح الجامع (5443)، وحسنہ الألبانی۔

(۳) صحیح الترغیب 1/152۔

(۴) صحیح الترغیب 1/152۔

جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں۔

● **علماء کی طرف رجوع کرنا:**

اپنے مشکلات اور درپیش مسائل میں علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿فَسْئَلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٧﴾ [الانبیاء:۷]۔

پس تم اہل کتاب سے پوچھ لو اگر خود تمہیں علم نہ ہو۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ:

"خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ، ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ: هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ؟ فَقَالُوا: مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أُخْبِرَ بِذَلِكَ فَقَالَ: "**قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا، فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ**"[1]۔

ہم ایک سفر میں نکلے، ہوا یہ کہ ہم میں ایک شخص کو پتھر لگ گیا جس سے اس کا سر زخم آلود ہو گیا، پھر اُسے احتلام بھی ہو گیا، چنانچہ اُس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگ میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہم تمہارے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے، کیونکہ تمہیں پانی استعمال کرنے کی قدرت ہے، چنانچہ اس نے غسل کیا اور اس کی موت ہوگئی، جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: "ان لوگوں نے اُسے قتل کر ڈالا، اللہ انہیں بھی مار ڈالے، جب علم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں؟ کہ عاجز کا علاج سوال کرنا ہے"۔

(۱) أبوداود(336)، ابن ماجه(572)، أحمد(3056)۔

• **مجالسۃ العلماء:**

ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جالِسوا الکبراءَ وسائِلوا العلماءَ وخالِطوا الحکماءَ"[۱]۔

بڑوں کی صحبت اختیار کرو، علماء سے مسائل دریافت کرو، اور علم والوں سے گھل مل کر رہو۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"المتّقونَ سادۃٌ والفقھاءُ قادۃٌ ومجالستُھم زیادۃٌ"[۲]۔

متقین اپنے قوم کے سردار ہوتے ہیں، اور علماء ہی قوم کے قائد و رہنما ہوتے ہیں، اور ان کی مجلسیں اور محفلیں ایمان اور علم وعمل میں زیادتی کا سبب ہوتی ہیں۔

لقمان حکیم اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے تھے:

"یَا بُنَيَّ جَالِسِ الْعُلَمَاءَ، وَزَاحِمْهُمْ بِرُكْبَتَيْكَ، فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَيُحْيِي الْقُلُوبَ بِنُورِ الْحِكْمَةِ، كَمَا يُحْيِي الْأَرْضَ الْمَيْتَةَ بِوَابِلِ السَّمَاءِ"[۳]۔

بیٹے! علماء کی صحبت اختیار کرو اور ان کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ علم کے نور سے دلوں کو ایسے زندگی عطا کرتا ہے، جیسے آسمانی بارش سے مردہ زمین کو سبزہ زار بنادیتا ہے۔

• **محبۃ العلماء:**

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اطْلُبُوا الْعِلْمَ فَإِنْ لَمْ تَطْلُبُوهُ فَأَحِبُّوا أَهْلَهُ، فَإِنْ لَمْ تُحِبُّوهُمْ فَلَا تُبْغِضُوهُمْ"[۴]۔

---

(۱) رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر (324)، (354) من طریقین إحداھما ہذہ، والأخری موقوفۃ، وفیہ عبدالملک بن حسین أبومالک النخعی وھو منکر الحدیث، والموقوف صحیح الاسناد، مجمع الزوائد 1/130۔

(۲) رواہ الطبرانی فی الکبیر فی حدیث طویل ورجالہ موثوقون، کذا فی المجمع 1/125-126۔

(۳) الزھد للامام أحمد بن حنبل (552)۔

(۴) الزھد للامام أحمد بن حنبل (734)۔

علم حاصل کرو، اگر علم نہ حاصل کرسکو تو علم والوں سے محبت کرو، اور اگر ان سے محبت نہ کرسکو تو کم ازکم ان سے نفرت نہ کرو۔

اور ایک روایت میں ہے:

"إنكم لن تزالوا بخير ما أحببتم خياركم، وقيل فيكم بالحق فعرف، ويل لكم إذا كان العالم فيكم كالشاة النطيح"[1]۔

یقیناً جب تک تم اپنے بہتر لوگوں سے محبت کرو گے خیر و بھلائی میں رہو گے، اور تمہارے بارے میں حق بات کہی جائے گی اور وہی تمہاری پہچان ہوگی، بربادی ہو تمہاری! اگر عالم کی حیثیت تمہارے درمیان سینگ زدہ بکری کی سی ہو جائے۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"محبّة الْعلمَاء دين يدان بِه"[2]۔

علماء کی محبت دین ہے، جس کے ذریعہ دین پر عمل کیا جاتا ہے۔

علماء کے مقام و مرتبہ، عزت و احترام کے متعلق یہ چند سطور میں نے معزز قارئین کی خدمت پیش کی ہیں، اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی ہمیں علم و علماء کے حقوق پہچاننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے، والحمد للہ رب العالمین۔

ظفر الحسن مدنی

۲۲/شعبان/۱۴۳۸ھ

---

(۱) ابو نعیم فی الحلیۃ 7/383۔

(۲) مفتاح دار السعادۃ 1/161۔

عرض مترجم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دین اسلام کی پہلی وحی کا آغاز پڑھنے اور حصول علم کے حکم کے ذریعہ فرمایا، جا بجا علم اور علماء کی فضیلت ومنقبت میں آیتیں ارشاد فرمائیں، حاملین علم کی تعریف وستائش اور مدح وثنا کا بکثرت تذکرہ فرمایا، اپنی وحدانیت کی شہادت میں اپنے مقرب ملائکہ کے ساتھ اہل علم کو خصوصی طور پر شامل فرما کر ان کے مقام بلند کو آشکارا کیا، اپنے نبی محمد ﷺ کے سینہ مبارک کو علم و ہدایت کے نور سے مجلی فرما کر انہیں پوری انسانیت کا معلم وہادی بنایا، پھر آپ پر سلسلۂ نبوت کا اختتام فرما کر امت کے مخلص علماء ربانیین وراسخین کو انبیاء علیہم السلام بالخصوص نبی رحمت ﷺ کے علوم کا وارث بنایا، ان باتوں کی دلیلیں کتاب وسنت میں بھری پڑی ہیں جو بدیہی طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دینی وشرعی بنیادوں پر امت میں علماء راسخین وربانیین ایک خصوصی مقام ومرتبہ اور امتیازی حیثیت سے فراز مند ہیں جس میں ان کا کوئی شریک نہیں۔

اور جب یہ علماء حق انبیاء کے وارثین ہیں تو اس انبیائی مشن کی وراثت کی بنا پر امت میں ان کا وجود تمام تر خیر وبرکت کا باعث ہے بایں طور کہ اب یہ علماء قیامت تک ایمان وعقیدہ، منہج وفکر، سلوک وعمل، اخلاق وکردار، حقوق ومعاملات، اور حکم وسیاسیات وغیرہ تمام تر امور میں امت کی سچی رہنمائی کرنے والے اور جہالت وضلالت کی ابلیسی راہوں سے امت کو چوکنا اور بیدار کرنے والے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ کتاب وسنت میں علماء کی موت وہلاکت کو دین اسلام اور افراد امت کے حق میں ایک آفت، المیہ اور نقص وخلل کا باعث قرار دیا گیا ہے، علامہ محمد احمد سفیری شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقد جاءت أخبار من الكتاب والسنة وغيرها أن موت العلماء نقص في الدين،

وعلامة لحلول البلاء المبين''(۱)۔

کتاب وسنت وغیرہ کی دلیلیں آئی ہیں کہ علماء کی موت دین میں نقص اور کھلی مصیبت ٹوٹنے کی نشانی ہے۔

چنانچہ فرمان باری تعالی:

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْاْ أَنَّا نَأْتِي ٱلْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَاۚ وَٱللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِۦۚ وَهُوَ سَرِيعُ ٱلْحِسَابِ ۝٤١ ﴾ [الرعد:۴۱]۔

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں؟ اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے احکام پیچھے ڈالنے والا نہیں، وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

میں وارد ''نقص'' کی تفسیر میں مفسرین سلف کی ایک جماعت نے صراحت فرمائی ہے' کہ اس سے روئے زمین پر علماء، فقہاء اور نیک کاروں کی کمی اور ان کی موت ہے، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِي رِوَايَةٍ: خَرَابُهَا بِمَوْتِ فُقَهَائِهَا وَعُلَمَائِهَا وَأَهْلِ الْخَيْرِ مِنْهَا. وَكَذَا قَالَ مُجَاهِدٌ أَيْضًا: هُوَ مَوْتُ الْعُلَمَاءِ''(۲)۔

ایک روایت میں ابن عباس فرماتے ہیں کہ روئے زمین کی تباہی اس کے فقہاء، علماء اور اہل خیر کی موت کے سبب ہوگا، اسی طرح مجاہد کہتے ہیں: کہ اس سے مراد علماء کی موت ہے۔

اس بات کو دیگر کئی مفسرین نے سلف کی ایک جماعت سے نقل فرمایا ہے، جن میں مشہور تابعی عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ بھی ہیں(۳)۔

---

(۱) المجالس الوعظیۃ فی شرح أحادیث خیر البریۃ من صحیح البخاری للسفیری (2/151)۔

(۲) تفسیر ابن کثیر (4/472) نیز دیکھئے: تفسیر جامع البیان، تحقیق احمد شاکر (16/497) وتفسیر القرطبی (9/334)۔

(۳) تفسیر القرطبی (9/334) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (19/62) تفسیر البغوی (4/327) والمجالس الوعظیۃ ==

حافظ المغرب امام ابن عبد البر اندلسی رحمہ اللہ عطاء رحمہ اللہ کی تفسیر کو سراہتے ہوئے اور تائید میں ابن عمر رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قَوْلُ عَطَاءٍ فِي تَأْوِيلِ الْآيَةِ حَسَنٌ جِدًّا، تَلَقَّاهُ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالْقَبُولِ''[۱]۔

آیت کی تفسیر میں عطاء رحمہ اللہ کا قول بہت ہی اچھا ہے اسے اہل علم نے قبول کیا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے امت میں علماء کے مقام اور ان کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی سنگینی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

''حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا''[۲]۔

یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ رکھے گا، تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، جن سے سوال کیا جائے گا، اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، چنانچہ وہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اسی طرح حسن بصری رحمہ اللہ نہایت دقیق اور انوکھے انداز میں ہر دور اور زمانہ میں علماء کے وجود کی حیثیت واہمیت کو آشکارا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''العلماء سراج الأزمنة، فكل عالم مصباح زمانه، يستضيء به أهل عصره، ولولا العلماء لكان الناس في عمى كالبهائم، ولولا السلطان لأكل الناس بعضهم بعضًا''[۳]۔

== فی شرح أحادیث خیر البریۃ من صحیح البخاری (2/151) البدر التمام شرح بلوغ المرام (8/483)۔

(۱) دیکھئے: تفسیر القرطبی (9/334)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب: کیف یقبض العلم، حدیث (۱۰۰)، وسلم، کتاب العلم، باب: رفع العلم، حدیث (۲۶۷۳)۔

(۳) شجرۃ النور الزکیۃ فی طبقات المالکیۃ (2/5)۔ نیز دیکھئے: تعطیر الأنفاس من حدیث الاخلاص، للدکتور سید حسین عفانی ص (۵۲۷) طبع معاذ بن جبل ودار العفانی۔ والعلم فی الشعر العربی، از محمد عبد الرحیم، (ص: ۱۴)۔

علماء زمانوں کے چراغ ہوا کرتے ہیں، چنانچہ ہر عالم اپنے دور کا چراغ ہے، جس سے اس دور کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں، اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ اندھیرے میں ہوتے جیسے جانور ہوتے ہیں، اور اگر حاکم نہ ہوتا تو لوگ ایک دوسرے کو کھا جاتے۔

امت میں علماء کے اسی مقام ومرتبہ کا دینی وشرعی تقاضہ ہے کہ ان کا مقام ومرتبہ پہچانا جائے، ان سے ولایت ومحبت رکھی جائے، ان کا ادب واحترام، اور عزت وتکریم کی جائے، ان سے وابستہ ہو کر علم حاصل کیا جائے، ان کی برائی، عیب جوئی، قدح اور طعنہ زنی سے اجتناب کیا جائے، بلاوجہ انہیں غلط نہ ٹھہرایا جائے، ان کے لئے عذر تلاش کیا جائے، اور ان کی غلطیوں کی پردہ پوشی کی جائے، تمام تر مسائل میں ان سے رجوع کیا جائے بالخصوص فتنوں کے دور میں ان کی رائے سے ہی کوئی بات کہی جائے یا کوئی قدم اٹھایا جائے، گناہوں، لغزشوں سے کوئی مبرا نہیں، لہٰذا تحقیق وتاکد سے کام لیا جائے، ان پر حکم لگانے میں کمیوں خامیوں کے بجائے اُن کے فضائل ونیکیوں کی کثرت کا اعتبار کیا جائے، اُن کی خطاؤں سے احتراز کیا جائے، اہل علم کی معاصرانہ چشمک کو پھیلانے، تشہیر کرنے کے بجائے اُسے چھپایا اور سمیٹا جائے، حکم وفیصلہ میں بالخصوص اہل علم کی بابت عصبیت اور جانبداری کے بجائے مکمل عدل وانصاف سے کام لیا جائے، اہل علم پر اعتماد قائم اور بحال رکھا جائے، اُن پر اعتراض کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے، اسی طرح ان کی غیبت وچغلخوری اور توہین وتنقیص سے کلی اجتناب کیا جائے کہ، ان چیزوں کا انجام دین اسلام اور امت پر نہایت خطرناک ہے، اہل علم کے حقوق کا جامع تذکرہ کرتے ہوئے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

"اطْلُبُوا الْعِلْمَ فَإِنْ لَمْ تَطْلُبُوهُ فَأَحِبُّوا أَهْلَهُ، فَإِنْ لَمْ تُحِبُّوهُمْ فَلَا تُبْغِضُوهُمْ"[1]۔

علم حاصل کرو، اگر علم نہ حاصل کرسکو تو علم والوں سے محبت کرو، اور اگر اُن سے محبت نہ کرسکو تو ان سے نفرت بھی نہ کرو۔

---

(۱) الزھد للامام أحمد بن حنبل، (ص:113)، نمبر(734)۔

شریعت اسلامیہ میں اہل علم کی حیثیت و منقبت کا اس قدر اہتمام اس لئے ہے کہ اُن کی توہین وتنقیص اور عیب جوئی دراصل اسلام کی توہین اور عیب جوئی ہے، اور یہ امر اس قدر سنگین ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ رأس الخوارج ذوالخویصرہ کی بات ''یا محمد اعدل۔۔۔'' کی شرح میں علماء امت کے خلاف زبانی درازی کی سنگینی واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہہ سکتا ہے تو کسی عالم کے بارے میں لوگوں کی ایسی ویسی باتوں اور اس کی عیب جوئی سے آپ کو تعجب نہیں ہونا چاہئے' کیونکہ علماء کی برائی پر انہیں شیطان ہی آمادہ کرتا ہے، اس لئے کہ جب علماء کی عیب جوئی کریں گے تو لوگوں کے یہاں اُن کی باتوں کی اہمیت ختم ہو جائے گی، اور کتاب وسنت کی روشنی میں ان کی قیادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہ جائے گا، اور جب لوگ علماء اور ان کی باتوں پر اعتماد نہیں کریں گے تو بھلا ان کی قیادت کون کرے گا؟ ظاہر ہے کہ شیاطین اور اُن کے کارندے ہی اُن کی قیادت کریں گے! اسی لئے غیر علماء کی غیبت شخصی غیبت ہوتی ہے، اگر اس کا نقصان ہوا بھی تو غیبت کرنے والے اور جس کی غیبت کی گئی ہے بس اُسی کو ہوگا، جبکہ علماء کی غیبت سے پورے اسلام کو نقصان پہنچے گا، کیونکہ علماء ہی اسلام کے علمبردار ہیں' چنانچہ اُن کی باتوں کا اعتبار ساقط ہوگا تو اسلام کا پرچم بھی سرنگوں ہو جائے گا، جس کا نقصان پوری امت مسلمہ کو پہنچے گا، لہٰذا اگر غیبت سے عام لوگوں کے گوشت مُردار ہو جاتے ہیں تو علماء کے گوشت مُردار اور زہر آلود ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس کا نقصان بڑا عظیم ہے''[1]۔

بہر کیف زیر نظر کتاب علم اور علماء کے حقوق کی بابت ''قواعد فی التعامل مع العلماء'' نامی ایک اہم اور جامع شاہکار کا اردو ترجمہ ہے، جو عالم عرب کی ایک معتبر علمی شخصیت ڈاکٹر عبد الرحمن بن معلا اللویحق حفظہ اللہ (پروفیسر امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی' ریاض) کی گرانمایہ تالیف ہے' مشمولات کے علاوہ اس رسالہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ سماحۃ الشیخ علامہ عبد العزیز بن

(۱) شرح ریاض الصالحین، علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ (1/256)۔

عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے اس پر نظر ثانی فرمائی ہے اور اہمیت کے پیش نظر اپنی تقدیم میں اسے پڑھنے اور استفادہ کرنے وصیت فرمائی ہے۔

موجودہ دور میں جدید ٹیکنالوجی اور نت نئے وسائل ابلاغ کے طوفان کے نتیجے میں عوام الناس، جہلاء، نیم علماء، متعالمین، نااہلوں، اصاغر، دُخلاء اور رویبضات کی علماء سے دوری، قطع تعلق، بے نیازی، اُن کی ناقدری، توہین وتنقیص، بدگمانی گستاخی، زبان درازی، تہمت وتبرا، ہرزہ سرائی، حتیٰ کہ تبدیع وتکفیر وغیرہ کے ذریعہ امت میں علماء کی حیثیت اور اعتبار کو ناپید کرنے کی سازش کا بازار گرم ہے، چنانچہ علامہ بکر بن عبداللہ ابوزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''البادرة "الملعونة" من تكفير الأئمة: النووي، وابن دقيق العيد، وابن حجر العسقلاني – رحمهم الله تعالى – أو الحط من أقدارهم، أو أنهم مبتدعة ضلال. كل هذا من عمل الشيطان، وباب ضلالة وإضلال، وفساد وإفساد، وإذا جُرح شهود الشرع جُرح المشهود به، لكن الأغرار لا يفقهون ولا يتثبتون''[1]۔

ائمہ اسلام نووی، ابن دقیق العید اور ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ کو کافر قرار دینے یا اُن کی ناقدری کرنے یا یہ کہ وہ بدعتی اور گمراہ گر ہیں! کا لعنتی ماحول: یہ تمام چیزیں شیطانی عمل ہیں اور گمرہی وگمراہ گری اور فساد وفتنہ پروری کا دروازہ ہیں، جب شریعت کے گواہاں ہی مجروح ہوجائیں گے تو شریعت بھی مجروح ٹھہرے گی لیکن ناتجربہ کار لونڈے سمجھتے ہیں نہ تحقیق وتاکد کرتے ہیں۔

ایسے ماحول میں علماء کے حقوق کی بابت غیرت، کتاب کی اہمیت و افادیت اور وقت کی ضرورت کے پیش نظر اسے اردو جامہ پہنانے کا داعیہ پیدا ہوا، اس امید اور دعاء کے ساتھ کہ مولائے کریم امت میں علماء ربانیین کا اعتبار و اعتماد اور مرجعیت بحال فرمادے۔

کتاب کے ترجمہ میں کوشش یہ رہی ہے کہ الفاظ وتعبیرات سے آزاد ہوئے بغیر زبان سلیس اور

---

(۱) تصنیف الناس بین الظن والیقین، بکر بن عبداللہ أبوزید (ص: ۹۴)۔

رواں رہے اور مولف کے مقصود کی کماحقہ ترجمانی ہو سکے۔ میں اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق، غلطیوں لغزشوں سے معافی اور نفس وشیطان کے شر سے پناہ کا خواستگار ہوں۔ ساتھ ہی اللہ ذوالکرم سے پرامید ہوں کہ ان شاء اللہ کتاب اردو داں طبقہ کے حق میں مفید ثابت ہوگی، کہ میرے علم کے مطابق اس موضوع پر اردو زبان میں کتابیں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔

میں اس کتاب کی اشاعت پر اللہ عزوجل کی حمد وشکر کے بعد اپنے مشفق والدین کا بے انتہا شکر گزار ہوں بعدہ مسلک کتاب وسنت کی علمبردار صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی بالخصوص اس کے امیر محترم فضیلۃ الشیخ عبدالسلام سلفی حفظہ اللہ کا تہ دل سے ممنون ہوں، جن کی عقدی ومنہجی غیرت، علمی ودعوتی حمیت، جماعتی فکرولگن، پیہم جدوجہد اور حوصلہ افزائی کے نتیجہ میں اس کتاب کی اشاعت عمل میں آئی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس پر اجر عظیم سے نوازے، آمین۔

اسی طرح توحید وسنت، منہج سلف اور مسلک اہل حدیث کے غیور اور بیباک شہرہ آفاق داعی ومصلح اپنے مشفق ومربی فضیلۃ الشیخ ظفر الحسن مدنی حفظہ اللہ (شارجہ) کا صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں جنہوں نے اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کتاب پر گرانقدر تقریظ تحریر فرمائی اور علماء کے حقوق اور ان کے ساتھ عوام وخواص کے ربط وتعلق کی بابت اہم اور قیمتی باتوں سے نوازا، جس سے کتاب کا معنوی حسن دوبالا ہوگیا، فجزاہ اللہ خیرا وتقبل جھودہ ومساعیہ، آمین۔

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہر خاص وعام کے لئے یکساں مفید بنائے اور اراکین جمعیت اور دیگر محسنین کے لئے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

۱۶/ شعبان ۱۴۳۸ھ

ممبئی

ابوعبداللہ عنایت اللہ بن حفیظ اللہ مدنی
(شعبۂ نشرواشاعت صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)
(inayatullahmadani@yahoo.com)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

سماحۃ الامام علامہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

بسم اللہ والحمد للہ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وأصحابہ ومن اھتدی بھداہ، أما بعد:

میں نے ''قواعد فی التعامل مع العلماء'' (علماء کے ساتھ برتاؤ کے اصول وضوابط) نامی کتاب دیکھی، جو فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن معلا اللویحق وفقہ اللہ کی تالیفات میں سے ہے، چنانچہ میں نے اسے بڑی ٹھوس اور بہت زیادہ مفید کتاب پایا، جس میں اس کے مولف نے علماء کے ساتھ تعامل اور برتاؤ کے سلسلہ میں مطلوبہ امور کی شرح فرمائی ہے اور اس بارے میں بہت سارے اہل علم کے اقوال وفرمودات نقل کئے ہیں، درحقیقت اس سلسلہ میں انہوں نے بڑا عمدہ اور مفید شاہکار انجام دیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور دگنا درگنا اجر وثواب عطا فرمائے۔

میں اس کتاب کے پڑھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور اس کے مولف کو دگنا درگنا اجر عطا فرمائے، اور مسلمانوں کے تمام علماء کو اُن باتوں کی توفیق بخشے جن میں اُس کی رضا اور اس کے بندوں کے لئے نفع ہے، یقیناً وہ سننے والا قریب ہے۔

وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ

(سابق مفتی عام مملکت سعودی عرب وصدر کبار علماء بورڈ وادارہ علمی تحقیقات وافتاء)

مقدمہ مولف

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا پھر بھی کافر لوگ (غیر اللہ کو) اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔

اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے زیبا ہیں جس کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کا شکریہ اسی کی عطا کردہ اس نعمت کے ذریعہ ادا کیا جانا ممکن ہے جو اس کی گزری ہوئی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے والے پر ایک نئی نعمت کے طور پر اس کے شکریہ کی موجب ہے، جس نعمت کی بنا پر اس پر اس کا شکریہ ادا کرنا واجب قرار پاتا ہے۔

خوبیاں بیان کرنے والے اللہ کی عظمت و بڑائی کی تہ تک رسائی نہیں کرسکتے۔ وہ ویسا ہے جیسے اس نے خود اپنی صفت بیان فرمائی ہے، مخلوق کی صفت بیانی سے کہیں بلند و برتر ہے۔

میں اللہ کی ایسی حمد وثنا کرتا ہوں جو اس کے رخ کے کرم اور اس کے جلال کی عزت و بڑائی کے شایان شان ہے۔

اور میں اس سے ایسی مدد مانگتا ہوں جس کے بغیر کسی کو کوئی قوت وتصرف نہیں۔

اور میں اس کی اس ہدایت کا خواستگار ہوں، جسے وہ اس سے نواز دے وہ گمراہ نہیں ہوسکتا۔

اور میں اس سے اپنے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں، اس بندے کے

بخشش مانگنے کی طرح جو اس کی بندگی کا اقرار کرتا ہے اور اس بات کا علم رکھتا ہے کہ اُس کے گناہ کو بخشنے والا اور اس سے نجات دینے والا اُس کے سوائی کوئی نہیں۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اُن پر اور ان کے آل واصحاب پر، جب جب انہیں یاد کرنے والے یاد کریں اور غافل ہونے والے غافل ہوں، اور خوب خوب سلامتی نازل فرمائے[1]۔

حمد وصلاۃ کے بعد:

یقیناً اللہ عزوجل نے محمد ﷺ کو مبعوث فرما کر اس امت پر احسان عظیم فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾﴾ [آل عمران: ۱۶۴]۔

بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

چنانچہ محمد ﷺ کی بعثت اس امت پر سب سے بڑی اور نہایت جلیل القدر نعمت ہے۔

اور اس نعمت کی تکمیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے علماء کرام کو اس نبی کریم ﷺ کے علوم کا وارث بنایا ہے، چنانچہ علماء کرام آپ ﷺ کے وارثین ہیں جو آپ کی امت میں تبلیغ دین،

(۱) اس خطبہ کی عبارتیں امام شافعی رحمہ اللہ کے خطبہ سے ماخوذ ہیں، جو انہوں نے اپنی کتاب "الرسالۃ" کے آغاز میں تحریر فرمایا ہے۔

تعلیم وتوجیہ اور حلال وحرام کی پابندیوں کی وضاحت کا مشن سنبھالے ہوئے ہیں۔

اور جب علماء کرام انبیاء علیہم السلام کے علوم کے وارث ہیں تو ساتھ ہی یقینی طور پر شریعت اسلامیہ میں حیثیت اور مقام ومرتبہ کے اعتبار سے اپنے شایان شان قدر منزلت کے بھی وارث ہیں، لہٰذا امت پر واجب قرار پایا کہ اللہ کی اطاعت میں اُن کی اطاعت کریں، ان سے محبت کریں، اُن کا ادب واحترام کریں، ان سے قریب ہونے کی کوشش کریں اور ان سے علم حاصل کریں۔

امت کے سلف اسی طریقہ پر گامزن رہے ہیں، چنانچہ علماء ہی پیش پیش ہوا کرتے تھے، وہی مجلسوں کے نگراں ہوتے تھے، وہی ہر حال میں امت کا مرجع اور کسی ہنگامی اہم درپیش معاملہ میں اُن کی جائے قرار ہوتے تھے۔

اور لوگ بالعموم ان کی حیثیت اور قدر ومنزلت کے معترف ہوا کرتے تھے۔

پھر بعد میں کچھ نااہل ان کے جانشین ہوئے جن میں علم اور اہل علم کی کمی ہوئی، اور بلند پایہ ائمہ نادر رہ گئے، اور لوگوں میں سلف کی ان باقیماندہ ہستیوں کا اعتبار کم ہوگیا، چنانچہ انہوں نے ان کو اپنا شایان شان مقام ومرتبہ نہ دیا، بلکہ اس سلسلہ میں ان کے نظریات مختلف ہوگئے:

① چنانچہ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ علماء دیگر عام لوگوں کی طرح ہیں، شریعت میں اُن کا کوئی اعتبار نہیں ہے جس سے ان کی قدر ومنزلت بلند وبرتر ہو، چنانچہ انہوں نے علماء کے لئے سر تک نہ اٹھایا، (یعنی انہیں کوئی اہمیت نہ دی)، ایسے لوگوں میں خوارج کی مشابہت ہے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں پیش رو علماء کی قدر نہ پہچانی، جس کے سبب ان کا انجام خسارہ اور گھاٹا ہوا، وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور اپنے دین کو ٹولیوں اور فرقوں میں بانٹ دیا، بایں طور کہ ہر دھڑا اپنے عقیدہ وعمل پر مست ومگن ہے۔

② اور کچھ لوگوں نے علماء کو مقدس ومبرا قرار دیا، انہیں اپنے مقام ومرتبہ سے اوپر اٹھا دیا، اور دین میں ان کی مطلق تقلید کرنے لگے، چنانچہ انسان کا قائد ورہنما دلیل نہیں، بلکہ شیخ کا قول رہ گیا، چنانچہ اس قسم کے لوگوں میں روافض کی مشابہت ہے جنہوں نے اپنے اماموں کو معصوم قرار دیا، اور انہیں ایسے مقام ومرتبہ پر فائز کردیا جہاں کسی نبی مرسل اور مقرب فرشتے کی بھی رسائی نہیں ہوسکتی، اور پیران ومشائخ کی تعداد کے مطابق ان کے متعدد فرقے اور ٹولیاں بن گئیں، اور ہر ٹولی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات کو چھوڑ کر اپنے تقلید کردہ شیخ کی رائے کے لئے تعصب کرنے لگی۔

③ اور کچھ لوگوں نے علماء کا مقام ومرتبہ تو تسلیم کیا لیکن ان کے ساتھ اس حیثیت سے برتاؤ نہیں کیا کہ وہ بشر ہیں ان سے بھی غلطی اور چوک ہوسکتی ہے، بلکہ ان کے ساتھ بشری پیمانوں سے بالاتر تعامل کیا، چنانچہ جیسے ہی انہیں کسی عالم کی کوئی خطا نظر آئی، اُسے بہت بڑا بنا دیا اور خوب بڑھا چڑھا کر رائی کو پربت بنا کر ہر طرف لوگوں میں اس کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کردیا۔

اور اس طرح انہوں نے دو متناقض باتیں اکٹھا کرڈالیں:

۱۔ علماء کی اس قدر تعظیم کہ انہیں اس مقام پر فائز کردیا کہ اُن سے غلطی کا تصور کیا جاسکتا ہے نہ ہی کوئی خطا قابل قبول ہوسکتی ہے۔

۲۔ علماء کے مقام ومرتبہ کی پامالی، بایں طور کہ اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہوجائے تو ان کے خلاف زبان درازی کرنا، اس کا پروپیگنڈہ کرنا اور ان کی ہتک عزت اور توہین کرنا۔

اور یہ بھی اس صورت میں جب اس پر غلطی کو گھڑ نہ لئے ہوں اور اپنی طرف سے اُس پر ناحق چسپاں نہ کردیئے ہوں، کیونکہ اگر ایسا کئے ہوں گے تو اس کا معاملہ اس سے بھی عظیم

اور سنگین تر ہوگا۔

اور یہ تمام طریقے اور نظریات روزمرہ کی زندگی میں ظاہر اور عام ہیں۔

درحقیقت علماء کے ساتھ تعامل کے ان نظریات سے مجھے بڑی تکلیف ہوئی؛ لہٰذا میں نے سوچا کہ اس سلسلہ میں ایک رسالہ لکھوں جس میں اس پہلو سے متعلق اہل علم کے وہ اقوال جمع کروں جو علماء کے ساتھ سچے تعامل اور برتاؤ کی بابت اصول وضوابط اور قواعد طے کرنے والے ہوں۔

اور ابھی میں نے اس رسالہ کی تیاری کا آغاز ہی کیا تھا کہ مجھے اس میں دیگر کئی پہلو نظر آئے جو مزید تلاش وجستجو پر آمادہ کرتے ہیں۔

اور جہاں مجھے ایک طرف علماء کے ساتھ اس دور کے بہت سے لوگوں کی بدسلوکی سے تکلیف ہوئی، خواہ ان کی عزت وتکریم نہ کرنے کے سبب، یا ان کے اقوال کا اعتبار نہ کرنے کے سبب یا ان پر حکم لگانے کے سلسلہ میں عدل وانصاف کی کمی کے سبب۔

وہیں دوسری طرف اپنے علماء کے ساتھ سلف کا حسن تعامل، عمدہ برتاؤ، ان کی حد درجہ عزت وتکریم اور اگر ان سے غلطی سرزد ہوجائے تو ان کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ مجھے حد درجہ بھایا اور پسند آیا۔

لہٰذا میں نے ان نیک کار اسلاف کی سیرت میں بھی چند باتیں اکٹھا کیں؛ تاکہ ان کے بعد لوگوں میں اللہ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہے، وہ ان باتوں سے فائدہ اٹھا سکے۔

کیونکہ علماء اس بات کے سزاوار ہیں کہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ اور ان کے حقوق کی دیکھ ریکھ کی بھرپور کوشش کی جائے، کیونکہ دین میں انہیں جو بلند مقام حاصل ہے وہ دیگر لوگوں حاصل نہیں ہے۔

ساتھ ہی واضح رہے کہ ان اوراق کی منفعت یہیں تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان میں دیگر کئی فوائد بھی مندرج ہیں، جیسے:

① طلبہ علم کو مزید طلب علم اور علم کے منازل طے کرنے کی رغبت اور شوق دلانا؛ تاکہ وہ راسخین فی العلم میں سے ہو جائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی ہے، کیونکہ آدمی علماء کے فضائل اور دین میں ان کے مقام و مرتبہ کو دیکھتا ہے، تو اس کے بس میں اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اُسے انہی کی لڑی میں پرو دے، اور اسے بھی انہی جیسا علم عطا فرمائے، اور پھر اگر وہ ہوشمند اور دانا ہوتا ہے تو طلب علم اور اس میں جدوجہد کے لئے کمر کسنے پر عزم باندھ لیتا ہے۔

② امت کو اتحاد و یگانگت کی راہ اپنانے اور فرقہ بندی سے دور رہنے کی ترغیب، کیونکہ اتحاد و اتفاق کی راہ: کتاب وسنت پر پختگی سے گامزن ہونا اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا ہے، اور علماء ہی اس کی رہنمائی کرنے والے ہیں۔

چنانچہ اگر ہم انہیں اُن کا مقام دیں اور ان کی باتوں پر اعتماد کریں تو ہماری صفوں میں اتحاد پیدا ہوگا اور ہم میں اجتماعیت کی روح بیدار ہوگی اور اگر ہم ان سے اعراض کریں تو اپنے دین میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

③ رسالہ کے قاری کو علماء کی ایک اچھی ٹیم سے متعارف کروانا جن کا ذکر اس رسالہ کے اندرون صفحات آئے گا، کیونکہ ہمارے دور کے لوگوں کے ذہنوں میں کچھ ایسے لوگوں کے نام پیوست ہو چکے ہیں جن کا کوئی حصہ نہیں۔ اور ذہنوں میں ناموں کے جا گزیں ہو جانے کا اقتداء اور محبت میں بڑا اثر ہوتا ہے، جو کسی نام کو کثرت سے ذکر کرتا ہے وہ اس نام والے سے محبت کی علامت ہوتی ہے، لہذا ہو سکتا ہے کہ اس رسالہ میں آنے والے بلند پایہ علماء کے ناموں

کا ذکر اُن سے محبت والفت، لگاؤ اور ان کا بکثرت ذکر کرنے کا محرک اور سبب بن جائے۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اس رسالہ کے مشمولات تقریباً اقتباسات ہیں جنہیں میں نے اہل علم کی کتابوں سے جمع کیا ہے، انہیں منتخب کرکے ترتیب دینے اور ایک لڑی میں پرونے کے سوا اُس میں میرا کوئی کام نہیں ہے۔

رہا تصنیف اور ابداع (نئی معلومات پیش کرنا) تو وہ ایک ایسا دنگل ہے جس میں دوڑنے کی مجھ میں اہلیت نہیں اور ایسی ڈگر ہے جس کے رہرو اہل علم ہیں۔

اور اس سلسلہ میں معلومات اکٹھا کرنے کے لئے میں اس لئے آگے بڑھا کہ ہوسکتا ہے اہل علم لوگوں پر اپنے حقوق بیان کرنے کی بابت نہ لکھیں۔ لہٰذا مجھ جیسے ان کے شاگردان پر حق ٹھہرا کہ میں اسے تحریر میں لاؤں اور امت کے سامنے بیان کروں۔

❁ ❁ ❁

اوران اوراق کو پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ دو اہم ملاحظات خوب ذہن نشین کرلے جنہیں میں یہاں اس کے سامنے پیش کررہا ہوں:

پہلا ملاحظہ: جن علماء کے بارے میں میں لکھوں گا وہ امت کے قابل اعتماد معتبر علماء ہیں، رہے بدعتی اور گمراہ گر لوگ جنہوں نے بدعت وضلالت کے جھنڈے لہرائے اور اپنی بدعتوں کی بنیاد پر محبت وعداوت اور دوستی ودشمنی کی، اور اس طرح ولاء اور براء کا معیار اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے علاوہ کو بنالیا، وہ اس قابل نہیں کہ انہیں اہل علم کی موتیوں میں پرویا جائے، گرچہ وہ علماء کا طرز وانداز اپنائیں اوران سے انتساب رکھیں۔

اور انہی میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے علم کو پیشہ اور کاروبار بنالیا ہے، جس کے ذریعہ وہ کھانے اور زندگی جینے کا سامان کرتے ہیں، حالانکہ علم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے،

سوائے لباس اور شکل وصورت میں ظاہری دکھاوے اور لفاظی و چرب زبانی کے، جس کے ذریعہ انہوں نے لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے کہ وہ علماء ہیں۔

لہٰذا یہ لوگ اسی لائق ہیں کہ انہیں عوام کے زمروں میں شمار کیا جائے، کیونکہ یہ متعالمین (اپنے آپ کو علماء ظاہر کرنے والے) ہیں، حقیقی علماء نہیں[1]۔

دوسرا ملاحظہ: یہ رسالہ محض علماء کے ساتھ لوگوں کے تعامل اور برتاؤ پر غور کرنے کے سلسلہ میں ہے، رہے علماء پر عوام کے واجبی حقوق، تو علماء اس سے بخوبی واقف ہیں اس بارے میں انہیں مجھے یاد دہانی کرانے کی چنداں حاجت نہیں۔

❀ ❀ ❀

میں نے اس رسالہ کا نام "قواعد فی التعامل مع العلماء" (علماء کے ساتھ برتاؤ کے اصول وضوابط) رکھا ہے، اور جس قدر اللہ تعالیٰ نے توفیق وبصیرت بخشی اور اس بارے میں اہل علم کے فرمودات سے رہنمائی ملی موضوع کے گوشوں کو بیان کیا ہے۔

میں نے اس رسالہ کو دو فصلوں میں تقسیم کیا ہے:

پہلی فصل: اسے میں نے صرف اس رسالہ کے مقصود کی راہ ہموار کرنے والے مقدمات کے لئے خاص کیا ہے، اور اس میں چار مباحث ہیں:

※ **پہلا مبحث:** اسے میں نے یہ واضح کرنے کے لئے خاص کیا ہے کہ "علماء کون ہیں؟" تا کہ علماء کی حقیقت کا صحیح تصور کیا جا سکے۔

※ **دوسرا مبحث:** اسے میں نے اس طریقہ کی وضاحت کے لئے خاص کیا ہے جس سے امت میں علماء پہچانے جاتے ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ فرمائیں: علامہ شیخ بکر بن عبد اللہ ابو زید رحمہ اللہ کی کتاب "التعالم واثرہ فی الفکر والکتاب"۔

※ تیسرا مبحث: اس فرق کی وضاحت کے لئے خاص ہے جو علماء اور ان سے مشتبہ اور گڈ مڈ ہونے والوں کے درمیان ہوتا ہے، جو علماء میں شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے نہیں ہوتے۔

※ چوتھا مبحث: اس میں دین میں علماء کے مقام ومرتبہ کا بیان ہے، اور یہ کہ شریعت میں اُن کا اعتبار ہے جس کی بنا پر وہ دیگر لوگوں سے ممتاز ہیں۔

میں نے اس اعتبار کے دلائل اور اس سے لازم آنے والے امور کی وضاحت کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔

دوسری فصل: میں نے اسے رسالہ کے نام: ''قواعد فی التعامل مع العلماء'' (علماء کے ساتھ برتاؤ کے اصول وضوابط) سے موسوم کیا ہے۔

اور میں نے اس فصل کو حسب ذیل پندرہ مباحث میں تقسیم کیا ہے، انہیں اسی ترتیب سے بیان کروں گا:

※ پہلا مبحث: علماء سے محبت، دوستی اور لگاؤ۔

※ دوسرا مبحث: علماء کا احترام اور ان کی عزت وتکریم۔

※ تیسرا مبحث: علماء سے علم کا حصول اور ان سے گہری وابستگی۔

※ چوتھا مبحث: علماء کے مراتب ودرجات کی رعایت۔

※ پانچواں مبحث: علماء کی برائی اور عیب جوئی سے بچنا۔

※ چھٹا مبحث: بلا دلیل علماء کو خطا کار اور غلط ٹھہرانے سے اجتناب۔

※ ساتواں مبحث: علماء کے لئے عذر تلاش کرنا۔

※ آٹھواں مبحث: علماء سے رجوع کرنا اور ان کی رائے سے کوئی بات کہنا۔

* نواں مبحث: گہری تحقیق اور چھان بین کا وجوب کیونکہ ایسا کوئی نہیں' جس کے بارے میں کلام نہ کیا گیا ہو۔
* دسواں مبحث: حکم لگانے میں فضائل اور نیکیوں کی کثرت کا اعتبار ہے۔
* گیارہواں مبحث: علماء کی لغزشوں سے بچنا۔
* بارہواں مبحث: ہم عصروں کی باہمی چشمک کو سمیٹا جائے گا بیان نہیں کیا جائے گا۔
* تیرہواں مبحث: مجتہدین کی غلطیوں پر حکم لگانے میں انصاف سے کام لینا۔
* چودہواں مبحث: علماء پر اعتراض کرنے سے اجتناب۔
* پندرہواں مبحث: علماء پر اعتماد قائم اور بحال رکھنا۔

پھر رسالہ کا اختتام میں نے خاتمہ سے کیا ہے: جس میں اس رسالہ کے نتائج کا ذکر ہے۔
اسی طرح موضوعات ومضامین کی فہرست کا اہتمام کیا ہے جس سے رسالہ کے مشمولات کی رہنمائی ملتی ہے۔

یہ اس رسالہ کے مضمون کی بابت مجموعی باتیں تھیں، شاید یہ باتیں اس کے پڑھنے والے کے لئے شوق کا باعث بنیں کہ وہ ان کے معانی کو اطمینان سے بغور پڑھے' اور تنہائی میں میرے لئے دعا کرے۔

اور میرے ساتھ ہر اس شخص کے لئے دعا کرے جس نے میرے ساتھ نیکی و بھلائی کا معاملہ کیا اور اس کتاب کی تیاری میں میری مدد فرمائی، اور اُن میں سرفہرست سماحۃ الامام علامہ: شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ (مفتی عام مملکت سعودی عرب وصدر کبار علماء بورڈ و ادارہ علمی تحقیقات و افتاء) ہیں، جنہوں نے اپنی ذمہ داریوں کے بوجھ، پیہم مشغولیات، اور صحت کی ناسازی کے عوارض کے باوجود' پورے ایک سال میں (اخیر ذی القعدہ

۱۴۱۳ھ تا ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ) اس رسالہ کو اول تا آخر پڑھنے (نظر ثانی) کا شرف بخشا۔

اور جو کچھ میں نے لکھا تھا اس کی اصلاح و سدھار میں آپ رحمہ اللہ کے ملاحظات کا بڑا اثر رہا، پھر شیخ رحمہ اللہ نے اپنے مقدمہ سے اُسے مزید زینت بخشا' جو اس رسالہ کے آغاز میں درج ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بعد مجھ پر شیخ کی بڑی نوازش رہی۔

پھر اس کے بعد میں ان علماء کا بھی شکر گزار اور ان کے لئے دعا گو ہوں جن کی تحریروں اور ان میں سے بعض کی تقریروں کا اس رسالہ کے مواد کی فراہمی میں بڑا گہرا اثر ہے' کہ ان کے ذریعہ میرے سامنے وسیع فکر و نظر کی فضا کھلی، ان میں سے خصوصیت کے ساتھ: شیخ ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوازن حفظہ اللہ، شیخ ڈاکٹر بکر بن عبد اللہ ابوزید رحمہ اللہ اور شیخ ڈاکٹر ناصر بن عبد الکریم العقل حفظہ اللہ ہیں۔

اسی طرح فضیلۃ الشیخ صالح بن محمد حکمی حفظہ اللہ کا بھی سپاس گزار اور ان کے لئے دعا گو ہوں، جنہوں نے۔سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کی توجیہ کے مطابق۔ رسالہ آں رحمہ اللہ کو پڑھ کر سنایا، اور سماحۃ الشیخ رحمہ اللہ کے عمل، دعوت، تعلیم اور امامت کے بارِغم سے گراں بار اوقات میں وقت فرصت ڈھونڈ کر اس کام کو بخوبی انجام دیا۔

ان تمام لوگوں کے بدلے کے لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں، سوائے دعاء خالص کے' کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان کے درجات بلند فرمائے اور میری طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

یہی چند باتیں تھیں جنہیں اس مقدمہ میں واضح کرنا میرا منشا و مقصود تھا، کسی بھی انصاف ور عالم یا محترم بھائی سے امید ہے کہ اگر اس کتاب کو پڑھے تو اس میں موجود عیب و خلل کی پردہ پوشی کرے، اور اس کے مولف کے ساتھ خیر خواہی کرے، کیونکہ اگر میری بات حق اور

درست ہو تو یہ اللہ جل شانہ کا فضل و احسان ہے۔ اور اگر میری بات کو غلطی اور لغزش نے عیب دار کر دیا ہو تو وہ میری اور شیطان کی جانب سے ہے[1]۔ میں اللہ عزوجل سے دعا گو ہوں کہ لغزشوں کی مغفرت فرمائے۔

کیونکہ بیان و وضاحت کی بابت میرے بس میں صرف کوشش کرنا ہے ہر معاملہ میں اعتماد و بھروسہ اللہ کی ذات پر ہے اور اسی سے مدد کی استدعا ہے، سبحانہ وتعالیٰ۔

اے اللہ میں نے تیرے واسطے علماء سے محبت کی ہے، اور تیری تعظیم و بڑائی کے واسطے ہی ان کی تکریم کی ہے، لہٰذا اے اللہ! انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اُنہی کے زمرے میں میرا حشر فرما۔ اے اللہ جس بات سے تو نے انہیں عزت بخشی ہے، مجھے بھی عزت عطا فرما۔ اے اللہ! میری نیت خالص کر دے، قول و عمل میں مجھے راستی عطا فرما۔ میرے تمام گناہوں کو بخش دے جنہیں میں جانتا ہوں اور جنہیں میں نہیں جانتا ہوں۔ کیونکہ میں تیری اتھاہ نعمتوں کا معترف ہوں، اور اپنے گناہوں کا بھی معترف ہوں، اور تجھ سے تیرے موسلا دھار فضل و کرم کا سوال کرتا ہوں۔

تحریر کنندہ

عبدالرحمٰن بن معلا اللویحق المطیری

بوقت عصر، بروز سہ شنبہ ۲۰ / ذی القعدہ ۱۴۱۳ھ

مزید ۳ / ذی الحجہ کی شب ۱۴۱۴ھ

(۱) اجتہادی غلطی کے نفس اور شیطان کی طرف سے ہونے کی بابت دیکھئے "منہاج السنۃ" از ابن تیمیہ (۵ / ۱۸۳-۱۸۶)۔

پہلی فصل:

مقدمات

پہلا مبحث : علماء کون ہیں؟

دوسرا مبحث : علماء کی کیا پہچان ہے؟

تیسرا مبحث : علماء اور ان سے مشتبہ ہونے والوں کے درمیان تفریق

چوتھا مبحث : علماء کا مقام ومرتبہ

پہلا مبحث: علماء کون ہیں؟

علماء: وہ ہیں جو اللہ کی شریعت کو جاننے والے، اس کے دین کی سمجھ رکھنے والے، ہدایت و بصیرت کی روشنی میں اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نوازا ہے۔

﴿وَمَن يُؤْتَ ٱلْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٢٦٩﴾﴾ [البقرة:۲۶۹]۔

اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔

علماء: وہ ہیں، جن پر علم وفقہ اور دین و دنیا کے مسائل میں لوگوں کا اعتماد ہے[۱]۔

علماء: "وہ ہیں جو اسلام کی فقہ و بصیرت رکھنے والے ہیں، اور وہ لوگ ہیں جن کے اقوال پر اللہ کے بندوں کے مابین فتویٰ جاری ہوتا ہے، جنہیں احکام کے استنباط کا اختصاص اور حلال وحرام کے اصول وقواعد طے کرنے کا اہتمام حاصل ہے"[۲]۔

علماء: دین کے ائمہ و پیشوا ہیں، جنہیں یہ عظیم مقام اجتہاد وصبر اور کمال یقین کی بنیادوں پر حاصل ہوا ہے۔

---

(۱) دیکھئے: تفسیر جامع البیان، از امام طبری (۳/ ۳۲۷)۔

(۲) اعلام الموقعین، از امام ابن القیم (۱/ ۷)۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾﴾ [السجدة: ۲۴]۔

اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

علماء: وہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے سچے وارثین ہیں، انہیں انبیاء سے علم کی وراثت ملی ہے، جسے وہ اپنے سینوں میں اٹھائے ہوئے ہیں، جو عمومی طور پر ان کے اعمال وکردار پر جھلکتا ہے، نیز وہ لوگوں کو اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

علماء: امت کا وہ مقدس گروہ ہے جو اس لئے نکل پڑا ہے، تاکہ دین کی فقہ حاصل کرے، پھر دعوت اِلی اللہ کا فریضہ اور اللہ کے بندوں کو ڈرانے کا مشن انجام دے۔

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾﴾ [التوبة: ۱۲۲]۔

اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہیے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں، ڈرائیں تاکہ وہ ڈر جائیں۔

علماء: لوگوں کی رہنمائی کرنے والے لوگ ہیں جن سے کوئی زمانہ خالی نہ رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا، چنانچہ یہ تا قیام قیامت طائفہ منصورہ (اللہ کی نصرت سے سرفراز جماعت) میں سرفہرست ہیں، رسول گرامی ﷺ کا ارشاد ہے:

’’لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ عَلَى النَّاسِ‘‘[1]۔

میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی، انہیں بے سہارا چھوڑنے والے یا ان کی مخالفت کرنے والے نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ لوگوں پر غالب ہی رہیں گے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’رہا یہ طائفہ تو امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ ’’اس سے مراد اہل علم ہیں‘‘ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ’’اگر یہ اہل الحدیث نہیں ہیں، تو میں نہیں جانتا کہ پھر وہ کون ہیں؟‘‘۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’امام احمد کا مقصود اہل السنۃ والجماعۃ اور وہ لوگ ہیں جو اہل الحدیث کے عقیدہ ومنہج پر قائم ہیں‘‘۔ میں (یعنی امام نووی رحمہ اللہ) کہتا ہوں: ’’اس بات کا احتمال ہے کہ یہ جماعت مومنوں کے مختلف طبقوں میں پھیلی ہوئی ہو؛ ان میں بہادر مجاہدین ہوں، ان میں محدثین ہوں، ان میں اہل زہد وورع اور بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے ہوں، اسی طرح ان میں خیر وبھلائی کی دیگر قسم کے لوگ بھی ہوں، چنانچہ ضروری نہیں کہ وہ ایک ہی جگہ اکٹھا ہوں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ روئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہوں‘‘[2]۔

بہر حال اس جماعت کے سلسلہ میں علماء کا جو بھی قول ہو، اتنی بات تو متفق علیہ ہے کہ علماء

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ: ’’لاتزال طائفۃ۔۔‘‘ (۸ / ۱۴۹)، وصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ: ’’لاتزال طائفۃ۔۔‘‘ (۳ / ۱۵۲۴) حدیث (۱۹۲۰)۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں، بروایت معاویہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) شرح صحیح مسلم، (۱ / ۶۷)۔

کرام ان میں سب سے پہلے اور سرفہرست ہیں، اور دیگر لوگ ان کے تابع ہیں۔

علماء کی شخصیتیں گرچہ غائب ہوں، لیکن ان کے آثار ضرور موجود ہیں، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"علماء تاقیامت باقی رہیں گے، ان کی شخصیتیں مفقود ہوں گی لیکن ان کے آثار دلوں میں موجود رہیں گے"(۱)۔

اور علماء: سرِخیل جماعت ہیں جسے لازم پکڑنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اور اس سے الگ ہونے سے ہمیں ڈرایا اور متنبہ کیا گیا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: " **لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ، يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ**"(۲)۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، سوائے تین میں سے کسی ایک وجہ سے: شادی شدہ زناکار، جان کے بدلے جان اور اپنے دین کو چھوڑ کر (مرتد ہوکر) جماعت سے نکل جانے والا۔

---

(۱) اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/ ۶۸)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب قولہ تعالی: "النفس بالنفس" (۶/ ۹)، وصحیح مسلم، کتاب القسامہ، باب ما یباح بہ دم المسلم (۳/ ۱۳۰۲)، ومسند احمد (۱/ ۳۸۲)، وسنن ابو داود، کتاب الحدود، باب الحکم فیمن ارتد، (۴۳۵۲)، وسنن نسائی، کتاب تحریم الدم، باب الحکم فیمن ارتد، (۷/ ۹۰)، تمام لوگوں نے بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

اور ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ"(۱)۔

جو ایک بالشت برابر جماعت سے جدا ہوا، اُس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال پھینکا۔

اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِالجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالفُرْقَةَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الوَاحِدِ، وَهُوَ مِنَ الاثْنَيْنِ أَبْعَدُ، وَمَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الجَنَّةِ فَلْيَلْزَمُ الجَمَاعَةَ، مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذَلِكُمُ الْمُؤْمِنُ"(۲)۔

جماعت کو لازم پکڑو اور فرقہ بندی سے بچو، کیونکہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے، وہ دو لوگوں سے بہت دور ہوتا ہے، اور جسے جنت کے درمیانی اور سب سے بہتر مقام کی خواہش ہو وہ جماعت کو لازم پکڑے رہے، جسے اپنی نیکی اچھی لگے اور اپنا گناہ بُرا لگے سمجھ لو کہ وہی مومن ہے۔

---

(۱) مسند احمد، (۴/ ۱۳۰، ۲۰۲)، و (۵/ ۳۴۴)، وسنن ابوداود، کتاب السنۃ، باب فی قتال الخوارج، (۴/ ۲۴۱)، حدیث (۴۷۵۸)، وجامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء لزوم الجماعۃ، (۳/ ۲۸۶۳)، وحاکم (۱/ ۱۱۷)، وابن حبان (۱۵۵۵، موارد الظمآن)، بعض لوگوں نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے اور بعض نے حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور حدیث کے بارے میں امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے امام ترمذی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ فتح الباری (۱۳/ ۱۷)، اور امام ہیثمی فرماتے ہیں: "اس کے راویان صحیح کے راویان ہیں سوائے علی بن اسحاق سلمی کے اور وہ بھی ثقہ ہے"، مجمع الزوائد، (۵/ ۲۱۷)۔

(۲) مسند احمد (۱/ ۱۸)، وجامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ (۳/ ۳۱۵)، حدیث (۲۲۵۴)، وابن ابی عاصم، حدیث (۸۷، ۸۸، ۹۰۲، ۸۹۶، ۸۹۹)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے کتاب "السنۃ" کی تخریج میں صحیح قرار دیا ہے۔

اور جماعت کے معنیٰ کے سلسلہ میں اہل علم کے اقوال کا خلاصہ دو باتیں ہیں:

پہلی بات: یہ ہے کہ جماعت سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے، جو ایک شرعی امام پر جمع اور متفق ہو جائیں۔

دوسری بات: یہ ہے کہ جماعت سے مراد منہج اور طریقہ ہے، لہٰذا جو نبی کریم ﷺ، آپ کے صحابہ اور سلف صالحین کے طریقہ ومنہج پر قائم ہو وہ جماعت کے ساتھ ہے۔

اور دونوں باتوں کی صورت میں اس جماعت کے وجود اور ڈھانچہ کی اساس علماء کرام ہی ہیں، چنانچہ وہی ہیں جو مسلمانوں کے امام کی بیعت کراتے ہیں، اس کی اطاعت اُن کی اطاعت کے تابع ہوتی ہے، اور وہی صحیح طریقہ ومنہج کے قائد اور رہنما ہیں؛ کیونکہ انہیں نبی کریم ﷺ، آپ کے صحابہ اور سلف صالحین کے طریقہ کا علم ہے، اسی لئے امام آجری رحمہ اللہ جماعت کو لازم پکڑنے کی بابت چند آیات واحادیث پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”کسی کے ساتھ اللہ کے بھلائی کے ارادے کی علامت یہ ہے کہ وہ اس منہج وطریقہ پر گامزن ہو: یعنی اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول ﷺ کی سنت، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے سچے متبعین رحمۃ اللہ علیہم کی راہوں، اور ہر ہر ملک وشہر میں مسلمانوں کے علماء وائمہ جیسے: امام اوزاعی، سفیان ثوری، مالک بن انس، شافعی، احمد بن حنبل، قاسم بن سلام رحمہم اللہ اور ان کے مثل راستے پر قائم لوگوں کی راہ پر چلنے والا ہو، اور ہر اس مذہب ومسلک کو جسے یہ علماء نہ اپناتے ہوں اس سے دور اور کنارہ کش رہنے والا ہو“[1]۔

یہی نہیں بلکہ جب عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ:

”وہ کونسی جماعت ہے جس کی اقتدا کی جانی چاہئے؟ تو انہوں نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ،

(۱) کتاب الشریعہ، از امام آجری، (۱۴)۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔۔۔اور مسلسل گناتے رہے یہاں تک کہ محمد بن ثابت اور حسین بن واقد تک پہنچے۔تو ان سے کہا گیا کہ: یہ لوگ تو مر چکے ہیں، زندوں میں سے کون ہے؟ فرمایا: ''ابوحمزہ سکری''[1]۔

چنانچہ انہوں نے علماء کو جماعت قرار دیا جنہیں لازم پکڑنا واجب ہے۔

''یقیناً جماعت کو لازم پکڑنے کے حکم کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ مکلف پر مجتہدین کے اجماعی مسائل کی پیروی لازم ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کے قول: ''یہ اہل علم ہیں'' سے مراد یہی لوگ ہیں''[2]۔

(۱) بحوالہ: الاعتصام، از امام شاطبی، (۱/ ۷۷)۔

(۲) ابن بطال رحمہ اللہ، بحوالہ فتح الباری، از حافظ ابن حجر (۱۳/ ۳۱۶)۔

دوسرا مبحث: علماء کی کیا پہچان ہے؟

یقیناً علماء اپنے علم سے پہچانے جاتے ہیں؛ علم ہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے؛ چنانچہ جب لوگ جاہل ہوتے ہیں تو وہ امام المرسلین ﷺ سے موروثی علم کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں۔

اسی طرح شبہات کے مواقع پر اپنی ثابت قدمی اور جماؤ سے پہچانے جاتے ہیں؛ جہاں سوجھ بوجھ اور فہم میں انحراف اور میلان پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے وہی سلامت رہ پاتا ہے جسے اللہ نے علم سے نوازا ہو یا جو علم والوں کی پیروی کرے۔

چنانچہ علماء ثابت پہاڑ ہوتے ہیں؛ کیونکہ وہ پختہ اور ٹھوس یقین والے ہیں جسے انہوں نے علم سے حاصل کیا ہے، امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یقیناً راسخ علم والے پر اگر سمندر کی موجوں کی تعداد کے برابر بھی شبہات آجائیں تو اس کے یقین کو متزلزل نہ کرسکیں گے، نہ ہی اس میں کوئی شک پیدا کرسکیں گے؛ کیونکہ وہ علم میں ٹھوس اور متمکن ہے، لہذا شبہات اسے مضطرب اور الجھن میں مبتلا نہیں کرسکتے، بلکہ جب اس کے پاس شبہات آتے ہیں تو اس کے علم کے چوکیدار ان کی گردنوں میں طوق ڈال کر انہیں ذلیل کر کے بھگا دیتے ہیں''(1)۔

اسی طرح علماء اپنے جہاد، دعوت اِلی اللہ، وقتوں کی قربانی اور اللہ کی راہ میں کوشش

(1) مفتاح دار السعادة (1/141)۔

وجانفشانی سے پہچانے جاتے ہیں۔

اسی طرح علماء اپنی عبادات اور خشیت الٰہی سے پہچانے جاتے ہیں؛ کیونکہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھنے والے ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُا۟ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ۝٢٨﴾ [فاطر:۲۸]۔

اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں واقعی اللہ تعالیٰ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔

نیز علماء دنیا اور دنیوی مفادات سے اپنی بلندی و برتری سے پہچانے جاتے ہیں۔

یقیناً ان صفات اور ان جیسی دیگر خوبیوں سے لوگ علماء کو پہچان سکتے ہیں، چنانچہ اگر آپ کسی شخص کو دیکھیں کہ امت کے معتبر لوگ اور حق پرستوں کی اکثریت نے اس کے عالم ہونے کا اعتبار کرلیا ہے اور اس کی لیاقت اور علم کو تسلیم کرلیا ہے، تو وہ عالم ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امت میں جن کا عمومی طور پر نیک نام اور ذکر خیر ہو بایں طور کہ امت کی عام جنسوں میں ان کی مدح وثنا اور حمد وستائش ہوتی ہو، وہ علم و ہدایت کے ائمہ اور (جہالت وضلالت کی) تاریکیوں میں روشن چراغ ہیں''[1]۔

اور یہ بات حق ہے، کیونکہ مسلمان روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَرُّوا بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ''وَجَبَتْ'' ثُمَّ مَرُّوا بِأُخْرَى فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا، فَقَالَ:

---

(۱) مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۱۱/ ۴۳)۔

”وَجَبَتْ“، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَا وَجَبَتْ؟ قَالَ: ”هَذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا، فَوَجَبَتْ لَهُ الجَنَّةُ، وَهَذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا، فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ، أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الأَرْضِ“[1]۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کا گزر ایک جنازہ سے ہوا، چنانچہ انہوں نے اس کی نیکی وبھلائی کا تذکرہ کیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”واجب ہوگئی“ پھر ایک دوسرے جنازہ سے گزر ہوا تو لوگوں نے اس کی بدی اور برائی کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”واجب ہوگئی“ یہ سن کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا چیز واجب ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگوں نے اس کا نیک تذکرہ کیا تو اس کے حق میں جنت واجب ہوگئی اور تم نے اس کا برا تذکرہ کیا تو اس کے لئے جہنم واجب ہوگئی۔ تم روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہو“۔

اور ایک روایت میں ہے:

”المُؤْمِنُونَ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الأَرْضِ“[2]۔

ایمان والے روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔

اسی طرح عالم کی پہچان اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے اساتذہ ومشائخ اس کے علم کی شہادت دیں، چنانچہ سلف امت اور ان کے مخلص متبعین کے علماء ہمیشہ سے اپنے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ثناء الناس علی المیت، (۳/ ۱۸۱)، وصحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فیمن یثنی علیہ خیراً أو شراً من الموتی، (۲/ ۶۵۵، حدیث ۹۴۹)، ومسند احمد (۳/ ۱۷۹، ۱۸۶، ۱۹۷، ۲۱۱)، وجامع ترمذی، حدیث (۱۰۵۸)، وسنن نسائی (۴/ ۴۹-۵۰)، ومستدرک حاکم (۱/ ۳۷۷)، سبھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب تعدیل کم یجوز، (۵/ ۱۸۵)، وابن ماجہ (۱/ ۳۱۷۸)، حدیث (۱۴۹۱)۔

شاگردان کو اپنے علوم کا وارث بناتے رہے ہیں، جو اُن کے بعد اُن کے مقام ومرتبہ پر فائز ہوتے ہیں اور انہیں امت میں امامت اور پیشوائی حاصل ہوتی ہے، اور یہ شاگردان اُس وقت تک اپنے آپ کو اہل نہ سمجھتے تھے اور آگے نہ بڑھتے تھے جب تک کہ اپنے مشائخ کی اپنے بارے میں علم کی شہادت نہ دیکھ لیتے تھے اور انہیں اُن کی طرف سے آگے بڑھنے، فتویٰ دینے اور مسند تدریس سنبھالنے کی اجازت نہ مل جاتی تھی۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے آپ کو کسی کام کا اہل سمجھے یہاں تک کہ اپنے سے زیادہ علم والے سے پوچھ لے، میں نے فتویٰ نہیں دیا تا آنکہ امام ربیعہ اور یحییٰ بن سعید رحمہما اللہ سے پوچھ لیا اور انہوں نے مجھے اس کی اجازت اور حکم دیدیا، اور اگر انہوں نے مجھے منع کیا ہوتا تو میں باز رہتا''[1]۔

نیز فرماتے ہیں:

''۔۔۔ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص جسے مسجد میں حدیث بیانی اور فتویٰ دہی کے لئے بیٹھنے کی چاہت اور خواہش ہو وہ بیٹھ جائے! یہاں تک کہ اس بارے میں اہل علم وفضل، نیک کاروں اور مسجد کے ذمہ داران سے مشورہ کرلے، اگر وہ اُسے اِس کا اہل اور قابل سمجھیں تو بیٹھے (ورنہ نہیں)، میں خود بھی نہ بیٹھا یہاں تک کہ اہل علم میں سے ستر مشائخ نے میرے بارے میں شہادت دی کہ میں اس کا اہل ہوں''[2]۔

اسی طرح عالم کے علم وفضل کا پتہ اس کے دروس، فتاوے اور تالیفات (کتابوں) سے بھی

(۱) بحوالہ: صفۃ الفتوی والمستفتی، از ابن حمدان، (۷)۔
(۲) بحوالہ: الدیباج، از ابن فرحون، (۲۱)، نیز دیکھئے: صفۃ الفتوی والمستفتی، از ابن حمدان، (۷)۔

چلتا ہے۔

امام ابوطاہر سلفی امام خطابی رحمہما اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''رہا معاملہ سنن ابو داود کے شارح امام ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ کا تو جو بھی مصنف اُن کی کتابوں کو پائے گا اور اُن کی کتابوں میں انوکھے تصرفات سے واقف ہوگا، اُسے اُن کی امامت اور امانت و دیانت کی سچائی کا یقین ہو جائے گا، انہوں نے علم حدیث اور دیگر علوم کے حصول کے لئے سفر کیا اور مختلف ممالک اور شہروں کا چکر لگایا ہے، پھر علم کے مختلف فنون میں تالیف وتصنیف فرمائی ہے''[1]۔

یہ چند دلائل ہیں جن سے عالم کے علم وفضل کا پتہ چلتا ہے، رہے عہدہ ومناصب وغیرہ تو وہ علم کی دلیل نہیں ہیں۔

علماء کی تعیین اور ان کا انتخاب چناؤ اور الیکشن کے طریقہ سے نہیں ہوسکتا، نہ ہی ڈیوٹی کے تعین کے ذریعہ، امت کی تاریخ میں ایسے کتنے علماء ہیں جو علمی کاموں کے لئے آگے بڑھے، ان کی مقبولیت کا چرچہ ہوا، یہاں تک کہ وہ پوری امت کے امام بن گئے، لیکن انہیں عہدہ ومنصب سے آشنائی ہی نہ ہوئی، اس باب میں امام احمد بن حنبل اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہما اللہ امت کی طویل تاریخ کی دو زندہ مثالیں ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

جو شخص عالم مجتہد نہ ہو اُسے عہدہ ومنصب اور گورنری عالم ومجتہد نہیں بنا سکتی؛ اگر دین اور علم کی بابت گفتگو کرنا منصب اور ذمہ داریوں کی بنیاد پر ہوتا تو خلیفہ اور بادشاہ علم و دین میں گفتگو کرنے کا زیادہ حقدار ہوتا، نیز اس بات کا سزاوار ہوتا کہ لوگ اس سے فتویٰ پوچھیں اور علم

(۱) بحوالہ: سیر أعلام النبلاء، از امام ذہبی، (۱۷/ ۲۵)۔

و دین کے پیچیدہ مسائل میں اُس سے رجوع کریں، چنانچہ خلیفہ اور حاکم خود اپنی ذات کے لئے اس کا دعویٰ نہیں کرسکتا، اور اس سلسلہ میں رعایا پر کسی بات کے ذریعہ اپنا فیصلہ نہیں تھوپ سکتا، سوائے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے ذریعہ، تو خلیفہ و بادشاہ سے ادنیٰ درجہ کا ذمہ دار بدرجۂ اولیٰ اس بات کا مستحق ہے کہ اپنے دائرہ اور حدود سے تجاوز نہ کرے"(1)۔

اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ کسی علمی منصب پر فائز کوئی بھی شخص عالم نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے: کہ منصب و ولایت علم کی دلیل نہیں ہے، ورنہ معاملہ یہ ہے کہ جب حاکم نیک اور بھلا ہوتا ہے تو دیگر ذمہ داران، قاضیان (جج) اور مفتیان بھی اسی طرح ہوتے ہیں، بلکہ بسا اوقات کسی ظالم و جابر حکمراں کے عہد میں بھی انصاف ور قاضیان اور قابل اعتماد مفتیان پائے گئے ہیں۔

(1) مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۲۷/ ۲۹۶-۲۹۷)۔

تیسرا مبحث:

علماء اور بسااوقات اُن سے مشتبہ ہونے والوں کے درمیان تفریق

علماء کی حقیقت کا صحیح تصور کرنے کے لئے اُن کے اور بسااوقات جو اُن میں شمار کئے جاتے ہیں حالانکہ ان میں سے نہیں ہوتے' کے درمیان تمیز کرنا ناگزیر ہے، اسی بات کی وضاحت کے لئے یہ مبحث قائم کرنا ضرور قرار پایا:

اَولاً: علماء اور قراء (پڑھنے والوں) کے درمیان تفریق:

اس دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پڑھنا بہت عام ہے، یہاں تک کہ پڑھنا آنا عام ظاہرہ ہو چکا ہے' بایں طور کہ زیادہ تر لوگوں کو پڑھنا آتا ہے، عوام الناس سے وہی مستثنیٰ ہے جو پڑھنے سے بھی نابلند ہے۔

اور پڑھائی کے عام ہونے کے ساتھ کتابوں کی کثرت بھی جڑی ہوئی ہے جو پرنٹنگ پریسوں سے چھپ کر آتی رہتی ہیں۔

اور علماء اسلام کی کتابیں بھی پھیلی ہوئی ہیں جو سید المرسلین ﷺ کی سنتوں اور شرعی احکام پر مشتمل ہیں۔

یہ چیز اللہ جل شانہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہونے کے ساتھ بسا اوقات حق سے انحراف کا سبب بن جاتی ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کتابوں کے انتشار کے سبب لوگ غور ونظر کے اصولوں اور استنباط کے قواعد، اسی طرح دلائل کے عوارض، دفع تعارض کے طرق اور ترجیح کے اسالیب وغیرہ کی معرفت کے بغیر نصوص شریعت میں غور کرنے لگتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا، عمر رضی اللہ عنہ اُس سے لوگوں کے حالات دریافت کرنے لگے، تو اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! ان میں اتنے اتنے لوگ قرآن پڑھ چکے ہیں۔ تو میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! مجھے پسند نہیں کہ لوگ قرآن میں اتنی جلد بازی کریں! کہتے ہیں: اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈانٹا اور کہا: چپ رہو۔ چنانچہ میں غمگین اور رنجیدہ ہو کر اپنے گھر چلا گیا، اور اپنے دل میں سوچنے لگا: میرا ان کے یہاں ایک مقام تھا، اور اب میرا خیال ہے کہ میں ان کے دل سے گر چکا ہوں، چنانچہ میں اپنے بستر پر لیٹ گیا، یہاں تک کہ میرے گھر کی عورتیں میری حالت پرسی کے لئے آگئیں، حالانکہ مجھے کوئی تکلیف نہ تھی، بہرکیف ابھی میں اسی حال میں تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ: سنو امیر المؤمنین بلا رہے ہیں! چنانچہ میں نکلا، دیکھا تو وہ دروازے پر کھڑے میرا انتظار کر رہے ہیں، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا، پھر تنہائی میں ہوئے اور فرمایا: ابھی اس آدمی نے جو بات کہی تمہیں اس میں سے کونسی بات ناگوار گزری؟ میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اگر میں نے کچھ برا کیا ہے تو اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں اور اس سے توبہ کرتا ہوں، اور جو آپ کو پسند ہے اسے مان لیتا ہوں۔ انہوں نے کہا: تم مجھے ضرور بتاؤ کہ کیا بات ہے۔ میں نے کہا: جب وہ قرآن پڑھنے میں اس قدر جلد بازی سے کام لیں گے تو ہر ایک

اپنے حق ہونے کا دعویٰ کرے گا، اور جب حق ہونے کا دعویٰ کریں گے تو آپس میں جھگڑیں گے، اور جب جھگڑیں گے تو اختلاف کریں گے، اور جب اختلاف کریں گے تو لڑیں مریں گے۔ انہوں نے کہا: واہ! کیا پیاری بات ہے، میں اسے لوگوں سے چھپا رہا تھا، یہاں تک کہ تم نے کہہ دیا[1]۔

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو لوگوں کے سلسلہ میں فقہ وفہم کے بغیر قرآن پڑھنے میں جلد بازی کرنے کا اندیشہ ہوا، کیونکہ اس میں جلد بازی کرنا بسا اوقات حق سے انحراف کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

خوارج بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، لیکن وہ علم وفہم والے نہ تھے، رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لاَ يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ"[2]۔

وہ قرآن پڑھیں گے، جو ان کی حلق سے نیچے نہ اترے گا۔

یعنی وہ قرآن پڑھنے اور پڑھانے میں خوب لگے رہیں گے، لیکن اس میں تفقہ کریں گے نہ اس کے مقاصد سمجھیں گے[3]۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) مصنف عبد الرزاق، (۱۱/ ۲۱۷)، حدیث (۲۰۳۶۸) بسند یزید بن الاصم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، وتاریخ الفسوی، (۱/ ۵۱۶-۵۱۷)، وسیر أعلام النبلاء، از امام ذہبی، (۳/ ۳۴۹)، اور محقق نے کہا ہے کہ: اس کے راویان ثقہ ہیں۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم، باب ترک قتال الخوارج للتألیف وأن لا ینفر الناس عنہ، (۸/ ۵۳)، وصحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتھم، (خوارج کی صفات کے بارے میں ابوسعید خدری کی لمبی حدیث سے)۔

(۳) دیکھئے: الاعتصام، از امام شاطبی، (۲/ ۲۲۶)۔

''مقصود یہ ہے کہ اُنہیں قرآن سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا، سوائے زبان سے گزرنے کے، جو ان کی حلق تک نہ پہنچے گا چہ جائے کہ ان کے دلوں تک پہنچے، کیونکہ قرآن کا مقصد دل میں اتار کر اُسے سمجھنا اور اس میں تدبر کرنا ہے''[1]۔

اسی ماحول یعنی پڑھنے کے پھیلاؤ سے ایک طبقہ وجود میں آیا، جنہیں قراء (پڑھنے والے) کہا جاتا ہے۔

اور قراء سے مراد: طلبہ علم یا ثقافی لوگوں کا ایک طبقہ ہے جنہوں نے ادھر اُدھر سے علم کی کچھ چیزیں پڑھ لیں، لیکن ان کے پاس اس علم کی فقہ و سمجھ نہیں ہے۔

علامہ شیخ حمود تویجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قراء سے مراد، واللہ اعلم: وہ لوگ ہیں جو اچھی طرح پڑھنا جانتے ہیں اور جو انہیں لکھ کر دیا جاتا ہے اُسے پڑھ لیتے ہیں''[2]۔

اور نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا جس میں قراء (پڑھنے والے) زیادہ ہوں گے، فقہاء (سمجھنے والے) کم ہوں گے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكْثُرُ فِيهِ الْقُرَّاءُ، وَيَقِلُّ فِيهِ الْفُقَهَاءُ، وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ، وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ''[3]۔

---

(۱) بحوالہ: فتح الباری، از حافظ ابن حجر، (۱۲ / ۲۹۳)، یہ عبارت مجھے شرح مسلم نووی میں نہیں ملی۔

(۲) اتحاف الجماعۃ، (۱ / ۳۱۸)۔

(۳) المعجم الاوسط، از طبرانی، بحدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جیسا کہ نبہانی نے الفتح الکبیر میں ذکر فرمایا ہے، (۲ / ۱۶۲-۱۶۳)، ومستدرک حاکم، کتاب الفتن والملاحم، (۴ / ۴۵۷)، اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، اور امام ذہبی نے ان کی موافقت فرمائی ہے۔

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں قراء (پڑھنے والے) زیادہ ہوں گے اور فقہاء (سمجھنے والے) کم ہوں گے، علم اٹھالیا جائے گا، اور قتل و غارت گری بڑھ جائے گی۔

شیخ حمود تویجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یقیناً ہمارے زمانے میں اس حدیث کا مصداق ظاہر ہو چکا ہے، چنانچہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آئی ہوئی باتوں کی معرفت رکھنے والے فقہاء کم ہو گئے ہیں اور مدارس کی کثرت اور ان کے پھیلاؤ کے سبب چھوٹوں بڑوں اور مرد و خواتین میں قراء (پڑھنے والوں) کی تعداد خوب ہو گئی ہے''[1]۔

حالانکہ ''شرعی علوم کے قاری (پڑھنے والے)'' اور ''ان کے فقیہ (سمجھنے والے)'' کے درمیان بہت بڑا فرق اور بڑا وسیع فاصلہ ہے:

پڑھنے والے کے پاس چند ادھر ادھر کی جزوی معلومات ہوتی ہیں جنہیں وہ بعض کتابوں کے مطالعہ اور اہل علم کے اقوال سے آگاہی کے دوران حاصل کر لیتا ہے، وہ علم کی مشقت اٹھاتا ہے نہ علماء کے رو برو ہوتا ہے، اور نہ ہی علمی حلقات میں علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتا ہے، اسی لئے گرچہ آپ اسے فقہ و شریعت کے موضوعات میں سے کسی موضوع میں گفتگو کرتا ہوا دیکھتے ہوں، لیکن جب اس سے کوئی علمی مسئلہ پوچھا جائے گا تو وہ کچھ بھی جواب نہ دے سکے گا۔ چنانچہ یہ ایسے ہی ہیں، جیسا کہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''میں نے اس دور کے کچھ لوگوں کو دیکھا جو حدیث سے انتساب رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل الحدیث اور اس کے سننے اور روایت کرنے کے متخصصین میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ

---

(۱) اتحاف الجماعۃ، (۱/۴۱۸)۔

وہ جس بات کا دعویٰ کرتے ہیں اُس میں لوگوں میں سب سے دور، اور جس مشغلہ سے منسوب ہیں اس کی معرفت میں سب سے کمتر ہیں، ان میں کا کوئی شخص اگر چند اجزاء لکھ لیتا ہے یا چند لمحے حدیثوں کی سماعت میں مشغول ہو جاتا ہے تو اپنے آپ کو ''محدثِ مطلق'' سمجھ لیتا ہے، حالانکہ ابھی اس نے طلب حدیث میں کوئی تگ و دو کی ہے نہ تکان اٹھائی ہے، نہ ہی حدیث کے اقسام وابواب کے حفظ میں کوئی محنت و جانفشانی کی ہے۔۔۔اور یہ لوگ اپنی کتابوں کی قلت اور اس کی عدم معرفت کے باوصف لوگوں میں سب سے بڑے متکبر اور سب سے زیادہ عُجب وانانیت پسند اور گھمنڈی ہوتے ہیں، کسی شیخ کے ادب و احترام کا کوئی خیال کرتے ہیں، نہ کسی طالب علم کا کوئی ذمہ لازم سمجھتے ہیں، راویوں سے نابلد ہوتے ہیں اور طلبہ علم کے ساتھ بڑے سخت گیر ہوتے ہیں، یہ چیز اس علم کے تقاضہ کے خلاف ہے جو انہوں نے سنا ہے اور اس کام کے عین منافی ہے جو انہیں لازمی طور پر کرنا چاہئے''[1]۔

نیز ان پر وہ بات صادق آتی ہے جو امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ:

''کچھ لوگ ظاہر میں علم سے منسوب ہیں، انہیں اس میں سے کچھ بھی ازبر نہیں سوائے چند معمولی باتوں کے، جس کی آڑ میں لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ وہ علماء فضلاء ہیں، ان کے ذہنوں میں کبھی یہ خیال نہ گزرا کہ وہ اس کے ذریعہ اللہ کی قربت چاہیں، کیونکہ انہوں نے کسی شیخ کو دیکھا ہی نہیں جو علمی امور میں آئیڈیل ہو، چنانچہ وہ مویشیوں پر بیٹھنے والے کیڑوں کی مانند ذلیل اور گھٹیا ہو گئے، ان میں مدرس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قیمتی کتابیں حاصل کر کے انہیں جمع کرلے، اور کسی دن اُن پر نظر ڈال لے، چنانچہ جو لکھے اس میں بھی تصحیف (غلطی) کرے اسے ثابت نہ کر سکے، ہم اللہ تعالیٰ سے نجات اور معافی کے

(۱) الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، (۱/ ۷۵-۷۷)۔

خواستگار ہیں"[1]۔

رہا فقیہ عالم کا معاملہ تو ان لوگوں جیسا نہیں ہوتا، بلکہ وہ اسلام کی عام شامل فہم والا اور اجمالی طور پر شرعی احکام سے واقف کار ہوتا ہے، وہ ادھر ادھر سے چند باتیں نہیں پڑھ لیتا بلکہ شرعی علوم کا عام شامل دراسہ کرتا ہے، چنانچہ علمی مسائل سے گزرتا ہے، اور ان کے اصولوں پر ان کا استنباط کرتا ہے، اس طرح اس کے پاس نصوص شریعت کی فہم کا ملکہ ہوتا ہے اور شریعت کے عام اہداف ومقاصد کی معرفت ہو جاتی ہے۔

اس کا علم ایک رات کے مطالعہ کا نہیں ہوتا ہے بلکہ بہت سی شب بیداریوں اور دنوں کی مشقتوں کا نتیجہ ہوتا ہے، کہ علماء کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ حصول علم میں کسی حد پرواز پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ طلب علم میں ہمیشہ محو اور پیہم منہمک رہتے ہیں۔

امام ابن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کہ آپ کب تک حدیثیں لکھتے رہیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا: "ممکن ہے کہ اب تک وہ بات نہ سن سکا ہوں جو میرے لئے نفع بخش ہو"[2]۔

اور جب امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کہ آدمی کو حدیث کب تک لکھنا چاہئے؟ تو انہوں نے جواب دیا: "یہاں تک کہ اس کی موت آجائے"[3]۔

نیز امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا:

"میں علم حاصل کرتا رہوں گا یہاں تک کہ قبر میں دفنا دیا جاؤں"[4]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۷ / ۱۵۳)۔

(۲) اسے خطیب بغدادی نے "شرف أصحاب الحدیث" میں روایت کیا ہے، (۶۸)۔

(۳) اسے خطیب بغدادی نے "شرف أصحاب الحدیث" میں روایت کیا ہے، (۶۸)۔

(۴) اسے خطیب بغدادی نے "شرف أصحاب الحدیث" میں روایت کیا ہے، (۶۸)۔

اور طلب حدیث کے لئے علماء کرام کے رحلات اور اسفار اس بات کی دلیلیں ہیں کہ انہوں نے طلب میں بڑی مشققتیں اٹھائی ہیں، محض علم کے چند فقرے پڑھ کر مجلسوں میں براجمان نہیں ہونے لگے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ امام ابن المبارک رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''امام ابن المبارک رحمہ اللہ کے دور میں کوئی اُن سے زیادہ علم کا طلبگار نہ تھا، انہوں نے طلب علم کے لئے یمن، مصر، شام اور بصرہ وکوفہ کا سفر کیا، وہ علم کے راویان میں سے اور واقعی علم کی اہلیت رکھنے والے تھے''(۱)۔

اہل علم ان علماء سے علم حاصل کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے جو علم کے شغف اور سخت جستجو سے معروف ہوں، کیونکہ یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ فقہ وبصیرت رکھنے والے علماء میں سے ہے، ابراہیم بن اشعث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب تم کسی شخص کو پاؤ جو علم کی سخت جستجو اور علماء کی ہم نشینی سے معروف ہو تو اس سے حدیثیں لکھو''(۲)۔

توفیق الٰہی کے بعد طلب علم کے اسی بالغ اہتمام اور پیہم شوق وجستجو ہی نے انہیں اس مقام ومرتبہ تک پہنچایا، جن سے وہ سرفراز ہوئے۔

امام رامہرمزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر ضبط شریعت، اس کے جمع وتدوین اور اس کے سرچشمہ سے اس کے استنباط واستخراج کی بابت طالب علم کی خصوصی توجہ نہ ہوتی تو وہ اور اس کے شاگردان منابر ومساند پر

---

(۱) اسے امام خطیب بغدادی نے ''الرحلۃ فی طلب الحدیث'' میں روایت کیا ہے، (۱۹)۔

(۲) اسے ابن حبان نے کتاب المجروحین میں روایت کیا ہے، (۱/ ۲۴)۔

رونق افروز ہو پاتے، نہ ہی مفتیان کرام مسائل کی وضاحت کے سلسلہ میں مجلسیں منعقد کرپاتے''[1]۔

عوام بسا اوقات قراء سے دھوکہ کھاجاتے ہیں، کیونکہ قراء حضرات چند ایسے مسائل ازبر کئے ہوتے ہیں جن میں اکثر عوام کے جھگڑے ہوا کرتے ہیں، چنانچہ جیسے ہی مسئلہ میں بحث چھڑتی ہے وہ اقوال اور دلائل کے انبار لگانا شروع کردیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسے اس تفریق کا علم نہیں ہوتا جو میں نے ذکر کیا ہے' وہ اسے عالم سمجھ بیٹھتا ہے۔

اور قراء کثرت سے مسائل میں موشگافیاں، نکتہ سنجیاں اور تفریعات کرتے ہیں، جس کے سبب جاہل اُنہیں علماء گمان کرلیتا ہے، جبکہ مسائل میں موشگافی کرنا علم کی دلیل و برہان نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علم وحکمت اللہ کا نور ہے' اللہ جسے چاہتا ہے اس کی ہدایت عطا فرماتا ہے، کثرت مسائل کا نام علم نہیں ہے''[2]۔

اور اہل علم ایسے لوگوں کے ساتھ سخت موقف اپناتے تھے جو لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے کہ وہ علماء ہیں' حالانکہ ویسے نہیں ہوتے تھے' چنانچہ انہیں پرکھتے اور آزماتے تھے' تاکہ ان کی دھوکہ دہی کو بے نقاب کرسکیں، چنانچہ احمد بن علی الآبار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

میں نے اہواز میں ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنی مونچھ مونڈ رکھی تھی، اور میرا خیال ہے کہ اس نے کچھ کتابیں خریدا تھا ''فتویٰ دینے کی'' تیاری کر رہا تھا، چنانچہ لوگوں نے محدثین کا تذکرہ کیا تو اس نے کہا: یہ کچھ بھی نہیں ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ دیکھ کر میں

---

(۱) المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، (۲۱۹)۔

(۲) اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں ذکر کیا ہے، (۱/ ۱۸)۔

نے اس سے کہا: تجھے صحیح طور سے نماز پڑھنا بھی نہیں آتا! اُس نے کہا: مجھے؟! میں نے کہا: ہاں، پھر میں نے پوچھا: اچھا یہ بتا جب تو نماز شروع کرے گا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے گا تو اُس وقت تجھے رسول اللہ ﷺ سے کیا معلوم ہے؟ وہ خاموش رہا، پھر میں نے پوچھا: کہ یہ بتا جب تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے گا تو اس وقت تجھے رسول اللہ ﷺ سے کیا معلوم ہے؟ وہ خاموش رہا، پھر میں نے پوچھا: یہ بتا جب تو سجدہ کرے گا تو اُس وقت تجھے رسول اللہ ﷺ سے کیا معلوم ہے؟ وہ خاموش رہا، تو میں نے کہا: تجھے کیا ہوا، جواب کیوں نہیں دیتا؟ کیا میں نے نہیں کہا: کہ تجھے صحیح سے نماز پڑھنا بھی نہیں آتا، تجھے بس اتنا بتایا جائے کہ فجر کی نماز دو رکعت پڑھی جائے گی اور ظہر کی نماز چار رکعت، تو اسے اپنے پلے پاندھ لے، یہ تیرے لئے اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ تو محدثین کرام کا تذکرہ کرے، کیونکہ تیری کوئی حیثیت نہیں ہے، اور تجھے کچھ بھی نہیں آتا''[1]۔

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس مذکورہ شخص کی مثال فقہاء میں اسی جیسی ہے جس کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے جو حدیث سے نسبت رکھتا ہے، حالانکہ حدیث سننے اور لکھنے کے علاوہ اُسے علم حدیث کے اقسام میں غور وفکر وغیرہ سے ادنیٰ تعلق نہیں ہوتا۔

رہے علماء محققین اور علم حدیث کا تخصص رکھنے والے تو وہ گہرے علم والے ائمہ، دین کی بے مثال فقہ وفہم رکھنے والے اساطین، اہل فضل وفضیلت اور بلند مقام ومرتبہ سے سرفراز مند ہستیاں ہیں جنہوں نے امت کے لئے رسول گرامی ﷺ کے احکام کی حفاظت کی، قرآن کریم کے پیغامات کی خبریں دیں، اس کا ناسخ ومنسوخ ثابت کیا اور اس کے محکم ومتشابہ کو

---

(۱) اس واقعہ کو خطیب بغدادی نے الکفایۃ فی علوم الروایۃ میں نقل فرمایا ہے، ص: (۴-۵)۔

علیحدہ کیا، اسی طرح نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال کی تدوین فرمائی، آپ کی سیرت کے مختلف گوشوں جیسے آپ ﷺ کی نیند و بیداری، قیام وقعود، لباس وسواری اور کھانا پینا وغیرہ ازبر کیا، حتیٰ کہ آپ کے ناخون کا تراشہ کہ آپ اُسے کیا کرتے تھے اور منہ کا بلغم کہ آپ اُسے کیسے تھوکتے تھے، اور ہر کام کے وقت اور اسی طرح ہر موقف جہاں آپ حاضر ہوتے تھے' کیا کہتے تھے (سب کچھ من وعن محفوظ کیا)، یہ تمام چیزیں آپ ﷺ کی تعظیم بجالانے اور آپ کی بابت ذکر کردہ اور آپ سے منسوب امور کے شرف کی معرفت کے جذبہ سے تھیں، اسی طرح انہوں نے آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب اور آپ کے کنبہ وخانوادے کے کارناموں کو بھی محفوظ کیا، نیز انبیاء کی سیرت، اولیاء کے مقامات اور فقہاء کے اختلافات کو بھی منتقل کیا۔

اگر سنتوں کے حفظ وضبط، ان کی جمع وتدوین، ان کے سرچشموں سے ان کا استنباط واستخراج اور ان کی سندوں میں غور وفکر کی بابت محدثین کرام کی خاص عنایت وتوجہ نہ ہوتی تو شریعت ختم ہوجاتی اور اس کے احکام ناپید ہوجاتے، کیونکہ شریعت کے احکام ومسائل محفوظ وازبر کردہ احادیث وآثار ہی سے مستنبط اور منتقل کردہ سنتوں ہی سے ماخوذ ہیں، لہٰذا جو اسلام کا حق شناس ہوگا اور دین کی حرمت وپاسداری واجب سمجھے گا اُس کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ اور ناقابل معافی جرم ہوگا کہ اُن چیدہ ہستیوں کی تحقیر وتنقیص کرے جنہیں اللہ نے عظیم شان اور بلند مقام ومرتبہ سے نوازا ہے۔

ثانیاً: علماء اور مفکرین وثقافت یافتگان کے درمیان تفریق:

اسلامی اور مغربی دونوں ثقافتوں کے اختلاط اور ان کے درمیان معرکہ آرائی، نیز اختلاط

---

(۱) الکفایۃ فی علوم الروایۃ، ص: (۵)۔

اور فکری محاذ آرائی کے پہلوؤں کے پھیلاؤ کے نتیجہ میں اسلامی معاشروں میں ایک طبقہ ان ٹھیک ٹھاک لوگوں کا وجود میں آیا ہے جو اسلام کو عمومی طور پر سمجھتے ہیں؛ چنانچہ وہ معبود کا اسلامی تصور جانتے ہیں، کائنات، انسان اور زندگی کے سلسلہ میں اسلامی تصور کی معرفت رکھتے ہیں، ساتھ ہی انہیں اُن اجمالی وعمومی مسائل اور قضیوں سے واقفیت ہے جو اسلام اور دیگر موجودہ ادیان ومذاہب کی راہوں میں خط تفریق شمار کئے جاتے ہیں، جیسے: مادیت کا مسئلہ، دین کو زندگی سے جدا کرنے کا مسئلہ، انفرادی ملکیت کا مسئلہ، عمومی طور پر اقتصادی نظام کا مسئلہ، اور معاشرتی نظام کا مسئلہ، نیز ان کے پاس موجودہ مذاہب کی معلومات اور تاریخ کی تفسیر کے منہج کا دراسہ بھی ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ ان کے پاس اس دین کی نشر و اشاعت کا جذبہ، جدید مسائل کی بابت بیداری و ہوشمندی اور مغربی کلچر اور اس کے قابل نقد ہونے کے وجوہات سے واقفیت بھی ہے۔

ان میں ایک نمایاں ترین شخصیت مالک بن نبی رحمہ اللہ کی ہے۔

یہ لوگ شریعت کے علماء نہیں ہیں، بلکہ اگر تعبیر درست ہو تو یہ مفکرین اور حکماء و دانشوران ہیں جن کی رائے سے روشنی اور جن پہلوؤں میں اُن کی اچھی کارکردگی ہے اُن میں ان کے علم سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

بحیثیت مفکرین و دانشوران اِن کی براجمانی اور اہل علم کے مابین خلط ملط نہیں کیا جانا چاہئے، کیونکہ ان مفکرین کا اپنا مقام ہے، اور بعض لوگوں کے ذریعہ اللہ عزوجل نے بہت فائدہ بھی پہنچایا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ لوگ علماء سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرسکتے، سوائے اپنے علم اور صلاحیتوں کے حدود میں۔

اسی طرح ثقافت یافتگان کا ایک طبقہ اور پایا جاتا ہے: جو صالح اور نیک کاروں کا ایک گروہ ہے جو علمی وسائنسی تخصصات کے حامل اور اس میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، خواہ تجرباتی علوم ہوں جیسے: میڈیکل، انجینئرنگ اور کیمسٹری یا وہ علوم ہوں جنہیں ''انسانی علوم'' کہا جاتا ہے، جیسے: علم نفس، علم تربیت اور علم سماج ومعاشرت۔

چنانچہ ان جیسے علوم میں گرچہ ان حضرات کا تخصص قابل ستائش ہے اور وہ ان میں مرجع بھی ہیں، لیکن چونکہ وہ شرعی علوم میں متخصص نہیں ہیں، لہٰذا علمی شرعی اصطلاح میں وہ جمہور مسلمانوں اور عوام الناس میں سے ہیں جن پر واجب ہے کہ وہ علماء کے پیچھے رہیں۔

نیز ان پر واجب ہے کہ شرعی مسائل میں علماء سے رجوع کریں اور اپنے تخصصات کی واقعی صورتحال کی شرح میں اُن کے مددگار بنیں؛ چنانچہ ڈاکٹر طبی مسائل کی شرح کرے، اور اقتصاد کا متخصص موجودہ اقتصادی پہلوؤں کی شرح کرے اور اسی طرح بقیہ لوگ۔۔

اور ان مفکرین اور ثقافت یافتگان کی باتیں لازمی طور پر شریعت کے حکم وفیصلہ تلے اور اس کے ماتحت ہونی چاہئیں، ورنہ اگر یہ مفکرین اور ثقافت یافتگان شرعی اموراور امت کے عام احوال میں اپنی باتیں عقل ودانش، لاجک اور خواہش نفسانی کی بنیاد پر کہیں گے اور آثار ونتائج پر غور کئے بغیر مطلق مصلحتوں کی باتیں کریں گے تو پورے طور پر اہل کلام کے مشابہ قرار پائیں گے، اور:

''تمام ممالک کے فقہاء ومحدثین کا اجماع ہے کہ اہل کلام اہلِ بدعت وانحراف ہیں، تمام علاقوں کے تمام علماء کے یہاں انہیں علماء کے طبقوں میں شمار نہیں کیا جاتا، علماء دراصل اہل حدیث وفقہ ہیں، البتہ پختگی، امتیاز اور فہم کے اعتبار سے ان میں فرق مراتب ہے''(۱)۔

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبد البر، (۲/۹۶)۔

بہر حال متکلمین کے یہاں کچھ بھی علم نہیں ہوتا، بلکہ: ''زیادہ سے زیادہ ان موشگافوں کے یہاں کچھ تعبیرات اور دور از کار باتیں ہوتی ہیں جو علم کہلاتی ہیں، جن کی اللہ کو کوئی پرواہ نہیں، یہ ان کے ذریعہ پہلے بھی اور آج بھی اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے ہیر پھیر کرتے رہے ہیں، لہٰذا ہم کلام اور اہل کلام سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں''[۱]۔

البتہ ائمہ سلف رحمہم اللہ کی ساری فکر اور سرگرمی: کتاب وسنت کا علم تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سلف کی ایک شخصیت (اعین ابو بکر محمد بن حسن طریف رحمہ اللہ) کے بارے میں فرماتے ہیں:

''مجھے ان پر رشک آتا ہے، ان کی موت اس حالت میں ہوئی کہ وہ حدیث کے سوا کچھ نہ جانتے تھے، وہ صاحب کلام نہ تھے''[۲]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ائمہ سلف اسی طرح ہوا کرتے تھے، کلام اور بحث وجدال میں پڑنا روا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اپنی تمام تر کوششیں کتاب وسنت اور ان دونوں کی فقہ کے حصول میں انڈیل دیتے تھے، وہ اتباع وپیروی کرتے تھے، گیرائی اور غلو آمیزی سے دور رہتے تھے''[۳]۔

اگر آپ ان ثقافت یافتگان اور مفکرین میں بعض لوگوں پر نظر ڈالیں تو ان میں بعض وجوہ سے اہل کلام سے مشابہت پائیں گے، گرچہ کہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نص کی جستجو میں رہتے ہیں اور اہل علم واثر کی پیروی کرتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ مذکورہ باتوں میں داخل

---

(۱) سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰/ ۵۴۷)۔

(۲) اسے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے، (۲/ ۳۳۵)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۲/ ۱۲۰)۔

نہیں ہیں۔

بعض لوگ ماضی میں ''اہل کلام'' اور عصر حاضر میں ''احادیث و آثار سے منہ موڑنے والے مفکرین'' کے فتنہ میں پڑ گئے، اور ان کی قدرت ومہارت اور اسالیب کے دلدادہ اور اس سے مرعوب ہو گئے' اور یہ گمان کر بیٹھے کہ جس کے پاس بے دلیل بحث و جدال زیادہ ہو' وہ اس کے علم کی دلیل ہے۔

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بہت سے متاخرین اس سے فتنہ میں پڑ گئے، اور یہ گمان کرلیا کہ جو شخص دینی مسائل میں زیادہ کلام اور جھگڑا و جدال کرے وہ اُس سے زیادہ علم والا ہے جو ایسا نہ کرے، حالانکہ یہ سراسر جہالت ہے، اکابرین صحابہ اور ان کے علماء مثلاً ابو بکر، عمر، علی، معاذ، ابن مسعود، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو دیکھئے کہ وہ کیسے تھے؟ اُن کی باتیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کم تھیں، جبکہ وہ اُن سے زیادہ علم والے تھے۔

اسی طرح تابعین کی باتیں صحابہ کی باتوں سے زیادہ ہیں، جبکہ صحابہ ان سے زیادہ علم والے تھے، اسی طرح تبع تابعین کی باتیں تابعین کی باتوں سے زیادہ ہیں، جبکہ تابعین اُن سے زیادہ علم والے تھے۔

لہٰذا علم کثرت روایت کا نام ہے نہ کثرت کلام و جدال کا، بلکہ وہ ایک نور ہے جو دل میں ودیعت کیا جاتا ہے، جس سے بندہ حق کو سمجھتا ہے اور اس سے حق و باطل کے درمیان تمیز کرتا ہے، اور مختصر الفاظ میں اس کی تعبیر وترجمانی کرتا ہے جس سے مقصود حاصل ہو جائے''[1]۔

---

(۱) بیان فضل علم السلف علی علم الخلف ،ص (۵۷-۵۸)۔

ثالثاً: علماء اور خطباء وواعظین کے درمیان تفریق:

اسلامی تاریخ کے دور اول ہی سے ایک طبقہ ظاہر ہوا جو ''واعظین'' اور ''قصہ گو'' کہلاتے ہیں، یہ لوگ آغاز میں علماء وفقہاء میں سے ہوا کرتے تھے، پھر معاملہ آگے بڑھا یہاں تک کہ لوگوں کو وہ بھی وعظ کرنے لگا جو عالم ہوتا نہ فقیہ۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''قدیم زمانے میں واعظین علماء وفقہاء میں سے ہوا کرتے تھے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عبید بن عمیر کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے، اسی طرح عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نماز کے بعد عام لوگوں کے ساتھ قصہ گو کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، اور جب وہ ہاتھ اٹھاتا تھا تو آپ بھی اٹھاتے تھے، یہاں تک کہ جب یہ کام ذلیل اور گھٹیا ہو گیا تو اسے جاہلوں نے اپنا لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ نمایاں لوگ اس میں حاضر ہونے سے کترانے لگے اور عوام اور عورتیں اس سے وابستہ ہو گئیں''[1]۔

کسی شخص کے قصہ گو، واعظ یا خطیب ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ عالم ہو، کتنے ایسے واعظین ہیں جو اپنی خوش کلامی اور شیریں بیانی سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس علم کا کوئی حصہ یا نصیبہ نہیں ہوتا، کیونکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں علم چرب زبانی اور لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کے ہنر کا نام نہیں ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''إِنَّكُمْ فِي زَمَانٍ كَثِيرٌ عُلَمَاؤُهُ، قَلِيلٌ خُطَبَاؤُهُ، وَإِنَّ بَعْدَكُمْ زَمَانًا كَثِيرٌ

(۱) تلبیس ابلیس، از ابن الجوزی ص (۱۲۷)۔

خُطَبَاؤُهُ، وَالْعُلَمَاءُ فِيهِ قَلِيلٌ"[1]۔

یقیناً تم ایسے دور میں ہو جس میں علماء زیادہ خطباء کم ہیں، اور بلاشبہ ایک دور آئے گا جس میں خطباء زیادہ ہوں گے، اور اُس میں علماء کم ہوں گے۔

یقیناً بسا اوقات عالم عاجز ہوتا ہے، اچھی گفتگو نہیں کر پاتا، یا طبعی طور پر کم گو ہوتا ہے اُسے خطابت کی قدرت نہیں ہوتی، جبکہ عوام میں کوئی شخص بلیغ زبان ہوتا ہے الفاظ سے جیسے چاہتا ہے کھیلتا ہے۔

علماء کم ہیں اور اہل کلام کی کثرت ہے، امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"علماء ختم ہو گئے، صرف متکلمین باقی رہ گئے، اور تم میں مجتہد ویسے ہی ہے جیسے تم سے پہلے لوگوں میں کھلاڑی ہوا کرتے تھے"[2]۔

البتہ اس بات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام خطباء اور واعظین علماء نہیں ہیں، خطباء میں بعض بے مثال علماء بھی ہیں، بلکہ کوئی خطیب بلند پایہ ائمہ اور قابل اقتداء علماء میں سے بھی ہو سکتا ہے۔

---

(۱) الادب المفرد، از امام بخاری، باب الھدی والسمت الحسن، ص (۳۴۶)، حدیث (۷۸۹)، والمعجم الکبیر، از طبرانی، (۹/۱۰۸)، حدیث (۸۵۶۶)، وکتاب العلم، از ابو خیثمہ، ص (۱۰۹)۔ امام ہیثمی فرماتے ہیں: "اسے امام طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے، ان میں سے ایک سند کے راویان صحیح کے ہیں"۔ مجمع الزوائد، (۱۰/۲۴۹)۔ اسے امام حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۰/۵۱۰) میں صحیح قرار دیا ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ کتاب العلم کی تخریج میں فرماتے ہیں: "یہ موقوف ہے، اس کی سند صحیح ہے"۔

(۲) اسے امام حافظ ابو خیثمہ نے کتاب العلم میں روایت کیا ہے، ص (۶۹)۔

اسلامی تاریخ کے چند مشہور واعظین:

اسلامی تاریخ کے مشہور واعظین میں سے امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن الجوزی رحمہ اللہ ہیں، جو مسلمانوں کے ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے مختلف علوم وفنون میں کتابیں تالیف کی ہیں، اور مسلمانوں نے علم میں ان کے ٹھوس قدم ہونے کی شہادت دی ہے۔

لیکن کچھ لوگ خطابتی قدرت سے دھوکہ کھا گئے اور اُسی کو علم کی دلیل سمجھ لیا، اسی لئے آپ عوام الناس کو دیکھیں گے کہ وہ عالم کی بہ نسبت واعظ اور خطیب کی طرف زیادہ سبقت کرتے ہیں۔

سابقہ تفصیلات سے واضح ہوا کہ عالم کو علم سے متصف کرنے میں اللہ کے بارے میں اور اللہ کی طرف سے آئے ہوئے اس علم کا اعتبار ہے جس سے اس کا سینہ آباد ہے، اور اللہ کے تقویٰ وخشیت کا اعتبار ہے جس سے وہ متصف ہے۔

چوتھا مبحث: علماء کا مقام ومرتبہ

شریعت اسلامیہ نے علماء کو ایک مرتبہ عطا کیا ہے جو دیگر لوگوں کو میسر نہیں ہے، اور انہیں بلند مقام بخشا ہے، نیز انہیں لوگوں کو اللہ کے احکام کی رہنمائی کرنے والا بنایا ہے۔

اور علماء کا یہ مقام: شرعی اعتبار سے ہے، اور اس پر دو اہم باتیں مبنی ہیں:

پہلی بات: یہ ہے کہ علماء کی اطاعت اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے، لہٰذا ان کے حکم کا التزام واجب ہے۔

دوسری بات: یہ ہے کہ علماء کی اطاعت بذات خود مقصود نہیں ہے، بلکہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے تابع ہے۔

شریعت اسلامیہ میں علماء کے اس مقام ومرتبہ اور حیثیت کے دلائل محدود نہیں (بکثرت) ہیں، ان میں چند دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل: اللہ عزوجل نے علماء کی اطاعت کا حکم دیا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ﴾

[النساء:۵۹]۔

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ)

کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔

''أو الأمر منكم'' (تم میں سے اختیار والوں کی) کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے، اس سلسلہ میں کئی اقوال ہیں:

۱۔ یہ سلاطین اور قدرت واختیار والے ہیں۔

۲۔ یہ اہل علم ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''یعنی اہل علم ودین اور اللہ کی اطاعت والے جو لوگوں کو اُن کے دین کے معانی سکھاتے ہیں، انہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اُن کی اطاعت واجب قرار دی ہے''[1]۔

۳۔ آیت کریمہ اہل اقتدار اور اہل علم دونوں کو عام ہے، چنانچہ اللہ کی اطاعت میں ان تمام کی اطاعت واجب ہے۔

امام جصاص رحمہ اللہ ''اولو الأمر'' کے مفہوم کے بارے میں مختلف آثار ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ''علماء اور امراء'' ہیں:

''یہ بھی جائز ہے کہ آیت کریمہ سے یہ سب مراد ہوں، کیونکہ یہ نام سب کو شامل ہے؛ کیونکہ امراء فوجوں، سریوں اور دشمن سے جنگ کی تدبیر کی دیکھ ریکھ کرتے ہیں اور علماء شریعت اسلامیہ اور اس میں کیا جائز و ناجائز ہے' اس کی نگرانی کرتے ہیں، چنانچہ لوگوں کو ان کی اطاعت اور ان کی باتیں قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک امراء وحکام عدل وانصاف

---

(۱) اسے امام طبری نے اپنی تفسیر (۵/ ۱۴۹) میں، اور ابن المنذر، وابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے، دیکھئے: الدر المنثور، از سیوطی، (۲/ ۱۷۶)، ومستدرک حاکم (۱/ ۱۲۳)، وشرح اصول اعتقاد أهل السنة، از لالکائی، (۱/ ۷۳)۔

سے کام لیں، اور علماء عدل پرور، نیک کار اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی بابت اپنے دین وامانت میں اعتماد کے قابل ہوں"[1]۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اولو الأمر: سے مراد معاملات کے ذمہ داران ہیں جو لوگوں کو حکم دیتے ہیں، اس میں اہل اقتدار و اختیار اور اہل علم اور شرعی مسائل میں گفتگو کرنے والے دونوں شامل ہیں، اس لئے اولو الأمر دو قسم کے لوگ ہیں: علماء اور امراء، جب یہ درست ہوں گے تو لوگ بھی درست ہوں گے اور جب یہ بگڑیں گے تو لوگ بھی بگڑ جائیں گے"[2]۔

مزید فرماتے ہیں:

"نبی کریم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین دینی و دنیوی دونوں طرح کے مسائل میں لوگوں کی دیکھ ریکھ اور حسن تدبیر کیا کرتے تھے، پھر اس کے بعد معاملات بکھر گئے، اور جنگ کے امراء دنیوی امور اور دین کے ظاہری امور کی نگرانی کرنے لگے اور علمی مشائخ علم اور دین سے متعلقہ مسائل میں لوگوں کی سرپرستی کرنے لگے، اور یہی اولو الأمر ہیں، ان کی اطاعت ان باتوں میں واجب ہے جو اللہ کی اطاعت میں ہوں، جس کے معاملات کے وہ ذمہ دار ہیں"[3]۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بظاہر – واللہ اعلم – یہ آیت کریمہ امراء وعلماء تمام ذمہ داران کے لئے عام ہے"[4]۔

(۱) احکام القرآن، (۳/ ۱۷۰)۔

(۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۲۸/ ۱۷۰)۔

(۳) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۱۱/ ۱۵۵)۔

(۴) تفسیر القرآن العظیم، (۱/ ۵۱۸)۔

اور امراء کی اطاعت کا مرجع علماء کی اطاعت اور علماء کی اطاعت کا مرجع اللہ عزوجل کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔

امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حق بات یہ ہے کہ امراء کی اطاعت اسی صورت میں کی جائے گی جب وہ علم کے تقاضہ کے مطابق حکم دیں، لہٰذا اُن کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے، کیونکہ اطاعت اسی کام میں ہوتی ہے جو بھلائی کا ہو اور وہ علم کی بنا پر واجب قرار پائے، لہٰذا جس طرح علماء کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہے اسی طرح امراء کی اطاعت علماء کی اطاعت کے تابع ہے۔ چنانچہ جب اسلام کا قیام علماء اور امراء کے دو طبقوں سے عبارت ہے اور لوگ ان کے تابع ہیں، تو دنیا کی خیر و بھلائی کا مدار انہی دونوں طبقوں پر ہے اور اس کے فساد و بگاڑ کی جڑ بھی یہی دونوں طبقے ہیں''[1]۔

دوسری دلیل: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پیچیدہ مسائل میں اُن سے رجوع کرنا اور پوچھنا واجب قرار دیا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٧﴾ [الانبیاء:۷]۔

اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔

جی ہاں! اہل علم سے پوچھو: ''کیونکہ سوال کرنے والے کے لئے ایسے شخص سے پوچھنا

(۱) اعلام الموقعین، (۱/۱۰) تحقیق: عبد الرؤوف سعد۔

درست نہیں جس کے جواب کا شریعت میں اعتبار نہ ہو؛ کیونکہ ایسا کرنا معاملہ کو نااہل کے سپرد کرنا ہے، اور اس بات پر اجماع ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہیں، بلکہ یہ چیز واقع میں بھی ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ (گویا) سائل ایسے شخص سے جو سوال کئے جانے کا اہل نہیں ہے' یہ کہہ رہا ہے: کہ مجھے بتاؤ جس کا تمہیں علم نہیں، اور میں ایسے مسئلہ میں اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر رہا ہوں' جس سے جاہل و لاعلم ہونے میں ہم دونوں برابر ہیں! ایسا شخص عقلمندوں کی فہرست میں داخل نہیں ہوسکتا"[1]۔

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس آیت کریمہ کے عموم میں اہل علم کی مدح وستائش ہے، اور یہ کہ علم کی اعلیٰ ترین قسم اللہ کی نازل کردہ کتاب کا علم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نا جاننے والے کو تمام پیش آمدہ مسائل میں علماء سے رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس میں ضمناً اہل علم کی تعدیل اور ان کا تزکیہ بھی ہے' بایں طور کہ اللہ نے اُن سے پوچھنے کا حکم دیا ہے، اور یوں بھی کہ اس کے ذریعہ جاہل جواب دہی اور ذمہ داری سے بری ہوجاتا ہے"[2]۔

اہل علم سے سوال کرنے اور فتویٰ پوچھنے کا معنی یہ نہیں ہے کہ حلال کو حرام، یا حرام کو حلال ٹھہرانے میں اُن کی اطاعت کی جائے گی، اور سوال کرنے والا تابع اور مسئول متبوع ہوگا، جیسے ان لوگوں کا حال ہے جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿ ٱتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ ﴾

[التوبہ:۳۱]۔

---

(۱) الموافقات، از امام شاطبی، (۴/ ۱۶۲)۔

(۲) تیسیر الکریم الرحمن، از علامہ سعدی، (۴/ ۲۰۶)۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے۔

کیونکہ اہل علم سے سوال کرنا دراصل اللہ عزوجل کے حکم کی تلاش وجستجو ہے، اس سے سوال کئے جانے والے کی مطلق اطاعت مراد نہیں ہے، اور اسی لئے: ''اس بارے میں علماء کا اختلاف نہیں کہ عوام اپنے علماء کی تقلید کریں گے[1]''، اور فرمان باری تعالیٰ:

﴿ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٧ ﴾ [الانبیاء:۷]۔

---

(۱) یہ تعبیر محض لفظی ہے، یا تجوزاً استعمال کی گئی ہے جیسا کہ سلف میں کبھی کبھار اس قسم کا استعمال وارد ہوا ہے بلا دلیل وحجت مروجہ تقلید وجمود، عصبیت، ائمہ پرستی اور گروہ بندی کے معنیٰ میں نہیں ہے اور نہ ہی اہل ذکر سے سوال کرنا تقلید ہے بلکہ یہ سوال واستفسار حکم ربانی ہونے کی بنا پر سراپا اتباع ہے جس کا عام آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مکلف ٹھہرایا ہے، البتہ نام اور تعبیر کے بجائے امت میں چوتھی صدی ہجری کے بعد مروجہ اندھی وشخصی تقلید جو دلیل وحجت اور سلطان وبرہان کے ہوتے ہوئے جمود وتعطل سے عبارت ہے وہ بلاشبہہ طاغوت ہے جو قابل مذمت اور نکارت کی سزاوار ہے، چنانچہ امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أَنَّ النَّذِيرَ مَنْ أَقَامَ الْحُجَّةَ، فَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِحُجَّةٍ فَلَيْسَ بِنَذِيرٍ، فَإِنْ سَمَّيْتُمْ ذَلِكَ تَقْلِيدًا فَلَيْسَ الشَّأْنُ فِي الْأَسْمَاءِ، وَنَحْنُ لَا نُنْكِرُ التَّقْلِيدَ بِهَذَا الْمَعْنَى، فَسَمُّوهُ مَا شِئْتُمْ، وَإِنَّمَا نُنْكِرُ نَصْبَ رَجُلٍ مُعَيَّنٍ يُجْعَلُ قَوْلُهُ عِيَارًا عَلَى الْقُرْآنِ وَالسُّنَنِ؛ فَمَا وَافَقَ قَوْلَهُ مِنْهَا قُبِلَ وَمَا خَالَفَهُ لَمْ يُقْبَلْ، وَيُقْبَلُ قَوْلُهُ بِغَيْرِ حُجَّةٍ، وَيُرَدُّ قَوْلُ نَظِيرِهِ أَوْ أَعْلَمَ مِنْهُ وَالْحُجَّةُ مَعَهُ، فَهَذَا الَّذِي أَنْكَرْنَاهُ، وَكُلُّ عَالِمٍ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ يُعْلِنُ إنْكَارَهُ وَذَمَّهُ وَذَمَّ أَهْلِهِ'' [إعلام الموقعين عن رب العالمین (۱۷۹/۲)]۔

ڈرانے والا وہ ہے جو حجت ودلیل پیش کرے، جو حجت وبرہان پیش نہ کرے وہ نذیر نہیں، اب اگر تم اُسے تقلید کا نام دیتے ہو تو ناموں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور اس معنیٰ میں ہم بھی تقلید کے منکر نہیں ہیں لہٰذا تم اُسے جو نام چاہو دیدو، ہم دراصل کسی معین شخص کو کھڑا کر لینے کے منکر ہیں جس کے قول وفرمان کو قرآن وسنن کی کسوٹی اور معیار بنا لیا جائے، چنانچہ قرآن وسنت کی جو باتیں اس کے قول کے موافق ہوں قبول کی جائیں اور جو اس کے خلاف ہوں نا قابل قبول قرار دی جائیں، اس طرح اُس کی بات کو بلا حجت وبرہان قبول کیا جائے اور اس کے ہم مثل یا اس سے زیادہ علم والے کا قول جس کے پاس دلیل وحجت ہو رد کر دیا جائے، ہم اس چیز کے منکر ہیں، اور روئے زمین کا ہر عالم اس چیز کا علانیہ انکار اور اس کی اور اس کے علمبرداروں کی کھلی مذمت کرتا ہے۔ [مترجم]

اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔

سے مراد عوام ہی ہیں ۔۔۔۔اسی طرح اس میں بھی علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ عوام کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں، اور ایسا - واللہ اعلم - اسی لئے ہے کہ عوام ان معانی اور اصولوں سے جاہل اور نابلد ہوتے ہیں جن سے حلال وحرام قرار دینا اور علم کے باب میں گفتگو کرنا جائز ہوتا ہے،،(۱)۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عوام الناس کے اعتبار سے مجتہدین کے فتاویٰ کی حیثیت وہی ہے جو مجتہدین کے اعتبار سے شرعی دلائل کی، اس کی دلیل یہ ہے کہ مقلدین کی نسبت سے دلائل کا وجود اور عدم وجود دونوں یکساں ہے؛ کیونکہ وہ اُن سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھاتے، اس لئے کہ دلائل میں غور وفکر اور ان سے احکام کا استنباط اُن کا کام نہیں ہے، اور یہ چیز ان کے لئے قطعاً جائز بھی نہیں ہے،،(۲)۔

یقیناً علماء کی حیثیت رہبر ورہنما کی ہے، چنانچہ انہی کے ذریعہ اللہ کے حکم کی معرفت ہوتی ہے، اور اللہ عزوجل کی مراد اور اُس کے رسول ﷺ کی مراد کو سمجھنے کے لئے اُن کی سمجھ سے مدد لی جاتی ہے، نہ کہ بذات خود ان کی اطاعت مقصود ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''یہاں سے عالم کی کہی ہوئی تمام باتوں میں اس کی تقلید کرنے اور اُس کی سمجھ سے مدد لینے اور اس کے علم کے نور سے روشنی حاصل کرنے کے مابین فرق واضح ہوجاتا ہے؛ چنانچہ

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبد البر، (۲ / ۱۱۴)۔

(۲) الموافقات، از امام شاطبی، (۴ / ۲۹۳)۔

پہلا شخص عالم کی بات کو، غور وفکر اور کتاب وسنت کی دلیل طلب کئے بغیر یونہی لے لیتا ہے، بلکہ اُسے اپنے گلے کی رسّی اور پٹہ بنالیتا ہے، اسی لئے اس کا نام تقلید ہے، برخلاف رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے میں علماء کی فہم سے مدد لینے اور ان کے علم کے نور سے روشنی حاصل کرنے والے کے؛ کہ وہ اُنہیں پہلی دلیل تک پہنچنے کی دلیل اور رہنما کے درجہ میں سمجھتا ہے، اور جب اس دلیل تک پہنچ جاتا ہے تو اسی کو اپنا کر دوسرے سے رہنمائی لینا چھوڑ دیتا ہے، چنانچہ جو ستارے سے قبلہ کی رہنمائی حاصل کرے، اور جب قبلہ دیکھ لے تو ستارے سے رہنمائی کا کوئی معنیٰ باقی نہیں رہ جاتا"[1]۔

لہٰذا علماء ہی احکام شریعت کی وضاحت کا وسیلہ و ذریعہ ہیں، چنانچہ یکے بعد دیگرے علماء اس علم کے وارث ہوتے رہے ہیں، خلف اُسے سلف سے حاصل کرتے ہیں، اور یہ علماء لوگوں کو اللہ عزوجل کے احکام کی وضاحت کرتے ہیں۔

تیسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے اُنہیں عظیم مرتبہ بخشا ہے، چنانچہ بجائے دیگر صرف اُنہیں عظیم ترین مسئلہ (توحید) پر گواہ بنایا ہے:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَأُو۟لُوا۟ ٱلْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِٱلْقِسْطِ ۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١٨﴾﴾ [آل عمران: ۱۸]۔

---

(۱) کتاب الروح ص (۳۵۶)۔

اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو سب سے عظیم اور جلیل القدر مسئلہ یعنی اپنی توحید پر گواہ بنایا ہے یہ چیز علم اور علماء کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے، اور یہ کہ علماء بالجملہ عادل ہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عادلوں ہی کو گواہ بناتا ہے، اور بقیہ مخلوق ان کے تابع ہے، اور جب اللہ تعالیٰ نے علماء کو سب سے عظیم ترین مسئلہ پر گواہ بنالیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت میں اُس سے چھوٹے مسائل میں بھی (بدرجہ اولیٰ) ان کا اعتبار ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس الٰہی گواہی کے ضمن میں اُس کی گواہی دینے والے اہل علم کی مدح وثناء اور ان کی عدالت کا بیان ہے''[1]۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس آیت کریمہ میں علم کی فضیلت اور اسی طرح علماء کے شرف وفضیلت کی دلیل ہے، کیونکہ اگر کوئی علماء سے زیادہ شرف والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے نام اور اپنے فرشتوں کے نام کے ساتھ اُس کا نام لگاتا، جیسے علماء کا نام جوڑا ہے''[2]۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ عبد الرحمٰن بن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں علم اور علماء کی فضیلت ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دیگر بشر کو چھوڑ کر اُن کا

---

(۱) التفسیر القیم، از ابن القیم، ص (۱۹۹)۔

(۲) الجامع لاحکام القرآن، (۴/ ۴۱)۔

خصوصی ذکر فرمایا ہے، اور اپنی اور اپنے فرشتوں کی گواہی کے ساتھ اُن کی گواہی کا بھی ذکر کیا ہے، نیز ان کی گواہی کو اپنی توحید، اپنے دین اور اپنے بدلہ کے سب سے بڑے دلائل میں شامل فرمایا ہے، نیز یہ کہ مکلفین پر اس عادل اور سچی گواہی کو قبول کرنا واجب ہے۔ اور اس میں ضمناً ان کی عدالت کا بیان ہے، نیز یہ کہ مخلوق ان کے تابع ہے اور وہ قابل اتباع ائمہ ہیں، اور اس میں فضل، شرف اور بلندی مقام کا وہ پہلو ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا"[1]۔

چوتھی دلیل: اللہ عزوجل نے علماء اور غیر علماء کے مابین برابری کی نفی فرمائی ہے:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر:۹]۔

بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم اور عوام میں برابری کی نفی فرمائی ہے، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ علماء کا شریعت میں اعتبار اور مخلوق میں اونچا مقام ہے، جو دیگر بشر کو میسر نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو دیگر مومنوں پر رفعت و برتری عطا فرمائی ہے، اور مومنوں کو دیگر لوگوں پر بلندی اور فوقیت بخشی ہے:

﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ [المجادلہ:۱۱]۔

---

(۱) تیسیر الکریم الرحمٰن، (۱/ ۳۶۵)۔

اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گئے ہیں درجے بلند کر دے گا۔

امام طبری رحمہ اللہ اس آیت کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ بے علم مومنوں پر علم کی فضیلت کے سبب علم والے مومنوں کے درجات بلند فرمائے گا، بشرطیکہ جن باتوں کا انہیں حکم دیا گیا ہے وہ اس پر عمل کریں''[1]۔

پانچویں دلیل: علماء اللہ کے مقصود کو سمجھنے والے ہیں:

ارشاد باری ہے:

﴿وَتِلْكَ ٱلْأَمْثَـٰلُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَآ إِلَّا ٱلْعَـٰلِمُونَ ﴿٤٣﴾﴾ [العنکبوت: ۴۳]۔

ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں انہیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

چنانچہ خاص دلائل یعنی مثالیں تمام لوگوں کے لئے بیان کی جاتی ہیں لیکن ان کا تعلق اور فہم اہل علم کے ساتھ خاص ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے: ''ان کے تعلق کو علم والوں میں محصور کر دیا ہے، اور مثالوں کے بیان سے اللہ کا مقصود وہی ہیں''[2]۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان مثالوں کو سمجھتے اور ان میں غور و تدبر ٹھوس علم والے ہی کرتے ہیں جو اسے بھرپور

---

(۱) جامع البیان، (۱۹/۲۸)۔

(۲) الموافقات، از امام شاطبی، (۱/۷۱)۔

حاصل کرتے ہیں"[۱]۔

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا يَعْقِلُهَآ ﴾ یعنی فہم وتدبر اور جس مقصد کے لئے بیان کی گئی ہیں ان کی عملی تطبیق، اور دل کی سمجھ کے ساتھ وہی سمجھتے ہیں۔ ﴿ إِلَّا ٱلْعَـٰلِمُونَ ﴾ جو حقیقی علم والے ہوتے ہیں، جن کا علم ان کے دلوں تک پہنچ جاتا ہے۔

یہ اللہ کی پیش کردہ مثالوں کی مدح، ان میں غور وفکر کی ترغیب اور ان کے سمجھنے والوں کی تعریف وستائش ہے، نیز یہ کہ مثالوں کا سمجھنا اُس کے صاحب علم ہونے کا عنوان ہے، لہذا معلوم ہوا کہ ان کا نہ سمجھنے والا علم والوں میں سے نہیں ہے"[۲]۔

چھٹی دلیل: علماء اہل خشیت الٰہی ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَـٰٓؤُا۟ ﴾ [فاطر:۲۸]۔

یقیناً اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

"یہاں اللہ کی خشیت کو اہل علم میں محصور کیا گیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ جَزَآؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّـٰتُ عَدْنٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَـٰرُ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۖ رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ

(۱) تفسیر القرآن العظیم، (۳/ ۴۱۴)۔

(۲) تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان، (۶/ ۸۹)۔

رَبَّهُ ۝ ﴾ [البینہ:۸]۔

ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ ہے اس کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔

اور اللہ عزوجل نے بتلایا کہ اُس سے ڈرنے والے علماء ہیں، لہٰذا دونوں آیتوں کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اجروثواب علماء ہی کے لئے ہے'' [۱]۔

درحقیقت اللہ سے ڈرنے والے 'علماء' اپنے کمال علم کے سبب ہیں، چنانچہ انسان کو اللہ کی بابت جتنا علم ہوگا' اس سے اتنا ہی زیادہ محبت کرے گا، اس کی نعمتوں سے اتنا ہی پر امید ہوگا، اور اس کے عذاب سے اتنا ہی ڈرے گا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یعنی اللہ تعالیٰ سے کماحقہ علماء ہی ڈرتے ہیں، جنہیں اس کی معرفت ہے، کیونکہ اللہ عظیم وقدیر وعلیم، صفات کمال اور اسماء حسنیٰ سے متصف ذات باری کی معرفت جس قدر بھرپور اور اس کی بابت علم جس قدر درجۂ کمال کا ہوگا، اس کا ڈر اسی قدر زیادہ اور عظیم تر ہوگا'' [۲]۔

لیکن جو اللہ عزوجل، اپنے اولیاء کے لئے اس کے نیک وعدوں اور دشمنوں کے لئے اس کی وعیدوں سے جاہل و نابلد ہوگا اللہ سے اس کی محبت، اس کی نعمتوں کی امید اور اس کے عذاب کا ڈر ضعیف اور کمزور ہوگا۔

اسی طرح عالم اللہ کی میسر محبت، امید اور خوف کے سبب نفسانی خواہشات ومفادات سے

---

(۱) مفتاح دار السعادۃ، از ابن القیم، (۱/۵۱)، نیز دیکھئے: تذکرۃ السامع والمتکلم ص(۶)۔
(۲) تفسیر القرآن العظیم، (۳/۵۵۳)۔

بہت دور ہوتا ہے، اس سے اس کی بات کو وہ اعتبار حاصل ہوتا ہے' جو اس کے علاوہ خواہشات نفسانی سے مغلوب کو حاصل نہیں ہوتا۔

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ علم نافع کے خشیت الٰہی کا راستہ ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس کا سبب یہ ہے کہ یہ علم نافع دو باتوں پر دلالت کرتا ہے:

پہلی بات: اللہ تعالیٰ اور جن اسماء حسنیٰ، صفات علیا اور روشن افعال کا وہ مستحق ہے' اس کی معرفت۔ یہ چیز اللہ کی بڑائی و بزرگی، اس کی تعظیم، خوف وخشیت، محبت و امید، توکل، اس کے فیصلہ سے رضامندی اور اس کی آزمائشوں پر صبر کرنے کو متلزم ہے۔

دوسری بات: جو عقائد اور ظاہری و باطنی افعال و اقوال اللہ تعالیٰ کو محبوب و پسند یا مبغوض و ناپسند ہیں' ان کی معرفت۔ اور یہ چیز اسے جاننے والے کے لئے اللہ کے محبوب و پسندیدہ امور کی طرف سبقت کرنے اور اس کے مکروہ و ناپسندیدہ امور سے دور رہنے کی موجب ہے۔ لہٰذا جو علم صاحب علم میں یہ جذبہ پیدا کرے وہ ''علم نافع'' ہے''[1]۔

اور انسان کا علم جس قدر زیادہ ہوگا اس کی خشیت بھی اسی قدر زیادہ ہوگی۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہر شخص جسے اللہ کی بابت زیادہ علم ہوگا اللہ سے اس کی خشیت بھی زیادہ ہوگی، اور اللہ کی خشیت اُسے گناہوں سے دور رہنے اور اُس خشیت والی ذات سے ملاقات کی تیاری کرنے کی موجب ہوگی، یہ علم کی فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ علم اللہ کی خشیت کا داعی ہے''[2]۔

---

(۱) بیان فضل علم السلف علی علم الخلف، ص (۷۲-۷۳)۔

(۲) تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان، (۶/۳۱۷)۔

شریعت میں علماء کے اقوال کے اعتبار کی بابت اللہ کی اس خشیت کا بڑا اثر ہے، کیونکہ شریعت کی ضد خواہش نفسانی ہے، ارشاد باری ہے:

﴿ ثُمَّ جَعَلْنَٰكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ ٱلْأَمْرِ فَٱتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ ٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨﴾ ﴾ [الجاثیہ:۱۸]۔

پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا، سو آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں۔

اور عالم اپنے علم اور اللہ کی خشیت کے سبب لوگوں میں خواہش نفس سے حد درجہ دور اور حق سے قریب تر ہوتا ہے؛ اسی لئے شریعت میں اس کی بات کا اعتبار ہے۔

ساتویں دلیل: اہل علم لوگوں میں سب سے زیادہ شر و برائی اور اس کی راہوں کا علم رکھنے والے ہیں:

اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿ قَالَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ إِنَّ ٱلْخِزْىَ ٱلْيَوْمَ وَٱلسُّوٓءَ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٧﴾ ﴾ [النحل:۲۷]۔

جنہیں علم دیا گیا تھا وہ پکار اٹھیں گے کہ آج تو کافروں کو رسوائی اور برائی چمٹ گئی۔

شیخ علامہ عبد الرحمن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"﴿ قَالَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ ﴾ یعنی علماء ربانی کہیں گے، ﴿ إِنَّ ٱلْخِزْىَ ٱلْيَوْمَ ﴾، آج یعنی قیامت کے دن رسوائی، ﴿ وَٱلسُّوٓءَ ﴾ اور برا عذاب، ﴿ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ﴾ کافروں پر ہوگا۔

اس میں اہل علم کی فضیلت ہے، کہ اس دنیا میں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت کے دن) بھی حق بولنے والے یہی علماء ہوں گے، نیز یہ کہ اللہ عزوجل اور اس کی مخلوق کے یہاں ان کی باتوں کا اعتبار ہے"[1]۔

اور قصہ قارون کے سیاق میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡعِلۡمَ وَيۡلَكُمۡ ثَوَابُ ٱللَّهِ خَيۡرٌ﴾ [القصص:۸۰]۔

ذی علم لوگ انہیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطور ثواب انہیں اللہ کی جانب سے ملے گی۔

چنانچہ اہل علم یہاں دوسروں سے ممتاز اور نمایاں تھے، کیونکہ وہ برائی کو سمجھنے والے اور بھلائی کا علم رکھنے والے تھے، لہذا جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ قارون جیسے خزانے کی آرزو کر رہے ہیں تو انہیں برائی سے ڈرایا اور بھلائی کی وضاحت فرمائی، اور یہ بھی بتلایا کہ ایمان اور عمل صالح والوں کے لئے دار آخرت بہتر ہے۔

اور ان دنیوی مادہ و مفادات کے آرزومندوں نے نہیں سمجھا کہ علماء ہی حق پر ہیں، مگر اس وقت جب قارون کو عذاب نے اپنی لپیٹ میں لے لیا، اور تب:

﴿وَأَصۡبَحَ ٱلَّذِينَ تَمَنَّوۡاْ مَكَانَهُۥ بِٱلۡأَمۡسِ يَقُولُونَ وَيۡكَأَنَّ ٱللَّهَ يَبۡسُطُ ٱلرِّزۡقَ لِمَن يَشَآءُ مِنۡ عِبَادِهِۦ وَيَقۡدِرُۖ لَوۡلَآ أَن مَّنَّ ٱللَّهُ عَلَيۡنَا لَخَسَفَ بِنَاۖ وَيۡكَأَنَّهُۥ لَا يُفۡلِحُ ٱلۡكَٰفِرُونَ ۝٨٢﴾ [القصص:۸۲]۔

جو لوگ کل اس کے مرتبہ پر پہنچنے کی آرزومندیاں کر رہے تھے وہ آج کہنے لگے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالی ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہے روزی کشادہ

---

(۱) تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان، (۴/ ۱۹۶)۔

کر دیتا ہے اور تنگ بھی؟ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر فضل نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ ناشکروں کو کبھی کامیابی نہیں ہوتی؟

اور جب علماء ہی شر و برائی کو سمجھنے والے ہیں، تو وہی لوگوں کو برائی میں پڑنے سے روکنے والے بھی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَوْلَا يَنْهَىٰهُمُ ٱلرَّبَّـٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ ٱلْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ ﴾ [المائدہ: ۶۳]۔

انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے، بے شک برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

یعنی علماء، جو لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے آمادہ ہیں، انہیں ان عظیم برائیوں سے کیوں نہیں روکتے، جب وہ -یعنی علماء- شر اور شر کی راہوں کے جاننے والے ہیں، تو ان پر لازم ہے کہ لوگوں کو اس کی وضاحت کریں۔

اور لوگوں پر لازم ہے کہ برائی سے ڈرانے اور گناہوں سے منع کرنے کی بابت علماء کی اطاعت کریں اور ان کا کہا مانیں۔

آٹھویں دلیل: علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء کے بعد ساری انسانیت پر انہیں فضیلت حاصل ہے:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ:

"فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ، كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا

وَلَا دِرْهَمًا، وَإِنَّمَا وَرِثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ"[۱]۔

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''عالم کی فضیلت عبادت گذار پر ایسی ہے جیسے چودھویں شب کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر، یقیناً علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء نے دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا ہے، بلکہ انہوں نے علم کا وارث بنایا ہے، لہٰذا جس نے اُس علم کو حاصل کرلیا اس نے بھرپور حصہ پالیا''۔

امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یعنی علماء اُس علم کے وارث ہوئے جو انبیاء لے کر آئے تھے، چنانچہ وہ انبیاء کی امتوں میں اللہ اور اس کی اطاعت کی طرف بلانے اور اللہ کی نافرمانیوں سے روکنے اور اللہ کے دین کا دفاع کرنے میں انبیاء علیہم السلام کے خلفاء وجانشین ہیں''[۲]۔

اور جب علماء انبیاء علیہم السلام کی طرف اللہ کے وحی کردہ علم کے وارث ہوئے ہیں، تو انبیاء کے شرعی اعتبار میں کچھ حصہ کے بھی وارث ہوئے ہیں؛ کیونکہ انبیاء اللہ کی طرف سے پہنچانے والے ہیں، اور علماء انبیاء علیہم السلام کی طرف سے پہنچانے والے ہیں، یہ پہلو اگلی دلیل میں مزید واضح ہوگا:

---

(۱) مسند احمد، (۵/۱۹۶)، وسنن دارمی، مقدمہ، (۱/۸۳)، حدیث (۳۴۹)، وسنن ابوداود، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، (۳/۳۱۷)، حدیث (۳۶۴۱)، وسنن ترمذی، کتاب العلم، باب فضل الفقہ علی العبادۃ، (۴/۱۵۳)، حدیث (۲۸۲۳)، وسنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، (۱/۸۱)، حدیث (۲۲۳)۔

تمام لوگوں نے بسند کثیر بن قیس عن ابی الدرداء روایت کیا ہے۔ سنن دارمی کے محقق شیخ عبد اللہ ہاشم یمانی مدنی فرماتے ہیں: ''نیز اسے ابن حبان نے، بیہقی نے شعب الایمان میں، حاکم نے مستدرک میں حسن سند کے ساتھ، ابویعلی نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے، نیز امام بخاری نے اس کی بعض سندوں کو صحیح قرار دیا ہے''۔

(۲) شرح حدیث ابی الدرداء فی طلب العلم، ص (۳۶)۔

نویں دلیل: علماء انبیاء علیہم السلام کی طرف سے پہنچانے والے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تَسْمَعُونَ، وَيُسْمَعُ مِنكُمْ، وَيُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنكُمْ"[1]۔

تم مجھ سے سن رہے ہو، اور تم سے بھی سنا جائے گا، پھر تم سے سننے والوں سے بھی سنا جائے گا۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ اس علم کو سیکھ کر حاصل کیا جائے گا، اور اہل علم کا ہر طبقہ اُسے اپنے بعد والوں کو پہنچائے گا۔

یہ پہنچانے والے ہی نبی کریم ﷺ کی اس دعا کے مستحق ہیں:

"نَضَّرَ اللَّهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي، فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ"[2]۔

اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تر و تازہ رکھے، جس نے میری بات سنی اور اسے اچھی طرح یاد کیا اور از بر کر لیا، اور پھر (من وعن) ادا کر دیا، بسا اوقات فقہ لینے والا فقیہ نہیں ہوتا، اور

---

(۱) مسند احمد، حدیث (۲۹۴۷)، وسنن ابوداود، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، (۳/ ۳۲۲)، حدیث (۳۶۵۹)، وابن حبان، حدیث (۶۱)، وحاکم، (۱/ ۹۵)، بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اُن کی موافقت فرمائی ہے۔

(۲) شافعی، (۱/ ۱۴)، وسنن ابوداود، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، (۳/ ۳۲۲)، حدیث (۳۶۶۰)، وجامع ترمذی، کتاب العلم، باب الحث علی تبلیغ السماع، (۳/ ۱۴۱)، حدیث (۲۷۹۴)، وابن ماجہ، مقدمہ، باب من بلغ علماً، (۱/ ۸۴)، حدیث (۲۳۰)۔ تمام لوگوں نے بحدیث زید بن ثابت روایت کیا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں: زید بن ثابت کی حدیث حسن ہے، نیز اسے حافظ ابن حجر وغیرہ نے بھی صحیح قرار دیا ہے، نیز شرح السنۃ میں اس حدیث کی ارنؤوط کی تخریج ملاحظہ فرمائیں: (۱/ ۲۳۶)۔

بسا اوقات فقہ لینے والا جسے پہنچا تا ہے وہ اس سے زیادہ فقہ والا ہوتا ہے۔

علماء کرام نے دونوں ذمہ داریاں انجام دی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات کو بعد والوں کو پہنچایا بھی ہے اور ان فرمودات کو سمجھا اور اس کی فقہ بھی حاصل کیا ہے، چنانچہ "عالم" فقہ لینے اور اسے سمجھنے والا دونوں ہوتا ہے۔

بلکہ علماء کرام ایک طرح سے قانون ساز ہوتے ہیں، یہ اس وقت جب وہ دونوں وحیوں (کتاب وسنت) کے نصوص سے کسی پیش آمدہ مسئلہ یا ہنگامی امر کا حکم مستنبط کرتے ہیں۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"عالم ایک طرح سے شارع ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ شریعت کی جو بات پہنچاتا ہے؛ یا تو وہ صاحب شریعت سے منقول ہوتی ہے یا صاحب شریعت سے منقول نص سے مستنبط؛ چنانچہ پہلی صورت میں: وہ پہنچانے والا ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں: احکام نکالنے میں اُس کے قائم مقام، اور احکام نکالنا شارع کا کام ہے، چنانچہ جب مجتہد کے لئے اپنی فکر و نظر اور اجتہاد سے احکام نکالنا جائز ہے تو وہ اس حیثیت سے شارع (قانون ساز) ہے جس کی اتباع اور اس کے قول کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اور درحقیقت خلافت و جانشینی اسی کا نام ہے"[1]۔

دسویں دلیل: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن کا خیر خواہ ہے:

ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ"[2]۔

---

(۱) الموافقات، از امام شاطبی، (۴/ ۲۴۵)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب باب قول اللہ تعالیٰ: "فان للہ خمسہ" (۴/ ۴۹)، وکتاب الاعتصام، باب ===

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

امام آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ نے ان کی بھلائی چاہی تو انہیں دین کی سمجھ دی، اور کتاب وسنت کا علم عطا فرمایا، اور وہ اللہ کے بندوں کے لئے چراغ اور ملکوں کے منارے بن گئے''[1]۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمارے نبی محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے ہر امت کے علماء بدترین لوگ تھے، سوائے مسلمانوں کے، کہ ان کے علماء بہترین لوگ ہیں''[2]۔

جب اللہ عزوجل نے ان کے ساتھ بھلائی کرنا چاہا تو انہیں دین کی سمجھ عطا فرمائی اور تاویل وتفسیر کا علم دیا، اور انہیں اس خصوصیت سے نوازا، نیز انہیں یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ ان کی اطاعت لازم اور ان کے حکم کی بجا آوری واجب ہے۔

=== قول النبی ﷺ: ''لاتزال طائفۃ من امتی''، (۸/ ۱۳۹)، وصحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب النہی عن المسالۃ، (۲/ ۷۱۹)، حدیث (۱۰۳۷)، ومسند احمد، (۴/ ۹۲)۔

تمام لوگوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد نے (۱/ ۳۰۶) اور امام ترمذی نے کتاب العلم، باب فضل العلماء، (۴/ ۱۳۷) میں روایت کیا ہے۔

(۱) اخلاق العلماء، (۹۴)۔

(۲) رفع الملام عن الائمۃ الأعلام، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ ص (۱۱)۔

گیارہویں دلیل: لوگوں کی نجات علماء کے وجود سے وابستہ ہے' اگر علماء اٹھالئے جائیں تو لوگ ہلاک ہوجائیں گے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: "**إِنَّ اللّٰهَ لاَ يَقْبِضُ العِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ العِبَادِ، وَلَكِنْ يَقْبِضُ العِلْمَ بِقَبْضِ العُلَمَاءِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا، فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا**"[1]۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: یقیناً اللہ تعالیٰ کھینچ کر علم نہیں اٹھائے گا کہ بندوں (کے دلوں) سے کھینچ لے، بلکہ علماء کو اٹھا کر علم اٹھالے گا، یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہ رکھے گا، تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، جن سے سوال کیا جائے گا، اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، چنانچہ وہ خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

یعنی لوگوں کو غلط فتوے دیکر اور علم، ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں بات کہہ کر گمراہ ہوں گے۔ اور اپنے پیروکاروں کو بھی گمراہ کریں گے، ایسی صورت میں سبھی ہلاک و برباد ہوں گے۔

اور کتابوں کا وجود علماء سے بے نیاز نہیں کرسکتا' خواہ آسمانی کتابیں کیوں نہ ہوں، کیونکہ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، (۱/ ۷۴، ۷۵)، وکتاب الاعتصام، باب ما یذکر فی ذم الرأی وتکلف القیاس، (۸/ ۱۴۸)، وصحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضہ، (۴/ ۲۰۵۸)، حدیث (۲۶۷۳)، دونوں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور مذکورہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

اگر یہ کتابیں کسی قوم کو بے نیاز کر سکتیں، تو قوم بنی اسرائیل کو بے نیاز کر دیتیں، جو دو طرح کے انحراف کا شکار ہوئے:

❁ کچھ لوگوں نے جہالت و لاعلمی میں اللہ کی عبادت کی، اور گمراہ ہوئے، یہ نصاریٰ (عیسائی) ہیں۔

❁ اور کچھ لوگوں نے علم کے باوجود اللہ عزوجل کے اوامر سے اعراض کیا، اور اللہ کے غضب کے مارے ہوئے، یہ یہودی ہیں۔

یہ ساری قومیں اہل کتاب تھیں؛ چنانچہ نصاریٰ کے پاس: انجیل، اور یہودیوں کے پاس: تورات تھی، لیکن ان کتابوں کے وجود نے انہیں کچھ بھی بے نیاز نہیں کیا، کیونکہ ان دونوں کے سچے حاملین نہ تھے، جو حصول علم میں مخلص ہوں۔

اسی طرح ''قرآن کا محض وجود'' اس امت کو بھی بے نیاز نہیں کر سکتا، جب تک کہ سچے مخلص علماء نہ ہوں، جو اس کے حاملین ہوں۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: **''خُذُوا الْعِلْمَ قَبْلَ أَنْ يَذْهَبَ''**. قَالُوا: وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ، وَفِينَا كِتَابُ اللَّهِ؟ قَالَ: فَغَضِبَ - لَا يُغْضِبُهُ اللَّهُ -، ثُمَّ قَالَ: **''ثَكِلَتْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ، أَوَلَمْ تَكُنِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمْ شَيْئًا؟ إِنَّ ذَهَابَ الْعِلْمِ أَنْ يَذْهَبَ حَمَلَتُهُ، إِنَّ ذَهَابَ الْعِلْمِ أَنْ يَذْهَبَ حَمَلَتُهُ''**[1]۔

---

(۱) مسند احمد، (۵/ ۲۶۶)، وسنن دارمی، مقدمہ، باب فی ذھاب العلم، (۱/ ۶۸)، حدیث (۲۴۵)، دونوں نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''علم کے اٹھ جانے سے پہلے اُسے لے لو'' ۔صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! علم کیسے اٹھ جائے گا، جبکہ ہمارے بیچ اللہ کی کتاب موجود ہے؟ بیان کرتے ہیں کہ: آپ ﷺ سخت غصہ ہوئے- اللہ آپ کو غصہ نہ دلائے- پھر فرمایا: ''تمہاری مائیں تمہیں کھودیں، کیا بنی اسرائیل کے بیچ تورات اور انجیل موجود نہیں ہیں، لیکن انہوں نے اُنہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا؟ بیشک علم کا اٹھنا اُس کے حاملین (علماء) کا اٹھ جانا ہے، علم کا اٹھنا اُس کے حاملین کا اٹھ جانا ہے'' ۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَشَخَصَ بِبَصَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ: ''**هَذَا أَوَانُ يُخْتَلَسُ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ عَلَى شَيْءٍ**''، فَقَالَ زِيَادُ بْنُ لَبِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَكَيْفَ يُخْتَلَسُ مِنَّا وَقَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ؟ فَوَاللَّهِ لَنَقْرَأَنَّهُ، وَلَنُقْرِئَنَّهُ نِسَاءَنَا وَأَبْنَاءَنَا، فَقَالَ: ''**ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا زِيَادُ، إِنْ كُنْتُ لَأَعُدُّكَ مِنْ فُقَهَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، هَذِهِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ عِنْدَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، فَمَاذَا تُغْنِي عَنْهُمْ؟**''[1] ۔

اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ

---

(۱) سنن دارمی، مقدمہ، باب من قال: العلم خشیۃ وتقوی اللہ، (۱/ ۷۵)، حدیث (۲۹۴)، وسنن ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی ذھاب العلم، (۴/ ۱۴۰)، حدیث (۲۷۹۱)، دونوں نے جبیر بن نفیر کے طریق سے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حسن غریب ہے'' ۔[علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح الجامع، حدیث (۶۹۹۰)(مترجم)] ۔

نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھایا، اور فرمایا: ''یہ لوگوں سے علم اُچک لئے جانے کا وقت ہے، یہاں تک کہ ان کے بس میں کچھ بھی نہ رہ جائے گا''، یہ سن کر زیاد بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم سے علم کیسے اُچک لیا جائے گا، جبکہ ہم نے قرآن پڑھا ہے؟ اور اللہ کی قسم! ہمیں اُسے ضرور پڑھیں گے اور ضرور اُسے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی پڑھائیں گے؟! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زیاد! تمہیں تمہاری ماں گم پائے، میں تو تمہیں اہل مدینہ کے فقہاء میں شمار کرتا تھا! یہ تورات اور انجیل یہود ونصاریٰ کے درمیان موجود ہیں، بھلا اُنہیں کیا بے نیاز کر رہی ہیں؟''۔

لہٰذا علم کا اٹھنا علماء کے چلے جانے سے ہوگا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو، علم کا اٹھ جانا کیا ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں! فرمایا: ''علماء کا ختم ہو جانا''[1]۔

اور علماء کے ختم ہونے کا معنیٰ: لوگوں کی ہلاکت وتباہی ہے۔

ابو جناب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ: میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے پوچھا: اے ابوعبداللہ، لوگوں کی ہلاکت و بربادی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: ''جب ان کے علماء ختم ہو جائیں''[2]۔

اور جس شخص کو اس کی قوم کے لوگ علم وفقہ کے بغیر اپنا سردار بنالیں گے، اُس کے سبب ہلاک وبرباد ہو جائیں گے۔

---

(۱) سنن دارمی، مقدمہ، باب فی ذھاب العلم، (۱/ ۶۸)، نمبر (۲۴۹)۔

(۲) سنن دارمی، مقدمہ، باب فی ذھاب العلم، (۱/ ۶۸)، نمبر (۲۴۸)۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”خبردار! جسے اُس کی قوم کے لوگ علم وفقہ کی بنیاد پر سردار بنائیں گے وہ اُن کے لئے خیر ہوگا، اور جسے اُس کی قوم کے لوگ علم وفقہ کے بغیر اپنا سردار بنائیں گے وہ اپنی اور اپنے ماتحتوں کی ہلاکت وتباہی کا سبب ہوگا“[۱]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”علماء فوت ہوتے رہیں گے اور حق کے نشانات مٹتے جائیں گے، یہاں تک کہ علماء ختم ہوجائیں گے، اور لوگ جہالت کی بنیاد پر عمل کریں گے، ناحق کو دین بنالیں گے اور راہ راست سے بھٹک جائیں گے“[۲]۔

بارہویں دلیل: انسانیت کو علماء کی سخت ضرورت ہے:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’لوگوں کو علم کی ضرورت‘ کھانے پینے کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہے؛ کیونکہ کھانے پینے کی ضرورت دن میں دو تین مرتبہ ہوتی ہے، جبکہ علم کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے“[۳]۔

امام آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اللہ تم پر رحم فرمائے، بھلا تمہارا کیا خیال ہے کہ کوئی پر خطر راستہ ہو، لوگوں کو تاریک رات میں اُس میں چلنے کی ضرورت ہو، اب اگر اس میں روشنی نہ ہو تو لوگ حیران ہوجائیں گے،

---

(۱) سنن دارمی، مقدمہ، باب فی ذھاب العلم، (۱/ ۶۹) نمبر (۲۵۷)، وجامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبد البر، (۱/ ۶۲)۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبد البر، (۱/ ۱۵۵)۔

(۳) اسے امام ابن القیم نے اعلام الموقعین میں ذکر کیا ہے، (۲/ ۲۵۶)۔

چنانچہ اللہ انہیں روشنی پہنچانے کے لئے اس میں چراغوں کا انتظام فرمادے، اور وہ عافیت وسلامتی کے ساتھ چلنے لگیں، پھر کچھ اور لوگ آئیں، جنہیں بھی اس راہ پر چلنا ناگزیر ہو، وہ بھی چلنے لگیں، ابھی اسی حالت میں ہوں کہ سارے چراغ گل ہو جائیں اور وہ گھپ اندھیرے میں رہ جائیں، تو ایسے لوگوں کا کیا حال ہوگا؟

یہی مثال لوگوں میں علماء کی ہے، بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ فرائض کیسے ادا کئے جائیں، حرام کاموں سے کیسے بچا جائے، مخلوق اللہ کی جو عبادات کرتی ہے، وہ تمام عبادتیں اللہ کے لئے کیسے کی جائیں؟ مگر علماء کے بقاء ہی کے ذریعہ، چنانچہ جب علماء مرجائیں گے تو لوگ حیران ہوں گے، اُن کی موت سے علم ختم ہو جائے گا اور جہالت کا دور دورہ ہو جائے گا''[1]۔

اور اگر علم نہ ہوتا تو لوگوں کا عمل برباد ہو جاتا۔

خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو علم کے بغیر عمل کرے گا اس کا فساد و بگاڑ اُس کی اچھائی سے زیادہ ہوگا''[2]۔

نبی کریم ﷺ نے علماء کی مثال ستاروں سے دی ہے۔

چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِي الْأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُومِ فِي السَّمَاءِ، يُهْتَدَى بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، فَإِذَا انْطَمَسَتِ النُّجُومُ، أَوْشَكَ أَنْ تَضِلَّ الْهُدَاةُ''[3]۔

---

(۱) اَخلاق العلماء، از آجری، (۶۹)۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبد البر، (۱/۲۷)۔

(۳) مسند احمد، (۳/۱۵۷)، اور امام ہیثمی فرماتے ہیں: ''اس میں رشدین بن سعد نامی راوی ہے، اس کی حجیت ==

روئے زمین پر علماء کی مثال آسمان کے ستاروں جیسی ہے، جن سے خشکی وتری کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے، جب ستارے بے نور ہوجائیں گے تو قریب ہے کہ رہنمائی لینے والے راہ بھٹک جائیں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے علماء کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے، اور ستاروں کے کئی فوائد ہیں، جن میں سے حسب ذیل تین فوائد اللہ نے قرآن میں ذکر فرمائے ہیں:

پہلا فائدہ: یہ ہے کہ ستارے نشانات راہ ہیں، جن سے لوگ تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾﴾ [النحل:۱۶]۔

اور بھی بہت سی نشانیاں مقرر فرمائیں۔ اور ستاروں سے بھی لوگ راہ حاصل کرتے ہیں

دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ ستارے آسمان کی زینت ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ [الملک:۵]۔

بیشک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا۔

تیسرا فائدہ: یہ ہے کہ ستارے ان شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ ہیں جو آسمان سے باتیں چُراتے ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ﴾ [الملک:۵]۔

اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنادیا۔

علماء کرام میں بھی یہ تینوں خوبیاں پائی جاتی ہیں، چنانچہ:

=== مختلف فیہ ہے، اور انس رضی اللہ عنہ کا شاگرد ابوحفص مجہول ہے"، بہرکیف حدیث کی سند میں جو بھی کلام ہو، اس کا معنیٰ صحیح ہے۔

- علماء ہدایت دہندہ ہیں جن سے لوگ تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں، جب حق باطل گڈ مڈ ہو جاتے ہیں۔
- علماء اس روئے زمین کی زینت ہیں۔
- علماء شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ ہیں، جو حق و باطل کو گڈ مڈ کرتے ہیں اور دین میں بدعات، خواہشات نفسانی اور گمراہیاں داخل کرتے ہیں جن کا اسلام سے کوئی سروکار نہیں [۱]۔

❁ ❁ ❁

عالم کی مثال پانی اور بارش جیسی ہے، جن دونوں سے لوگوں کی نفع یابی کی کوئی حد نہیں، امام میمون بن مہران فرماتے ہیں:

''شہر و ملک میں عالم کی مثال ایک شیریں چشمے جیسی ہے'' [۲]۔

اور بعض حکماء فرماتے ہیں:

''علماء کی مثال پانی جیسی ہے، جہاں بھی پہنچتے ہیں نفع پہنچاتے ہیں'' [۳]۔

لوگوں کے پاس علماء کا سرے سے کوئی عوض (بدیل) نہیں، مگر اسی شرط کے ساتھ کہ ان کے پاس آفتاب اور عافیت کا کوئی عوض ہو۔

امام عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہم اللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے پوچھا: ابا! شافعی کون سے آدمی تھے، کیونکہ میں نے آپ کو ان کے لئے بکثرت دعا کرتے ہوئے سنا ہے؟

انہوں نے فرمایا: ''بیٹے! شافعی دنیا کے لئے آفتاب اور لوگوں کے لئے عافیت کی مانند تھے،

---

(۱) دیکھئے: شرح حدیث ابی الدرداء فی طلب العلم، ص (۱۶)۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبدالبر، (۱/ ۵۴)۔

(۳) جامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبدالبر، (۱/ ۶۰)۔

بھلا ان دونوں چیزوں کا کوئی جانشین یا بدیل ہو سکتا ہے؟''[1]۔

جب یہ عظیم قاعدہ طے اور ثابت شدہ ہے: کہ شریعت میں علماء کا اعتبار ہے، اور انہیں وہ مقام حاصل ہے جو دیگر لوگوں کو حاصل نہیں، تو اس سلسلہ میں چند ملاحظات پر تنبیہ کرنا ضروری ہے:

پہلا ملاحظہ:

یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ علماء کا اعتبار ہے: تو اس کا معنیٰ ان کی ذات اور شخصیتوں کی تقدیس و پارسائی نہیں ہے، ورنہ ہم بنی اسرائیل کی طرح ہو جائیں گے:

﴿ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَـٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾﴾ [التوبہ: ۳۱]۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ: ''**يَا عَدِيُّ اطْرَحْ عَنْكَ هَذَا الْوَثَنَ**''، وَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ: ﴿ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ﴾ [التوبہ: ۳۱]، قَالَ: ''**أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ، وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا**

(۱) اسے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۱۰/ ۴۵) میں ذکر کیا ہے، اور سیر کے محقق نے اسے تاریخ ابن عساکر (۱۴/ ۲۱۵/ ۱) کی طرف منسوب کیا ہے۔

لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ، وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ"[1]۔

عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عدی! اپنے گلے سے یہ بت نکال پھینکو"، اور میں نے آپ ﷺ کو یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے سنا: ترجمہ (ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا)، پھر آپ نے فرمایا: "بیشک وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ ان کے لئے کسی چیز کو حلال ٹھہراتے تھے تو وہ اُسے حلال سمجھتے تھے، اور جب ان پر کوئی چیز حرام کر دیتے تھے تو وہ اسے حرام سمجھتے تھے"۔

ابو العالیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: بنی اسرائیل کے یہاں ربوبیت کیسے تھی؟ تو انہوں نے فرمایا: "اُن میں ربوبیت اس طرح تھی کہ اُنہوں نے اپنے پاس اللہ کی کتاب میں اوامر ونواہی موجود ہونے کے باوصف کہا کہ ہم اپنے علماء سے آگے نہیں جاسکتے، وہ ہمیں جن باتوں کا حکم دیں گے ہم انہیں انجام دیں گے اور جن باتوں سے ہمیں منع کریں گے ہم ان کے کہنے سے باز رہیں گے!! چنانچہ انہوں نے لوگوں کو خیر خواہ سمجھا اور اللہ کی کتاب کو پس

---

(۱) جامع ترمذی، کتاب التفسیر القرآن، باب ومن سورۃ التوبۃ، حدیث (۳۰۹۵)، وابن جریر، (۱۰ / ۸۰-۸۱)، وسنن کبری بیہقی، کتاب آداب القاضی، (۱۰ / ۱۱۶)، امام ترمذی فرماتے ہیں: "یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف عبد السلام بن حرب اور غطیف بن اعین کی حدیث سے جانتے ہیں"، اور اس حدیث کو امام دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب (۸ / ۲۵۱) میں نقل کیا ہے، حدیث کی ایک موقوف روایت بھی ہے جس سے اسے قوت مل سکتی ہے اُسے ابن جریر (۱۰ / ۸۱) اور بیہقی نے (۱۰ / ۱۱۶) نے روایت کیا ہے، دیکھئے: حاشیہ جامع الاصول، از عبد القادر ارناؤوط، (۲ / ۱۶۱)۔ [علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو مجموع طرق کی بنیاد پر حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: السلسلۃ الصحیحۃ، (۷ / ۸۶۱) حدیث (۳۲۹۳)، وسنن ترمذی، حدیث (۳۰۹۵)، (مترجم)]۔

پشت ڈال دیا"(1)۔

بلکہ ہمارے یہاں علماء کی اطاعت اور ہماری شریعت میں علماء کا اعتبار بذات خود مقصود نہیں ہے، بلکہ اُن کے یہاں اللہ عزوجل کی بابت اور اللہ کی جانب سے آئی ہوئی باتوں کے علم کا اعتبار ہے۔

اور عام آدمی کا اُن سے سوال کرنا دراصل اُن کی ذاتی رائے یا شخصی حکم کا سوال نہیں ہے، بلکہ جو کچھ وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کا منشا سمجھتے ہیں وہ پوچھنا مقصود ہے، اور اگر کوئی عام انسان جسے اللہ کے حکم کا علم نہ ہو دینی وعلمی طور پر کسی قابل اعتماد عالم کا فتوی لے لے تو وہ اللہ عزوجل کے یہاں معذور ہے، خواہ اس عالم کا اجتہاد غلط کیوں نہ ہو، کیونکہ متبعین حق کو جس بات کا حکم دیا جاتا ہے کر گزرتے ہیں؛ جیسے نیک نیتی، اجتہاد کی قدرت ہو تو اجتہاد، اجتہاد کی قدرت نہ ہو تو علم والوں سے پوچھنا، پھر جو بات صحیح لگے اُس کے مطابق عمل کرنا، جبکہ ہوا پرستوں کا رویہ ان کے برعکس ہوتا ہے، کیونکہ:

﴿إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَمَا تَهْوَى ٱلْأَنفُسُ﴾ [النجم:۲۳]۔

یہ لوگ تو صرف اٹکل کے اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

اور اٹکل پچو اور نفسانی خواہشات سے جو باتیں کہتے ہیں ایسے یقین واعتماد سے کہتے ہیں جس میں لاعلمی کے باوجود خلاف ورزی کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی، چنانچہ ایسے عقیدے رکھتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا، ایسا قصد وارادہ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا، اور ایسا اجتہاد کرتے ہیں جس کی انہیں اجازت نہیں، اور ایسا کرکے وہ بدعمل اور اللہ کے

---

(۱) اسے امام ابن جریر طبری نے جامع البیان عن تاویل آی القرآن میں روایت کیا ہے، (۱۰/ ۱۱۵)، نیز دیکھئے: مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، (۷/ ۶۷)۔

عذاب کے دو چار ہونے والے ہیں"[1]۔

اس مسئلہ میں لوگ (افراط وتفریط کے) دو جوانب اور اعتدال کے درمیان ہیں:

- ایک جانب وہ لوگ ہیں جو "اسلام کہنوتی (یعنی اہل کتاب کے درویشوں اور پادریوں والا) دین نہیں ہے"، "اسلام میں کسی تقدیس و پارسائی نہیں ہے" جیسے ملمع ساز نعروں کی آڑ میں علماء کے مقام کی تنقیص وتوہین اور ان کی ناقدری کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں خوارج کی مشابہت ہے، جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے نمایاں اور کبار علماء صحابہ کی باتوں پر کان نہ دھرا۔

- اور دوسرا جانب ان لوگوں کا ہے جو علماء کا اتنا تقدس سمجھتے ہیں، کہ ان سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کرتے کہ کیا کریں، ان لوگوں میں اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی مشابہت ہے، اور ان روافض کی بھی مشابہت ہے، جو اپنے اماموں کو وہ مقام دیتے ہیں جہاں کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا۔

- اللہ تعالیٰ نے اہل حق کو معتدل موقف کی توفیق بخشی، چنانچہ انہوں نے اہل علم کے مقام کی حفاظت کی، انہوں نے جانا کہ علماء اللہ عزوجل کے حکم کی رہنمائی کرنے والے ہیں، اُن کی ذاتوں میں کوئی قداست و پارسائی ہے، نہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں، اُن کی اطاعت محض اس اعتبار سے واجب ہے کہ وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا راستہ اور سبب وذریعہ ہیں۔

اسی لئے سلف صالحین رحمہم اللہ افراد کو حق کے ذریعہ پہچانتے تھے، اور اہل بدعت وخواہشات حق کو افراد کے ذریعہ پہچانتے ہیں۔

---

(۱) دیکھئے: مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، (۲۹ / ۴۳)۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بہرکیف کسی بھی عالم کی پیروی اسی اعتبار سے کی جاتی ہے کہ وہ شریعت کی طرف متوجہ، اس کی دلیل وحجت پر قائم اور اجمالی وتفصیلی طور پر اُس کے احکام سے فیصلہ کرنے والا ہے، چنانچہ جب بھی وہ شریعت کے کسی جزئی یا فرعی مسئلہ میں بھی اُس کے علاوہ دوسری طرف متوجہ ہوگا، شریعت سے فیصلہ کرنے والا نہ ہوگا، نہ شریعت کے رخ سے مائل ہونے والے کسی مسئلہ میں کسی بھی طرح اُس کا قابل اقتداء ہونا درست ہوگا''[1]۔

امت کے علماء وائمہ اسی منہج پر قائم رہے ہیں، چنانچہ سبھوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اُس کی پیروی اسی شرط پر کی جائے کہ وہ بس شریعت سے فیصلہ کرنے والا ہو، اس کے علاوہ سے نہیں، اور جب ظاہر ہو کہ شریعت کے برخلاف سے فیصلہ کرنے والا ہے تو اس کی اطاعت نہیں ہوگی[2]۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي''[3]۔

جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخْطِئُ وَأُصِيبُ، فَانْظُرُوا فِي رَأْيِي، فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ

---

(۱) الاعتصام، از امام شاطبی، (۲/ ۸۶۰)۔

(۲) دیکھئے: الاعتصام، از امام شاطبی، (۲/ ۸۶۲)۔

(۳) دیکھئے: الانتقاء من فضائل الثلاثۃ الأئمۃ الفقہاء، ص (۱۴۵)، و إعلام الموقعین، از امام ابن القیم، (۲/ ۳۰۹)، و ابن عابدین، حاشیہ (۶/ ۲۹۳)، وصفۃ صلاۃ النبی ﷺ، از علامہ البانی ص (۴۶)۔

وَالسُّنَّةَ فَخُذُوا بِهِ، وَكُلُّ مَا لَمْ يُوَافِقِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاتْرُكُوهُ"[1]۔

میں محض ایک انسان ہوں مجھ سے غلطی بھی ہوتی ہے اور درستی بھی، لہٰذا میری رائے پر غور کرلیا کرو، جو کتاب وسنت کے موافق ہو اسے لے لو اور جو کتاب وسنت کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي"[2]۔

جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

"مَا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَتَذْهَبُ عَلَيْهِ سُنَّةٌ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَتَعْزُبُ عَنْهُ، فَمَهْمَا قُلْتُ مِنْ قَوْلٍ أَوْ أَصَّلْتُ مِنْ أَصْلٍ فِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خِلَافُ مَا قُلْتُ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَهُوَ قَوْلِي"[3]۔

ہر شخص سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی نہ کوئی سنت اوجھل رہ جاتی ہے، لہٰذا میں کوئی بات کہوں یا کوئی اصول بناؤں، اور اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس کے خلاف کوئی بات منقول ہو تو حقیقی بات رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور میں بھی اسی کا قائل ہوں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبد البر، (۲/ ۳۲)۔

(۲) دیکھئے: المجموع شرح المہذب، از امام نووی، (۱/ ۶۳)، والمیزان، از شعرانی، (۱/ ۵۷)، وصفۃ صلاۃ النبی ﷺ، از علامہ البانی ص (۵۰)۔

(۳) دیکھئے: إعلام الموقعین، از ابن القیم، (۲/ ۳۶۳-۳۶۴)۔

”رَأْيُ الأَوْزَاعِي، وَرَأْيُ مَالِكٍ، وَرَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ كُلُّهُ رَأْيٌ وَهُوَ عِنْدِي سَوَاءٌ، وَإِنَّمَا الحُجَّةُ فِي الآثَارِ“[1]۔

”امام اوزاعی کی رائے، امام مالک کی رائے اور امام ابوحنیفہ کی رائے، سب رائیں ہیں، اور میرے نزدیک سب یکساں ہیں، حجت ودلیل تو آثار واحادیث میں ہے“۔

”علماء کہتے ہیں: یہ تمام لوگوں کی زبان حال ہے، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ جو بھی باتیں کہتے ہیں اسی تحقیق وجستجو میں کہتے ہیں کہ وہ فیصلہ کن شریعت کے مطابق ہو، اب اگر ایسا ہوا تو بہت اچھا، اور اگر نہیں' تو وہ بات شریعت کی طرف منسوب ہوگی، نہ ہی وہ اس بات سے راضی ہیں کہ اُن کی جانب شریعت کی مخالفت منسوب کی جائے“[2]۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ مجتہدین کے مختلف اقوال پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”رہا تاویل کردہ حکم (اجتہادی حکم) تو وہ مجتہدین کے مختلف اقوال ہیں جن کی اتباع واجب نہیں، نہ ہی اس کی مخالفت کرنے والا کافر یا فاسق ہوگا، کیونکہ ان کے قائلین نے یہ نہیں کہا کہ: یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم وفیصلہ ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ: ہم نے اپنی رائے سے اجتہاد کیا ہے، لہٰذا جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے، اُمت کو اس کا پابند نہیں کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ میری رائے ہے، جو میرے پاس اس سے بہتر رائے لائے گا ہم اُسے قبول کرلیں گے۔ اگر وہ عین اللہ کا حکم ہوتا تو امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ اور دیگر لوگوں کے لئے اس میں اُن کی مخالفت روا نہ ہوتی۔

---

(۱) اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۲/ ۱۴۹)۔

(۲) الاعتصام، از امام شاطبی، (۲/ ۸۶۲)۔

اسی طرح خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے موطا کے مسائل کو لوگوں پر نافذ کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا، تو انہوں نے اس سے منع کر دیا، اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف ملکوں میں پھیل چکے ہیں اور تمام لوگوں کے پاس کچھ ایسا علم ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اپنے شاگردان کو اپنی تقلید سے منع کرتے تھے اور انہیں حدیث کے خلاف اپنا قول چھوڑ دینے کی وصیت کیا کرتے تھے۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ اپنے فتاوؤں کے لکھنے اور جمع کرنے والوں پر نکیر کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے: نہ میری تقلید کرو نہ فلاں کی، بلکہ مسائل وہیں سے لو جہاں سے انہوں نے لیا ہے، اگر وہ اپنے اقوال کی اتباع واجب سمجھتے تو اپنے شاگردان پر اس کی خلاف ورزی حرام قرار دیتے، اور ان کے شاگردان کے لئے کسی بھی مسئلہ میں ان کے قول کے خلاف فتویٰ دینا جائز نہ ہوتا، نہ ان میں سے کوئی شخص کوئی بات کہہ کر پھر اس کے خلاف فتویٰ دیتا کہ اس سے ایک ہی مسئلہ میں دو، تین اور اس سے زیادہ اقوال مروی ہوں، لہٰذا رائے اور اجتہاد کی سب سے بہتر حالت یہ ہے کہ محض اس کی اتباع جائز ہے، جبکہ اللہ کے منزل حکم وفیصلہ کی مخالفت کرنا اور اس سے نکلنا مسلمان کے لئے کسی طرح روا اور جائز نہیں،،[1]۔

ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''افراد کو اس جانب توجہ کئے بغیر کہ وہ شریعت کے مطلوبہ شرعی حکم کے وسائل وذرائع ہیں، فیصل قرار دینا ضلالت وگمراہی ہے۔۔۔ اور یہ کہ قطعی حجت اور حاکم اعلیٰ شریعت ہی ہے' اس کے علاوہ کچھ نہیں،،[2]۔

---

(۱) کتاب الروح ص (۲۷۶-۲۷۷)۔

(۲) الاعتصام، از امام شاطبی، (۲/۳۵۵)۔

دوسرا ملاحظہ:

یہ ہے کہ جب علماء کا اعتبار شرعی ہے اور شریعت اسلامیہ مکمل شریعت ہے جو پوری زندگی کی انتظام کار ہے، تو علماء کا اعتبار بھی کلی اعتبار ہے، لہٰذا علماء کی اطاعت اسلام کے تمام تر گوشوں میں واجب ہے۔

اور زندگی کے گوشوں مثلاً اقتصاد، سیاست، طب اور جہاد وغیرہ کے متخصصین و ماہرین پر واجب ہے کہ اپنے تخصصات کی واقعی صورتحال کی وضاحت کے ذریعہ اُن کی خدمت کریں، تاکہ علماء واقعی صورت احوال پر شرعی حکم کی تطبیق دے سکیں۔

بعض لوگ، بلکہ بعض خیر و بھلائی سے منسوب حضرات آج کل زندگی کے بعض گوشوں میں علماء کا مقام و مرتبہ اور ان کی اطاعت کا اعتبار کرتے ہیں؛ جبکہ ان کا خیال ہے کہ کچھ دوسرے گوشے ہیں جن میں علماء کا کوئی اعتبار نہیں ہے، بلکہ اُن میں ان کے علاوہ مفکرین، یا سیاست کاروں، یا دعاۃ یا جماعتوں کے قائدین یا دیگر لوگوں کا اعتبار ہے۔

واقعی میں نے ان میں سے کسی کو دیکھا کہ موجودہ دور کے بعض علماء اور حکام کے اعیان کو کافر قرار دینے میں ایک ایسے شخص کی رائے کو بنیاد بناتا تھا جو شخصیت اور قدر و منزلت کے اعتبار سے بالکل مجہول تھا۔

چنانچہ میں نے اس سے پوچھا: ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر تمہیں پاکی، یا نماز یا زکاۃ کا کوئی مسئلہ در پیش ہو تو، کیا تم اس شخص کا فتویٰ قبول کروگے؟

اس نے جواب دیا: نہیں!

میں نے پوچھا: پھر تم کس کا فتویٰ قبول کروگے؟

اس نے کہا: علماء کا!

میں نے پوچھا: -اور اس پر میرا تعجب ختم نہیں ہو رہا تھا- بھلا تم طہارت جیسے فروعی مسائل میں اُس کا فتویٰ رد کر دیتے ہو، اس میں اسے فتوی دہی کا اہل نہیں سمجھتے، اور دین کے عظیم ترین مسائل میں سے ایک مسئلۂ اورامت کی تاریخ کے سلسلہ میں اس کا فتویٰ قبول کرتے ہو، ایک ایسا مسئلہ جو ایک جہت سے تکفیر سے متعلق ہے، اور تکفیر بڑا خطرناک اور سنگین امر ہے، واضح دلیل و برہان کی بنیاد پر ہی اسے انجام دیا جانا چاہئے، اور دوسری جہت سے امامت سے متعلق ہے، اور امامت جیسا کہ علامہ شہرستانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امت کے درمیان سب سے بڑا اختلاف امامت کا تھا، کیونکہ اسلام میں کسی دینی قاعدہ کی بابت اس قدر تلوار نہیں سونتی گئی جتنا ہر دور میں امامت کے مسئلہ میں سونتی گئی''[1]۔

یہ رائے جس پر بعض لوگ چل رہے ہیں محض الٹی بات اور تناقض ہے جس کی مثال علمانیوں (دنیا پرستوں) کے کردار کے سوا کچھ نہیں، جو زندگی کے پہلوؤں میں سے کسی پہلو میں دین کو جدا کر دیتے ہیں۔

تیسرا ملاحظہ:

یہ ہے کہ جب علماء کا اعتبار شریعت کے ذریعہ آیا ہے تو اس اعتبار کے ختم کرنے کا اختیار بھی شریعت ہی کو ہے، چنانچہ اگر عالم کوئی ایسا عمل کرے یا کوئی ایسی بات کہے جو اس کے دین کو تباہ کر دے، اور اسے امت کی امامت و پیشوائی اور علمی رہنمائی کے سلسلہ میں نااہل قرار دے، تو اُس سے اس کی اطاعت اور بات ماننے کا اعتبار ختم کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر اس عالم کے اعتبار کا اٹھایا جانا لوگوں کے اُس کی رائے کو ناپسند کرنے، یا معزول کرنے،

---

(۱) الملل والنحل، (۱/۲۱-۲۲)۔

یا اس کے ہمجولیوں کے اس سے حسد کرنے کے سبب ہو' تو یہ چیز اس کا اعتبار ختم کرنے والی نہ ہوگی، ورنہ ہمیں امام احمد بن حنبل، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہم اللہ کا اعتبار بھی ختم کرنا پڑے گا، جو ایسے حالات وظروف اور وقتوں سے گزرے ہیں جن میں لوگوں نے ان کی رائے کا اعتبار نہیں کیا تھا، یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نصرت وتائید سے نوازا۔

چوتھا ملاحظہ:

یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء کا اعتبار ایک سماجی مجبوری ہے' بایں طور کہ سماجی صورتحال ہی نے ان کی براجمانی فرض کی ہے، اس سلسلہ میں اُن کی مثال: اصحاب حیثیت وجاہت، سرداران اور تاجروں وغیرہ جیسی ہے، لوگ جن کی رائے کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن اس اعتبار کو سماجی واقع حال نے فرض کیا ہے۔

اور ان کا خیال ہے کہ اعتبار کے سچے حقدار: بعض دعاۃ یا مفکرین وغیرہ ہیں۔

جبکہ حق بات' جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں' یہ ہے کہ علماء کے اعتبار کی حیثیت شرعی ہے' جس کی وضاحت کے سلسلہ میں بکثرت نصوص ہیں۔

پانچواں ملاحظہ:

یہ ہے کہ علماء سے لینا اور حاصل کرنا محض علم اور علمی مسائل تک محدود نہیں ہے' بلکہ اُن سے ظاہری طور طریقہ، وضع قطع، وقار اور عملی تطبیق بھی حاصل کی جائے گی، اور یہ چیز اُن کے ساتھ پیہم وابستگی اور مستقل ہم نشینی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا:

''سلف صالحین جیسے علم حاصل کرتے تھے ویسے طور طریقہ بھی سیکھتے تھے''[1]۔

نیز فرماتے ہیں: کہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے ایک شخص کو بھیجا، تاکہ وہ قاسم (یعنی قاسم بن محمد رحمہ اللہ) کا طور طریقہ اور ان کی حالت وکیفیت دیکھے''[1]۔

چھٹا ملاحظہ:

یہ ہے کہ علماء کا اعتبار اس وقت مزید قوی اور ٹھوس ہوجاتا ہے، جب کوئی بات اُن کے درمیان متفق علیہ ہوجائے، بلکہ یہ اتفاق، جو اہل علم کے یہاں ''اجماع'' سے معروف ہے، حجت اور اصول شریعت میں سے ایک اصول بن جاتا ہے۔

اور اہل علم کی تعریف کے مطابق:

''کسی پیش آمدہ مسئلہ کے حکم پر کسی زمانہ میں امت محمدیہ ﷺ کے ارباب حل وعقد کے مجموعہ کا اتفاق کرلینا''[2] اجماع کہلاتا ہے۔

اجماع کی حجیت پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں:

کتاب اللہ کے دلائل:

۱۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ ٱلرَّسُولَ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ٱلۡهُدَىٰ وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيلِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ نُوَلِّهِۦ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصۡلِهِۦ جَهَنَّمَۖ وَسَآءَتۡ مَصِيرًا ١١٥﴾ [النساء:۱۱۵]۔

جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہوجانے کے بھی رسول (ﷺ) کا خلاف

---

(۱) اسے خطیب بغدادی نے ''الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع'' میں روایت کیا ہے، ص(۷۹)۔

(۲) الاحکام فی أصول الأحکام، از امام آمدی، (۱/ ۱۹۶)۔

کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کردیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

یہ آیت کریمہ اجماع کی حجیت کے مشہورترین دلائل میں سے ہے، اس سے ائمہ کرام جیسے عمر بن عبدالعزیز اور امام مالک وغیرہ رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے (۱)۔

آیت کریمہ سے وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی راہ کے علاوہ کی پیروی کرنے پر وعید سنائی ہے، اگر وہ حرام نہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اس پر وعید نہ سناتا (۲)۔

۲۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [البقرۃ: ۱۴۳]۔

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تم پر گواہ ہو جائیں۔

اس آیت کریمہ سے وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عادل قرار دیا ہے، اور ان کے اقوال کی قبولیت میں انہیں لوگوں پر حجت بنایا ہے، اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم پر حجت بنایا ہے، اور اجماع کے حجت ہونے کا معنیٰ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کے اقوال دوسرے لوگوں کے خلاف حجت ہیں (۳)۔

۳۔ ارشاد باری ہے:

---

(۱) دیکھئے: الفقیہ والمتفقہ، از خطیب بغدادی، (۱/ ۱۷۳)، ومجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۱۹/ ۱۷۸-۱۷۹)۔

(۲) دیکھئے: الاحکام فی أصول الأحکام، از امام آمدی، (۱/ ۲۰۰)۔

(۳) دیکھئے: الاحکام فی أصول الأحکام، از امام آمدی، (۱/ ۲۱۲)۔

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ [آل عمران:١١٠]۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

ان کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں جن سے اہل سنت و جماعت نے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے، وہ چند عمومی دلائل ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ [آل عمران:١٠٣]۔

اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو۔

نیز ارشاد باری ہے:

﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾﴾ [الأعراف:١٨١]۔

اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کے موافق ہدایت کرتی ہے اور اس کے موافق انصاف بھی کرتی ہے۔

یہ آیتیں جیسا کہ امام غزالی فرماتے ہیں:

"ظاہری عموم میں جو مقصود پر بصراحت دلالت نہیں کرتے" (۱)۔

البتہ اجماع کی حجیت کی صریح دلیلیں سنت کے نصوص میں ہیں، چند حسب ذیل ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَجْمَعَ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ، وَيَدُ اللَّهِ مَعَ الجَمَاعَةِ، وَمَنْ

---

(۱) المستصفی ص (۱/ ۱۷۵)۔

شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ"[۱]۔

اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرسکتا، اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے، اور جو جماعت سے الگ ہوگا، جہنم میں الگ تھلگ ہوجائے گا۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مَنْ فَارَقَ الجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً"[۲]۔

جو ایک بالشت برابر جماعت سے جدا ہو اور مرجائے، وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ"[۳]۔

میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، انہیں بے سہارا چھوڑنے والے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا۔

---

(۱) سنن ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، (۳/۳۱۵)، حدیث (۲۲۵۵)، وابن ابی عاصم، حدیث (۸۰)، وشرح اصول اعتقاد اھل السنۃ، از لالکائی، (۱/۱۰۶)، ومستدرک حاکم، (۱/۱۱۵-۱۱۶)، اور امام ترمذی فرماتے ہیں: "یہ حدیث اس سند سے غریب ہے"، اور اس کی سند میں سلیمان بن سفیان ہے، جو ضعیف ہے جیسا کہ تقریب التہذیب میں ہے، (۲۵۱)، اور اسے امام طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے، ان دونوں میں سے ایک سند کے راویان صحیح کے ہیں، سوائے مرزوق مولی آل طلحہ کے، اور وہ بھی ثقہ ہے، جیسا کہ امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں فرمایا ہے، (۵/۲۱۸)۔ اور علامہ البانی طبرانی کی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: "اس کی سند صحیح ہے"، دیکھئے: ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ، (۱/۴۰)، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اس کی ایک شاہد بھی ہے جسے امام ترمذی نے اپنی سنن ذکر کیا ہے، (۳/۳۱۶)۔

(۲) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۳) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

۴۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الجَنَّةِ فَلْيَلْزَمُ الجَمَاعَةَ"[1]۔

جسے جنت کے درمیانی اور سب سے بہتر درجہ کی خواہش ہو وہ جماعت کو لازم پکڑے رہے۔

یہ تمام حدیثیں ظاہر و باہر اور مقبول ہیں، ان کے مجموعہ سے ہمیں امت کے غلطی سے معصوم ہونے کا قطعی و یقینی علم حاصل ہوتا ہے، گرچہ کہ علیحدہ طور پر متواتر نہیں ہیں۔

جب علماء کے اجماع کا شریعت میں اس قدر مقام ہے، تو امت میں معتبر لوگوں کی بہت بڑی تعداد کے اجتہاد کی درستی بلاشبہ یقینی ہے، کیونکہ جماعت کا اجتہاد فرد کے اجتہاد سے پختہ اور قوی تر ہوتا ہے۔ اور اس اجتماعی اجتہاد کی صورت ہمارے اس دور میں فقہ کونسل اور کبار علماء کمیٹیوں وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہے۔

(۱) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

دوسری فصل:

علماء کے ساتھ برتاؤ کے اصول وضوابط

پہلا مبحث : علماء سے دوستی اور محبت۔

دوسرا مبحث : علماء کا احترام اور ان کی عزت وتکریم۔

تیسرا مبحث : علماء سے علم کا حصول اور ان سے گہری وابستگی۔

چوتھا مبحث : علماء کے مراتب و درجات کی رعایت۔

پانچواں مبحث : علماء کی برائی اور عیب جوئی سے بچنا۔

چھٹا مبحث : بلا دلیل علماء کو خطا کار اور غلط ٹھہرانے سے اجتناب۔

ساتواں مبحث : علماء کے لئے عذر تلاش کرنا۔

آٹھواں مبحث : علماء سے رجوع کرنا اور ان کی رائے سے کوئی بات کہنا، بالخصوص فتنوں میں۔

نواں مبحث : ایسا کوئی نہیں جس کے بارے میں کلام نہ کیا گیا ہو، لہذا تحقیق ضروری ہے۔

دسواں مبحث : حکم لگانے میں فضائل اور نیکیوں کی کثرت کا اعتبار ہے۔

گیارہواں مبحث : علماء کی لغزشوں سے بچنا۔

بارہواں مبحث : ہم عصروں کی باہمی چشمک کو سمیٹا جائے گا بیان نہیں کیا جائے گا۔

تیرہواں مبحث : مجتہدین کی غلطیوں پر حکم لگانے میں انصاف سے کام لینا۔

چودھواں مبحث : علماء پر اعتراض کرنے میں جلد بازی سے اجتناب۔

پندرہواں مبحث : علماء پر اعتماد قائم رکھنا۔

پہلا مبحث: علماء سے دوستی اور محبت

ولاء و براء (دوستی و بے زاری): اسلام کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے، جو"لا الٰہ إلا اللہ" کی گواہی کے لوازم میں سے ہے، اس عظیم اصول کے بکثرت دلائل ہیں، یہاں تک کہ شیخ حمد بن عتیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ کی کتاب میں توحید کے وجوب اور اس کی ضد (شرک) کی تحریم کے بعد کوئی ایسا حکم نہیں جس کے دلائل اس حکم یعنی "ولاء اور براء" سے زیادہ اور واضح تر ہوں"[1]۔

بلا شبہہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اللہ واسطے محبت کے سب سے زیادہ مستحق علماء کرام ہیں:

"مسلمانوں پر اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ سے محبت و ولایت کے بعد مومنوں سے محبت کرنا واجب ہے، جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے، بالخصوص علماء کرام سے، جو انبیاء کے وارث ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ستاروں کا مقام بخشا ہے، جن سے بحر و بر کی تاریکیوں میں رہنمائی لی جاتی ہے، اور ان کے علم و ہدایت پر مسلمانوں کا اجماع ہے"[2]۔

سلف صالحین نے آدمی کے اپنے شہر کے علماء اہل سنت و متبعین سلف سے محبت کرنے کو ایک معیار و پیمانہ قرار دیا ہے، جس سے اُس کے عقیدہ و منہج کی صحت و سلامتی پر حکم لگایا جاتا ہے۔

---

(۱) سبیل النجاۃ والفکاک، ص (۳۱)۔

(۲) رفع الملام عن الأئمۃ الأعلام، از امام ابن تیمیہ، ص (۱۱)۔

امام ابن المدینی - اس لازمی سنت کے بیان کے سیاق میں جو اس میں سے کوئی بات چھوڑ دے گا، اُس کا قائل ہو گا نہ ایمان لائے گا، اہل سنت میں سے نہ ہو گا - فرماتے ہیں:

''جب تم آدمی کو دیکھو کہ اہل بصرہ میں سے ایوب سختیانی، ابن عون، یونس اور تیمی پر اعتماد کرتا ہے، ان سے محبت رکھتا ہے، ان کا اور ان کی اقتداء کا ذکر کرتا ہے، تو اس کے خیر کی امید رکھو۔ پھر ان کے بعد حماد بن سلمہ، معاذ بن معاذ اور وہب بن جریر ہیں، کیونکہ یہ حضرات اہل بدعت کے مشق ستم رہے ہیں۔

اور جب تم آدمی کو دیکھو کہ اہل کوفہ میں سے طلحہ بن مصرف، ابن ابجر، ابوحیان تیمی، مالک بن مغول، سفیان بن سعید ثوری اور زائدہ پر اعتماد کرتا ہے تو اس کے خیر کی امید رکھو۔

اور ان کے بعد عبداللہ بن ادریس، محمد بن عبید، ابن ابی عتبہ اور محاربی ہیں، تو اس کے خیر کی امید رکھو''[1]۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''سابقین (صحابہ) اور ان کے بعد تابعین میں سے اہل خیر واثر اور اہل فقہ ونظر کا ذکر خیر کیا جائے گا، جو ان کا ذکر برائی کے ساتھ کرے گا، وہ راہ راست سے ہٹا ہو گا''[2]۔

البتہ علماء سے دوستی ومحبت کا معنیٰ یہ نہیں کہ عالم کو دوستی و بیزاری کا محور ومعیار بنالیا جائے، چنانچہ طالب علم اپنے شیخ کی تائید کرے، اُس کے اقوال وآراء کے لئے تعصب برتے، اور اُنہی کو حق قرار دے کر اسی کی بنیاد پر کسی سے محبت اور اُس سے دشمنی رکھنے والے سے دشمنی رکھے؛ کیونکہ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لئے نہیں ہو سکتی۔

---

(۱) شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، از امام لالکائی، (۱/۱۷۱)۔

(۲) شرح العقیدة الطحاویة، (۲/۷۴۰)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو کسی شخص کو' خواہ کوئی بھی ہو، متعین کر کے قول وفعل میں اس کی موافقت کی بنیاد پر دوستی ودشمنی کرے، وہ:

﴿مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا﴾ [الروم: ۳۲، والانعام: ۱۵۹]۔

اُن لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر لئے اور گروہ گروہ ہو گئے۔

اگر آدمی مومنوں میں سے کچھ لوگوں کے طریقہ پر علم وادب سیکھے، جیسے ائمہ ومشائخ کے متبعین، تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اپنے امام اور ساتھیوں ہی کو اپنا معیار اور پیمانہ بنالے، چنانچہ اُن کی موافقت کرنے والوں سے دوستی اور مخالفت کرنے والوں سے دشمنی رکھے، بلکہ انسان کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اپنے دل میں پوشیدہ تفقہ اور اس پر عمل کرنے کا عادی بنائے، کیونکہ یہ تنبیہ کرنے والی چیز ہے۔

اور دلوں میں پوشیدہ اسرار آزمائشوں کے وقت ظاہر ہوتے ہیں، کسی کے لئے جائز نہیں کہ کسی بات کی اس بنیاد پر دعوت دے، یا اس کا عقیدہ رکھے کہ وہ اس کے ہم خیالوں کا قول ہے، اور نہ اس کے لئے لڑے اور چیلنج کرے، بلکہ ایسا اس لئے کرے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کردہ باتوں میں سے ہے، یا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کی خبر دی ہے، کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے''[1]۔

بلکہ مسلمان کے لئے یہ بھی روا نہیں کہ علماء میں سے کسی کے ساتھ خصوصی طور پر اضافی محبت وولایت رکھے، مگر اُس کے ایمان، تقویٰ اور علم کے مطابق، یا اس لئے کہ اُس نے اس کے

(۱) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۲۰/ ۸-۹)۔

ساتھ نیکی کا معاملہ کیا ہے: مثلاً اُسے تعلیم دی ہے، یا کسی قسم کی توجیہ و رہنمائی کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی کے لئے جائز نہیں کہ کسی شیخ سے نسبت کرکے' اُس کی موافقت پر دوستی اور مخالفت پر دشمنی کرے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایمان والے اور تمام مشائخ وغیرہ میں تقویٰ سے معروف لوگوں سے محبت و دوستی رکھے، اور کسی سے خاص اضافی محبت و ولایت نہ رکھے، مگر اسی وقت جب اُسے اس کی بابت مزید ایمان اور تقویٰ کا علم ہو، لہٰذا جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مقدم رکھا ہے' اُسی کو مقدم رکھا جائے، اور جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فضیلت والا بنایا ہے، اُسی کو فضیلت دی جائے''[1]۔

علماء و مشائخ کا تعصب مسلمانوں کے مابین فرقہ بندی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے' کیونکہ اگر ہر گروہ یا علاقے والے کے لئے یہ تعصب جائز ہوتا تو مسلمان اپنے دین میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گروہوں میں بٹ جاتے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہوتا مگن رہتا، اہل بدعت کا اپنی بدعات اور گمراہیوں میں جا واقع ہونا چند اسباب کا نتیجہ ہی ہے: جن میں سے ایک سبب تعصب اور فرقہ واریت ہے، یہ ایسا معاملہ ہے جس سے بعض صالحین ہر دور میں غافل رہ جاتے ہیں، چنانچہ کسی عالم یا شیخ کے لئے تعصب کرتے ہیں، اور اس تعصب کو تعصب برائے حق سمجھتے ہیں۔

مسلمان پر واجب ہے کہ کتاب وسنت کے علاوہ کسی چیز کو دوستی و دشمنی کی بنیاد نہ بنائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی کے لئے جائز نہیں کہ عوام کے لئے کسی شخص کو کھڑا کرکے' اُس کے طریقہ کی دعوت

---

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، (۱۱ / ۵۱۲)۔

دے، اور اسی بنیاد پر دوستی و دشمنی کرے سوائے نبی کریم ﷺ کے، نہ ہی اُن کے لئے کوئی بات اور فرمان متعین کر کے اُس کی بنیاد پر دوستی و دشمنی رکھے سوائے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام و فرمان اور اجماع امت کے، بلکہ یہ اہل بدعت کا کام ہے جو لوگوں کے لئے کسی شخص یا بات کو متعین کر کے اس کے ذریعہ امت کے درمیان تفرقہ پیدا کرتے ہیں، اس کے ذریعہ اُس بات یا نسبت پر دوستی یا دشمنی کرتے ہیں"[1]۔

بعض علماء و مشائخ سے بعض اہل خیر کی محبت غلو کی حد تک پہنچ جاتی ہے، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب انسان محبت میں غلو اور مدح و ستائش میں اس حد تک تجاوز کر جاتا ہے کہ اپنے شیخ کی بے جا تعریف کرنے لگتا ہے، اُس کی خامیاں اور برائیاں بھی اس کے یہاں خوبیاں بن جاتی ہیں، وہ اس کی بابت کوئی برائی قطعاً قبول نہیں کرتا، جبکہ اگر وہ محبت ہوا پرستی سے خالی ہوتی تو یہ ظواہر اس میں پیش نہ آتے، اور شخصیت کی محبت منہج کی محبت پر حاوی نہ ہوتی، اس باب میں خواہش نفسانی کی راہیں بڑی باریک ہیں، معصوم بس وہی ہے جسے اللہ محفوظ فرمادے[2]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ - عدی بن مسافر کے پیروکاروں کو وصیت کرتے ہوئے- فرماتے ہیں:

"واجب یہ ہے کہ جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے آگے کیا ہے اُسے آگے کیا جائے، اور جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے پیچھے کیا ہے اُسے پیچھے کیا جائے، جو چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہو اس سے محبت کی جائے، اور جو چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو

---

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، (۲۰ / ۱۶۴)۔

(۲) دیکھئے: اتباع الھوی، از سلیمان الخفیص، ص (۴۰-۴۳)۔

مبغوض ہو اُس سے بغض رکھا جائے، جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہو اُس سے منع کیا جائے، اور جو چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہو اُسے پسند کیا جائے، اور یہ کہ مسلمان ایک ہاتھ بن جائیں (متحد ہو جائیں)"(۱)۔

لہٰذا محبت و کراہت، پسند و ناپسند، تقدیم و تاخیر اللہ کی محبت و کراہت، اس کی پسند و غضب اور اس کی تقدیم و تاخیر کے مطابق ہونی چاہیے لیکن اہل بدعت وخواہشات کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بلا علم اپنی خواہشات نفسانی کے مطابق تائید وحمایت کرتے ہیں، اسی لئے جب اہل بدعت علماء ومشائخ سے اللہ واسطے محبت کرنے کے بجائے اپنی خواہشات نفسانی کے لئے کرتے ہیں' تو ان کے علماء اُن کے خلاف ہو جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محبوب و پسندیدہ 'مکروہ و ناپسندیدہ ہو جاتا ہے' کیونکہ عالم بدعتیوں کو نہیں 'بلکہ اللہ عزوجل کو راضی کرتا ہے۔

جب عبداللہ بن سلام نے اسلام لانے کا ارادہ کیا تو نبی کریم ﷺ سے کہا:

"إِنَّ الْيَهُودَ قَوْمٌ بُهْتٌ، وَإِنَّهُمْ إِنْ يَعْلَمُوا بِإِسْلَامِي بَهَتُونِي، فَأَرْسِلْ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلْهُمْ عَنِّي، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ: "**أَيُّ رَجُلٍ فِيكُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ؟**" قَالُوا: حَبْرُنَا وَابْنُ حَبْرِنَا، وَعَالِمُنَا وَابْنُ عَالِمِنَا. قَالَ: "**أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ تُسْلِمُونَ؟**" قَالُوا: أَعَاذَهُ اللهُ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ: فَخَرَجَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، قَالُوا: شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا، وَجَاهِلُنَا وَابْنُ جَاهِلِنَا، فَقَالَ ابْنُ سَلَامٍ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلَمْ أُخْبِرْكَ أَنَّهُمْ قَوْمٌ بُهْتٌ"(۲)۔

(۱) الوصیۃ الکبری، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص (۱۱۷)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: "وإذ قال ربک للملائکۃ۔۔" (۴/ ۱۰۲)، وکتاب مناقب الانصار، ==

یہودی بڑی بہتان باز قوم ہے، اگر انہیں میرے اسلام لانے کا علم ہوگا تو مجھ پر بہتان لگائیں گے، لہٰذا آپ انہیں بلوا کر میرے بارے میں پوچھ لیں، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں بلوایا، اور پوچھا: آپ لوگوں میں عبد اللہ بن سلام کون ہیں؟ انہوں نے کہا: ہمارے بڑے عالم اور بڑے عالم کے بیٹے ہیں، ہمارے عالم اور عالم کے بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمہارا کیا خیال ہے، اگر وہ اسلام لے آئیں تو تم بھی اسلام قبول کرلو گے؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ انہیں اس سے پناہ دے، کہتے ہیں: اتنے میں عبد اللہ بن سلام باہر نکلے اور فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، یہودیوں نے کہا: ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتر کے بیٹے ہیں، ہم میں جاہل اور جاہل کے بیٹے ہیں، تو عبد اللہ بن سلام نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں نے آپ کو بتایا نہیں تھا کہ یہ بڑی بہتان باز قوم ہے۔

چنانچہ یہودی - اللہ انہیں برباد کرے - عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے خلاف عجیب پلٹ کر دوسری بات کرنے لگے، اور بہت بڑا عالم جاہل میں تبدیل ہوگیا! اور یہی حال یہودیوں کے انڈے بچے بدعتیوں کا بھی ہے۔

امام زعفرانی فرماتے ہیں: بشر مریسی نے حج کیا، جب واپس آیا تو کہنے لگا: میں نے حجاز میں ایک شخص کو دیکھا، میں نے اس جیسا سوال کرنے والا اور جواب دینے والا نہیں دیکھا، یعنی امام شافعی رحمہ اللہ۔ کہتے ہیں: چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ ہمارے یہاں آئے، تو لوگوں نے انہیں گھیر لیا، اور بشر کے پاس لوگ کم ہو گئے، میں بشر کے پاس آیا، اور اس سے

== (۴/ ۲۶۸)، وکتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ البقرۃ آیۃ: "من کان عدوا لجبریل"، (۵/ ۱۴۸-۱۴۹)، ومسند احمد، (۳/ ۱۰۸-۲۱۱)، دونوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

کہا: یہ امام شافعی رحمہ اللہ تشریف لائے ہیں، جن کا تم تذکرہ کر رہے تھے، اس نے کہا: ان کی جو حالت تھی اب بدل چکی ہے! کہتے ہیں: چنانچہ بشر کی مثال بھی ویسی ہی ہے، جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں یہودیوں کی تھی[1]۔

(۱) اسے امام ابو بکر خطیب بغدادی نے اپنی سند سے ابو بکر بن جنید سے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں روایت کیا ہے، (۲/ ۶۵)، اور سیر اعلام النبلاء کی دسویں جلد کے محقق نے اسے تاریخ ابن عساکر (۱۴/ ۴۱۲/ ۲) وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے، اور سیر اعلام النبلاء (۱۰/ ۴۴-۴۵) میں ہے۔

دوسرا مبحث:

علماء کا احترام اور ان کی عزت وتکریم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا، وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَيَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ“[1]۔

جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے، ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے، معروف (بھلائی) کا حکم نہ دے، منکر (برائی) سے منع نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ

---

(۱) مسند احمد، (۱/ ۲۷۵)، وسنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان، (۳/ ۲۱۵-۲۱۶)، حدیث (۱۹۸۶)، دونوں نے بحدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے، اور امام ترمذی کہتے ہیں کہ: یہ حدیث غریب ہے، نیز اسے امام ابن حبان نے بھی صحیح قرار دیتے ہوئے روایت کیا ہے، (۱۹۱۳)۔

اور اس حدیث کے کئی شواہد ہیں:

۱۔ مسند احمد، (۲/ ۲۰۷)، وسنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان، بروایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۲۔ امام ترمذی نے مذکورہ جگہ پر عبداللہ بن عمرو کے الفاظ کے ساتھ انس سے روایت کیا ہے، رضی اللہ عنہما۔

۳۔ مسند احمد، (۵/ ۳۲۳)، ومستدرک حاکم، (۱/ ۱۲۲)، دونوں نے بحدیث عبادہ بن صامت روایت کیا ہے، اور حدیث کو امام منذری وامام ہیثمی نے حسن قرار دیا ہے۔ [علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح الجامع، حدیث (۵۴۴۳)، نیز دیکھئے: السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث (۲۱۹۶)، (مترجم)]۔

پہچانے وہ ہم میں سے نہیں۔

علماء کی تکریم اور ان کا ادب واحترام سنت رسول ﷺ ہے۔

طاوس بن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"چار لوگوں کا ادب واحترام سنت ہے: عالم، سفید بالوں والا (عمر رسیدہ)، حاکم وسلطان، اور باپ"[۲]۔

بلکہ کسی عالم کی اس کے علم اور حفظ قرآن کے سبب عزت وتکریم کرنا اللہ عزوجل کی بڑائی وبزرگی کرنا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ"[۲]۔

بیشک سفید بالوں والے مسلمان کی عزت وتکریم، حافظ قرآن جو اس میں غلو اور بے وفائی کرنے والا نہ ہو، کی تکریم اور انصاف پرور حکمراں کی عزت وتکریم اللہ عزوجل کی تعظیم وبزرگی کا حصہ ہے۔

امت کے سلف صالحین اپنے علماء کا بڑا ادب واحترام کیا کرتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی جلالت شان اور بلند مقام ومرتبہ کے باوجود زید بن ثابت

---

(۱) اسے امام بغوی نے شرح السنۃ میں ذکر کیا ہے، (۱۳ / ۴۳)۔

(۲) سنن ابوداود، کتاب الأدب، باب فی تنزیل الناس منازلھم، حدیث (۴۸۴۳)، اور اسے امام ذہبی، نووی اور حافظ ابن حجر اور حافظ عراقی نے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: شرح السنۃ، از بغوی، (۱۳ / ۴۲)، حاشیہ، از ارناؤوط۔

انصاری رضی اللہ عنہ کی سواری کی مُہار تھامی، اور کہا:

”هٰكَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا وَكُبَرَائِنَا“[1]۔

ہمیں اپنے علماء اور بڑوں کا ایسے ہی ادب بجالانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”أَقْبَلْتُ عَلَى الْمَسْأَلَةِ وَتَتَبُّعِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنْ كُنْتُ لَآتِي الرَّجُلَ فِي الْحَدِيثِ يَبْلُغُنِي أَنَّهُ سَمِعَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَجِدُهُ قَائِلًا فَأَتَوَسَّدُ رِدَائِي عَلَى بَابِهِ تُسْفِي الرِّيحُ عَلَى وَجْهِي حَتَّى يَخْرُجَ، فَإِذَا خَرَجَ قَالَ: يَا ابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا لَكَ؟ فَأَقُولُ: حَدِيثٌ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُ بِهِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: فَهَلَّا بَعَثْتَ إِلَيَّ حَتَّى آتِيَكَ، فَأَقُولُ: أَنَا أَحَقُّ أَنْ آتِيَكَ“[2]۔

میں سوال پوچھنے (علم حاصل کرنے) اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی جستجو میں لگ گیا، چنانچہ ایسا بھی ہوتا کہ میں کسی صحابی کے پاس حدیث کے سلسلہ میں آتا، جس کی بابت مجھے پتہ چلتا کہ اس نے وہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، اور اُسے قیلولہ کرتے ہوئے پاتا، تو اپنی چادر کو تکیہ بنا کر اُس کے دروازے پر ہی لیٹ جاتا، ہوا کے جھونکوں سے میرا چہرہ گرد وغبار سے اٹ جاتا، یہاں تک کہ وہ باہر نکلتا، اور جب

(۱) مستدرک حاکم، (۳ / ۴۲۳)، اور اسے انہوں نے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، وجامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبد البر، (۱ / ۲۲۸)، والجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، (۱ / ۱۸۹)، نیز اسے حافظ ابن حجر نے شعبی کی سند سے ”الاصابۃ“ میں ذکر کیا ہے، اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، نیز حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ذکر کیا ہے، (۹ / ۳۴۵)، اور فرمایا ہے کہ: اس کے راویان صحیح کے ہیں، سوائے رزین رمانی کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ، از ابن عبد البر، (۱ / ۸۶)۔

باہر نکلتا تو حیرت سے کہتا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد، آپ کیا چاہتے ہیں؟ تو میں کہتا: مجھے ایک حدیث کی بابت پتہ چلا ہے کہ آپ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے بیان کرتے ہیں لہٰذا میری خواہش ہوئی کہ آپ سے سن لوں، تو وہ کہتا: آپ نے کسی کو بھیج کیوں نہ دیا کہ میں آپ کی خدمت میں آجاتا، تو میں کہتا: میں زیادہ حقدار ہوں کہ آپ کے پاس آؤں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خلف الاحمر سے فرمایا:

''میں آپ کے سامنے ہی بیٹھوں گا، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جس سے علم حاصل کریں اس کے سامنے تواضع برتیں''(۱)۔

اور جب امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس آئے تو اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا:

''مجھے چھوڑ یئے کہ آپ کے دونوں پاؤں کا بوسہ دوں، اے اساتذہ کے استاذ، محدثین کے سردار اور حدیث کی علتوں (بیماریوں) کے ڈاکٹر۔۔۔''(۲)۔

سلف صالحین کا اپنے علماء کا ادب واحترام اس حد تک تھا کہ وہ اُن سے ہیبت محسوس کیا کرتے تھے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کا معنیٰ پوچھنے کے لئے دو سالوں تک

---

(۱) دیکھئے: تذکرۃ السامع والمتکلم، از ابن جماعہ، (۸۸)۔

(۲) اسے امام ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں روایت کیا ہے، (۱۱/۳۴۰)۔

انتظار کرتا رہا، ان کی ہیبت مجھے اُن سے سوال کرنے سے مانع تھی،،[۱]۔

اہل علم نے عالم کی مجلس میں اُس کے ساتھ تعامل اور گفتگو کے اسلوب و آداب کے سلسلہ میں بہت گفتگو کی ہے، جو عالم و متعلم کے آداب سے متعلقہ کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہے، اس بارے میں ایک جامع ترین بات علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''عالم کا حق یہ ہے کہ اُس سے زیادہ سوال نہ کریں، جواب میں شدت نہ برتیں، جب آمادہ نہ ہو تو اصرار نہ کریں، جب اٹھے تو اس کا کپڑا نہ پکڑیں، اُس کا کوئی راز فاش نہ کریں، اُس کے پاس کسی کی غیبت نہ کریں، اگر اُس سے کوئی لغزش ہو جائے تو اُس کا عذر قبول کریں، تم پر لازم ہے کہ جب تک وہ اللہ کے حکم کی حفاظت کرے، اللہ واسطے اس کا ادب و احترام اور تعظیم کرو، اُس کے آگے نہ بیٹھو، اور اگر اُسے کسی چیز کی حاجت ہو تو اُس کی خدمت میں سب سے پیش پیش رہو،،[۲]۔

نیز فرماتے ہیں: ''تم پر عالم کا حق یہ ہے کہ اُس کے پاس آؤ تو اُسے خصوصی سلام کرو، اور بقیہ لوگوں کو عمومی سلام کرو، اُس کے سامنے بیٹھو، اپنے ہاتھوں سے اشارہ نہ کرو، اپنی کن انکھیوں سے نہ دیکھو، یہ نہ کہو کہ فلاں نے آپ کے قول کے خلاف بات کہی ہے، اُس کا کپڑا نہ پکڑو، اس سے سوال میں الحاح و اصرار نہ کرو، کیونکہ اس کی حیثیت تازہ کھجور جیسی ہے، جس سے کچھ نہ کچھ تم پر گرتا ہی رہے گا،،[۳]۔

---

(۱) اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/ ۱۱۲)۔

(۲) اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/ ۱۲۹)۔

(۳) اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/ ۱۳۶)۔

تیسرا مبحث:

علماء سے علم کا حصول اور ان سے گہری وابستگی

یقیناً علماء انبیاء کے وارث ہیں، لہٰذا جسے میراث نبوی سے کچھ پانے کی چاہت ہو اُسے چاہیے کہ علماء کی ہم نشینی اختیار کرے، اور ان سے حصول علم میں جُٹا رہے، علماء سے علم حاصل کرنے والے، علم کی راہ کے رہرو کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔

چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الجَنَّةِ"[1]۔

جو علم کی تلاش میں کوئی راستہ چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ جنت کا ایک راستہ آسان کر دے گا۔

---

(۱) مسند احمد، (۲/ ۳۲۵)، وسنن دارمی، مقدمہ، باب فی فضل العلم والعالم، (۱/ ۸۳)، وسنن ابو داود، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، (۳/ ۳۱۷)، حدیث (۳۶۴۱)، تینوں نے بحدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ملتے جلتے الفاظ میں روایت کیا ہے، وترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ، حدیث (۲۶۸۴)، وابن ماجہ، مقدمہ، باب فضل العلماء، حدیث (۲۲۳)، اور اسے امام بخاری نے کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل میں بالفاظ: "وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الجَنَّةِ" تعلیقاً ذکر فرمایا ہے، اس حدیث کے بکثرت شواہد ہیں، جسے توسع کی خواہش ہو وہ سنن دارمی (۱/ ۸۳-۸۵)، شرح السنۃ (۱۳/ ۲۸۲) اور فتح الباری (۱/ ۱۶۹) کی طرف رجوع کرے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے:

''مَنْ سَلَكَ طَرِيقَ عِلْمٍ سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ''۔

جو علم کی راہ چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہوں میں سے ایک راہ آسان کر دے گا۔

علماء سے علم لینا ہی علم کا راستہ ہے، وہی علماء بنانے کا راستہ ہے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''لوگ اس تک بھلائی میں رہیں گے، جب تک پہلا باقی رہے گا، یہاں تک کہ دوسرا سیکھ لے یا دوسرے کو سکھا دے، لہٰذا اگر سکھانے یا دوسرے کے سیکھنے سے پیشتر پہلے کی موت ہو گئی تو لوگ ہلاک ہو جائیں گے''[۱]۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کیا بات ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے علماء ختم ہوتے جا رہے ہیں، اور تمہارے جہلاء ان سے علم حاصل نہیں کر رہے ہیں، علم اٹھائے جانے سے پہلے اسے سیکھ لو، کیونکہ علماء کا ختم ہونا ہی علم کا اٹھایا جانا ہے''[۲]۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''درحقیقت کوئی عالم (بن کر) پیدا نہیں ہوتا، علم کو سیکھنا پڑتا ہے''[۳]۔

چونکہ سلف صالحین کو اس بات کا بخوبی علم تھا اس لئے وہ اہل علم سے سیکھنے کے بڑے

---

(۱) سنن دارمی، کتاب العلم، باب فی ذھاب العلم، (۱/ ۷۸)۔

(۲) سنن دارمی، کتاب العلم، باب فی ذھاب العلم، (۱/ ۷۸)۔

(۳) اسے امام ابو خیثمہ نے ''کتاب العلم'' میں روایت کیا ہے، (۲۸)۔

حریص اور جستجو مند رہا کرتے تھے۔

عبد الرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب ایک علم والا شخص اپنے سے بڑے علم والے سے ملتا تھا تو وہ اس کا متاع غنیمت ہوتا تھا، وہ اس سے سوال کرتا اور علم حاصل کرتا تھا، اور جب اپنے سے کم علم سے ملتا تھا تو اُسے سکھاتا اور متواضع ہوا کرتا تھا، اور اگر اپنے ہم مثل سے ملتا تھا تو اس کے ساتھ مذاکرہ اور علمی تبادلہ کرتا تھا''(۱)۔

میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علماء کرام ہر علاقہ میں میری متاع گمشدہ ہیں، وہ میری چاہت و آرزو ہیں یہاں تک کہ میں انہیں پالوں، میں اپنے دل کی نیکی علماء کی ہم نشینی میں پاتا ہوں''(۲)۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اور ان کے تابعین علماء کی ہم نشینی اور ان سے پیہم وابستگی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''بڑوں کے ہم نشیں بنو، علماء کو جگری دوست بناؤ اور حکماء کے ساتھ اٹھو بیٹھو''(۳)۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آدمی کا علماء کے ساتھ چلنا پھرنا، داخل ہونا اور نکلنا اُس کے علم وفقہ کی دلیل ہے''(۴)۔

---

(۱) اسے امام رامہرمزی نے ''المحدث الفاصل'' میں روایت کیا ہے، (۲۰۶)۔

(۲) اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/۴۹)۔

(۳) اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/۱۲۶)۔

(۴) اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/۱۲۷)۔

طالب علم پر واجب ہے کہ علماء کو برداشت کرے، اور جنہیں اللہ نے علم وحکمت سے نوازا ہے اُن کے لئے اپنے نفس کو صبر کا عادی بنائے۔

لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا:

''اپنے سے اونچے علم والے اور اپنے سے کم علم کے لئے اپنے آپ کو سنبھالو کیونکہ علماء میں وہی شامل ہوسکتا ہے جو ان کے لئے صبر کرے اُن سے مستقل وابستہ رہے اور دھیرے دھیرے اُن سے علم حاصل کرے''[1]۔

امام ابن ماجہ قزوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس آئے، ابھی ان کے پاس ہی تھے، کہ اتنے میں امام شافعی رحمہ اللہ اپنے خچر پر سوار ہو کر وہاں سے گزرے، تو امام احمد رحمہ اللہ تیزی سے دوڑ کر انہیں سلام کرنے لگے اور ان کے پیچھے ہو لئے، اور دیر تک نہ آئے، امام یحییٰ بن معین بیٹھے انتظار کرتے رہے، جب واپس آئے تو یحییٰ نے کہا: اے ابوعبداللہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کہا: ارے چھوڑو! اگر تمہیں علم حاصل کرنے کی چاہت ہو تو خچر کی دُم سے وابستہ ہو جاؤ''[2]۔

سلف صالحین نے طلب علم کے شوق اور اہل علم سے سیکھنے کی جستجو میں بڑی اہم اور نادر مثالیں قائم کی ہیں، جس کی شہادت ان واقعات سے ملتی ہے جنہیں امام خطیب بغدادی وغیرہ نے طلب حدیث کے لئے سفر پر گفتگو کرتے ہوئے ذکر کیا ہے، چنانچہ کوئی شخص اس غرض سے سفر کرتا تھا تاکہ رسول گرامی ﷺ کی احادیث میں سے ایک حدیث سن لے، اور

---

(۱) اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/ ۱۰۷)۔

(۲) اسے امام بیہقی نے مناقب الشافعی میں ذکر کیا ہے، (۲/ ۲۵۲) اور امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے۔

کوئی جسے بھی اپنے سے زیادہ علم والا جانتا تھا اُس سے علم حاصل کرنے اور اس کی طرف سفر کرنے کی کوشش میں لگ جاتا تھا، چنانچہ علماء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی کہتا تھا:

''وَلَوْ أَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنِّي بِكِتَابِ اللَّهِ، تُبَلِّغُهُ الإِبِلُ لَرَكِبْتُ إِلَيْهِ''(۱)۔

اگر میں کسی کو اپنے سے زیادہ کتاب اللہ کا علم والا جانتا، جس تک اونٹ پہنچا سکتے تو میں اس تک ضرور پہنچتا۔

علم شرعی ایک ایسا علم ہے جسے زبان بہ زبان حاصل کیا جاتا ہے' لہٰذا صرف کتابوں سے حاصل کرنا نفع بخش نہیں ہوسکتا، بلکہ صرف کتابوں سے علم حاصل کرنے پر اکتفا کرنا، ایک آفت ومصیبت ہے، اسی طرح نوجوانوں اور طلبہ کا کسی شیخ یا استاذ سے علم حاصل کرنے کے بجائے آپس میں پڑھنا پڑھانا بھی۔

اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جو کتابوں میں درج معلومات سے فقہ حاصل کرتا ہے' احکام ضائع کردیتا ہے''(۲)۔

اور بعض سلف کہا کرتے تھے:

''ایک بہت بڑی مصیبت صحیفہ (کتاب) کا شیخ اور استاذ بن جانا ہے''(۳)۔

یعنی: صحیفوں اور کاغذوں سے علم لینا اور حاصل کرنا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بتلایا گیا: کہ فلاں مسجد میں ایک حلقہ ہے جو آپس میں فقہی مسائل میں

---

(۱) یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من أصحاب النبی ﷺ، (۶ / ۱۰۲)۔

(۲) دیکھئے: تذکرۃ السامع، از امام ابن جماعۃ، (۸۷)۔

(۳) دیکھئے: تذکرۃ السامع، از امام ابن جماعۃ، (۸۷)۔

بحث ومذاکرہ کررہے ہیں، توانہوں نے پوچھا: کیاان کا کوئی سردار (استاذ، شیخ) ہے؟ لوگوں نے کہا: نہیں، فرمایا: وہ کبھی نہ سمجھ سکیں گے''[1]۔

اہم بات یہ ہے کہ لوگ اس بات کو سمجھیں کہ علماء کے پاس پہنچنا خود اُن کی واجبی ذمہ داری ہے، عالم کا کام نہیں کہ وہ لوگوں کے پاس آکر کہے: کہ میں عالم ہوں لہٰذا میری پیروی کرو، بلکہ لوگوں پر واجب ہے کہ جب وہ عالم کو دیکھیں تو اسے آگے کرکے اُس سے علم حاصل کریں؛ کیونکہ پوری تاریخ میں مسلمانوں کے علماء کا طریقہ رہا ہے کہ وہ فتویٰ ایک دوسرے کے حوالے کرتے رہے ہیں اور پیشوائی وبراجمانی سے بچتے رہے ہیں بشرطیکہ ان کی طرف سے اس ذمہ داری کو نبھانے والا کوئی ہو، چنانچہ وہ اپنے سروں پر جھنڈے اُٹھائے پھرتے تھے نہ مختلف شعاروں کی طرف بلاتے تھے، اور نہ ہی لوگوں سے اپنی طرف نسبت کرنے کا مطالبہ کرتے تھے، بلکہ وہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف نسبت کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے''[2]۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے ایک سوبیس انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا، ان میں جس سے بھی کوئی مسئلہ پوچھا جاتا وہ دوسرے کی طرف احالہ کردیتا، اور وہ اپنے بعد والے کو سونپ دیتا یہاں تک کہ اس طرح وہ مسئلہ پھر پہلے کی طرف لوٹ آتا''[3]۔

---

(۱) اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/ ۱۳۹)۔

(۲) دیکھئے: العلماء ھم الدعاۃ، از ناصر بن عبدالکریم العقل، ص (۱۴)۔

(۳) اسے امام ابوخیثمہ نے ''کتاب العلم'' میں روایت کیا ہے، (۲۱)، وسنن دارمی، مقدمہ، باب من ھاب الفتیا، (۱/ ۴۹)، حدیث (۱۳۷)۔

اور ایک روایت میں ہے:

''میں نے ایک سوبیس انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا'ان میں سے جو بھی کوئی حدیث بیان کرتا، یا اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا وہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا بھائی اس کی طرف سے کافی ہو جاتا، اور جس سے بھی کوئی فتویٰ پوچھا جاتا اس کی یہی تمنا ہوتی کہ اس کے بجائے اس کا بھائی فتویٰ دیدیتا''۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب علقمہ رحمہ اللہ سے کہا گیا:

''کاش آپ بیٹھتے اور لوگوں کو سنت سکھاتے (تو بڑا اچھا ہوتا) تو انہوں نے کہا: کیا تم چاہتے ہو کہ میری ایڑی روندی جائے''[1]۔

اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہم نے بہت کوشش کی کہ ابراہیم رحمہ اللہ کو کسی ستون کے پاس (مسند علم پر) بٹھائیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا''[2]۔

بلکہ علماء سلف اور ان کے پیروکاروں کی ایک خوبی کم گوئی بھی تھی، لہٰذا اگر تم کسی عالم کو دیکھو جو کسی مجلس میں بیٹھا ہو، نہ کچھ بیان کرے، نہ کوئی بات کرے، تو اس سے کلام مستنبط کرو' کامیاب ہو جاؤ گے، اور جاہلوں اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں گفتگو نہ کرو'جو خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آدمی لوگوں کی مجلس میں (خاموش) بیٹھتا ہے'لوگ سمجھتے ہیں' کہ وہ گویائی سے عاجز ہے،

---

(۱) سنن دارمی، مقدمہ، باب من کرہ الشہرۃ والمعرفۃ، (۱/۱۰۹)۔

(۲) سنن دارمی، مقدمہ، باب من کرہ الشہرۃ والمعرفۃ، (۱/۱۰۸)۔

حالانکہ وہ عاجز نہیں ہوتا، مسلم فقیہ ہوتا ہے''[1]۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ لوگوں پر ضروری ہے کہ اہل علم سے وابستگی کی کوشش کریں، انہیں آگے بڑھائیں، ان کی باتیں بغور سنیں اور ان سے علم حاصل کریں، اور یہاں ایک اہم بات یہ ہے کہ علم ایسے شخص سے حاصل کرنا واجب ہے جو اپنے دین اور علم میں قابل اعتماد ہو' کیونکہ:

''إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ''[2]۔

یہ علم دین ہے، لہٰذا دھیان رکھو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔

(۱) اسے امام ابو خیثمہ نے ''کتاب العلم'' میں روایت کیا ہے، (۲۰)۔

(۲) صحیح مسلم، مقدمہ، باب بیان أن الاسناد من الدین، اپنی سند سے بروایت محمد بن سیرین رحمہ اللہ، (۱/ ۱۴)۔

چوتھا مبحث:

علماء کے مراتب و درجات کی رعایت

یقیناً علم کے کئی درجات اور علماء کے کئی مراتب و مقامات ہیں، رسولوں کے سردار اور علماء کے امام رسول گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے رب نے حکم دیا کہ اللہ سے علم میں اضافہ کا سوال کریں، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾ ﴾ [طہ:۱۱۴]۔

ہاں یہ دعا کر کہ پروردگار! میرا علم بڑھا۔

یعنی: ”اے محمد! دعا کیجئے کہ اے رب تو نے جو مجھے جو علم دیا ہے اس میں مزید اضافہ کر، اللہ نے انہیں علم کے فوائد کا سوال کرنے کا حکم دیا جس کا انہیں علم نہ تھا“[1]۔

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ علم کے کئی مراتب ہیں اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ بات سکھائی، چنانچہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: أَتَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ؟ قَالَ مُوسَى: لَا، فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مُوسَى:

(۱) جامع البیان عن تاویل آی القرآن، از ابن جریر طبری، (۱۶/ ۲۲۰)۔

بَلَى، عَبْدُنَا خَضِرٌ. فَذَهَبَ إِلَيْهِ مُوسَى وَقَالَ لَهُ: ﴿ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰٓ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝٦٦ ﴾ [الكهف:٦٦] [1]۔

موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی کسی مجلس میں تھے، کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا: کیا آپ کسی کو جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم والا ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں، تو اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: کیوں نہیں! ہمارا بندہ خضر (آپ سے زیادہ علم والا ہے)۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس گئے اور کہا: کیا میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھادیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔

یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ علم کے کئی مراتب ہیں، نیز یہ کہ بعض علماء کے پاس دین کے مسائل میں سے کسی مسئلہ کا علم ہوتا ہے، جو دوسروں کے پاس نہیں ہوتا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمارے علماء فرماتے ہیں: حدیث میں فرمان نبوی ﷺ: ''خضر علیہ السلام آپ سے زیادہ علم والے ہیں'' یعنی بعض احکام، چند مفصل وقائع اور معین پیش آمدہ مسائل کا آپ سے زیادہ علم رکھتے ہیں، نہ کہ مطلق طور پر، اس کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ نے خضر علیہما السلام سے کہا: آپ کے پاس کوئی علم ہے جسے اللہ نے آپ کو سکھایا ہے، مجھے اس کا علم نہیں، اور میرے پاس کوئی علم ہے جسے اللہ نے مجھے سکھایا ہے، آپ کو اس کا علم نہیں، بنابریں دونوں میں سے ہر ایک پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ دوسرے سے زیادہ علم والا ہے، بایں طور کہ دونوں میں سے کوئی ایک اُسے جانتا ہے دوسرا نہیں جانتا'' [2]۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ماذکر فی ذھاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر الی الخضر، (۱/۲۶-۲۷)، وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل الخضر علیہ السلام، (۴/ ۱۸۵۳)، حدیث (۲۳۸۰)، ومسند احمد، (۵/ ۱۱۶-۱۱۷)۔

(۲) جامع احکام القرآن، (۱۱/ ۱۰)۔

اور جب علم کے مختلف درجات اور علماء کے مراتب ہیں' تو طالب علم پر لازم ہے کہ علماء کے مقام ومرتبہ اوران کے درجات کی رعایت کرے، اور علم کے مرتبہ کی حد بندی میں اُن لوگوں کا اعتبار ہے جو قدرے علم سے بہرہ ور ہوں، جاہلوں کا نہیں۔

امام ابن عقیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان جاہل نادان لونڈوں کے بارے میں ایک عجیب بات میں نے یہ سنی ہے کہ وہ کہتے ہیں: امام احمد فقیہ نہیں ہیں، بلکہ محدث ہیں! فرماتے ہیں: یہ حد درجہ جہالت ہے' کیونکہ اُن کے کچھ اختیارات (ترجیحات) ہیں جنہیں انہوں نے احادیث کی بنیاد پر اپنایا ہے' اسے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ بسا اوقات انہوں نے بڑے بڑوں پر اضافہ کیا ہے''[۱]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اُنہیں بس محدث گمان کرتے تھے، بلکہ اُنہیں ہمارے دور کے محدثین کی طرح سمجھتے تھے۔ حالانکہ اللہ کی قسم وہ خصوصیت کے ساتھ فقہ میں امام لیث، مالک، شافعی اور ابو یوسف کے ہم پلہ، زہد و ورع میں فضیل اور ابراہیم بن ادہم کے درجہ میں اور حفظ وضبط میں امام شعبہ، یحییٰ بن سعید قطان اور علی ابن المدینی کے مقام ومرتبہ پر فائز تھے، رحمہم اللہ جمیعاً، لیکن جاہل و نادان جب خود اپنی حیثیت نہیں جانتا، تو دوسرے کا مقام ومرتبہ کیونکر جان سکے گا؟!!''[۲]۔

اور علماء کے مراتب و درجات کئی اعتبارات سے مختلف ہوتے ہیں، ان مختلف اعتبارات کے مطابق اُن مراتب و درجات کی رعایت و پاسداری واجب ہے:

---

(۱) بحوالہ: سیر أعلام النبلاء، از امام ذہبی، (۱۱/۳۲۱)۔

(۲) بحوالہ: سیر أعلام النبلاء، از امام ذہبی، (۱۱/۳۲۱)۔

چنانچہ علماء کے مراتب و درجات کی رعایت کا ایک پہلو: اُن کے تخصص کی رعایت ہے، کیونکہ عالم کے اوپر علم کے فنون میں سے کوئی فن یا ابواب میں سے کوئی باب غالب ہوتا ہے' اس لیے اُس فن میں اس کی بات کا جتنا اعتبار ہوتا ہے' اُتنا دوسرے کی بات کا نہیں ہوتا۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُو بَكْرٍ، وَأَشَدُّهُمْ فِي أَمْرِ اللَّهِ عُمَرُ، وَأَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ، وَأَعْلَمُهُمْ بِالحَلَالِ وَالحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَأَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَقْرَؤُهُمْ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَأَمِينُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الجَرَّاحِ''[1]۔

میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابو بکر صدیق ہیں، اور اللہ کے حکم کے معاملہ میں سب سے سخت عمر ہیں، اور سب سے سچے حیاء کرنے والے عثمان بن عفان ہیں، اور حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں، اور فرائض کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے زید بن ثابت ہیں، اور قرآن کو سب سے زیادہ پڑھنے اور اس کا علم رکھنے والے ابی بن کعب ہیں، اور ہر امت کا امین ہوا کرتا ہے، اِس امت کے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں رضی اللہ عنہم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

---

(۱) مسند احمد، (۳/۱۸۱)، وسنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل وزید بن ثابت رضی اللہ عنہما، (۵/۳۳۰)، حدیث (۳۸۷۹)، وسنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب فضائل خباب رضی اللہ عنہ، حدیث (۱۵۴)، اور امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، اور ابن ماجہ کی سند کے راویان ثقہ ہیں۔

"عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! جسے قرآن کے بارے میں کچھ پوچھنا ہو وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، جسے فرائض کے بارے میں پوچھنا ہو وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اور جسے فقہ کا کوئی مسئلہ پوچھنا ہو وہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس آئے"[1]۔

امام شافعی رحمہ اللہ علم حدیث میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی فضیلت و برتری کی رعایت کرتے تھے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ہم سے امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: آپ لوگ حدیث کا مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں' لہٰذا جب تمہارے یہاں حدیث صحیح ہو تو ہمیں بتاؤ، تاکہ میں اُسے لے لوں"[2]۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ علماء کا باہمی فرق مراتب کرتے ہیں' کہ اُن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی پہلو میں نمایاں اور برتر ہوتا ہے:

"میں نے سنت اور جو چیزیں اس میں داخل ہوتی ہیں' اُن کی بابت حماد بن زید سے زیادہ علم والا نہیں دیکھا، نیز میں نے شہاب بن خراش سے زیادہ کسی کو سنت کا وصف بیان کرنے والا نہیں دیکھا، جب وہ بولتے تو سفیان خاموش ہو کر گوش برآواز ہو جاتے تھے، اسی طرح میں نے ابن المبارک سے زیادہ بلیغ کسی کو نہیں دیکھا"[3]۔

---

(۱) اسے امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے، اور امام ہیثمی فرماتے ہیں: اس میں سلیمان بن داود الحسین نامی راوی ہے' میرے خیال سے اُسے کسی نے ذکر نہیں کیا ہے۔

(۲) اسے ابن ابی حاتم نے آداب الشافعی میں روایت کیا ہے، (۹۴-۹۵)، والحلیۃ، از ابونعیم، (۹/۱۰۶)، والانتقاء، از ابن عبدالبر (۷۵)، ومناقب الامام أحمد، از ابن الجوزی، (۴۴۹)، وتذکرۃ السامع والمتکلم، از ابن جماعۃ، (۲۹) مختلف الفاظ کے ساتھ، نیز دیکھئے: إعلام الموقعین، (۲/۳۲۵)۔

(۳) اسے امام لالکائی نے شرح أصول اعتقاد أھل السنۃ میں روایت کیا ہے، (۱/۶۳)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس امت میں قرآن کے سب سے بڑے عالم ابی بن کعب، سب سے بڑے قاضی اور جج علی، فرائض کے سب سے بڑے عالم زید اور سب سے بڑے مفسر قرآن ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں''[1]۔

اسی طرح علماء کے مراتب کی رعایت کا ایک پہلو عمر کی رعایت ہے، کیونکہ علم تہ بہ تہ جمع ہونے والی چیز ہے، جس قدر وقت و زمانہ گزرے گا انسان کا علم و تجربہ بھی بڑھتا جائے گا۔

یہ چیز ثابت ہے کہ چھوٹوں کا علم کے لئے براجمان ہونا اور لوگوں کا اُن سے علم کی جستجو کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''إِنَّ مِنْ أَشراطِ السَّاعةِ: أَنْ يُلْتَمَسَ العِلْمُ عِنْدَ الأَصَاغِرِ''[2]۔

بیشک قیامت کی نشانیوں میں سے ہے: کہ چھوٹوں سے علم کی جستجو جائے گی۔

سلف صالحین رحمہم اللہ نے بھی چھوٹوں سے علم حاصل کرنے کی مذمت فرمائی ہے:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''دین کا فساد و بگاڑ اس وقت ہوتا ہے جب علم چھوٹے کی طرف سے آئے بڑا اُسے تسلیم نہ کرے، اور لوگوں کی بھلائی اس وقت ہوتی ہے جب علم بڑے کی جانب سے آئے اور چھوٹا اُس کی تابعداری کرلے''[3]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، (۱۷/۳۱۹)۔

(۲) اسے امام ابن المبارک نے الزہد (۶۱) میں، امام لالکائی نے شرح أصول اعتقاد أهل السنة (۱/۸۵) میں، امام طبرانی نے المعجم الکبیر (۲۲/۳۶۱، حدیث ۹۰۸)، اور المعجم الأوسط میں روایت کیا ہے، دیکھئے: مجمع الزوائد، از امام ہیثمی، (۱/۸۵)، اس میں ابن لہیعہ ہیں، البتہ امام ابن المبارک نے اُن سے اُن کی کتابیں جلنے سے پہلے سنا ہے۔

(۳) اسے قاسم نے أصبغ سے اپنی مصنف میں صحیح سند سے روایت کیا ہے، جسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ===

اور ایک روایت میں ہے:

''خبردار! لوگ اس وقت تک بھلائی میں رہیں گے جب تک اپنے بڑوں سے علم حاصل کریں گے، اور چھوٹا بڑے کے خلاف کھڑا نہ ہوگا، جب چھوٹا بڑے کے خلاف کھڑا ہوگا تو۔۔۔وہ ہلاک ہو جائیں گے''[۱]۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''تم یقیناً ہمیشہ بھلائی میں رہو گے جب تک علم تمہارے بڑوں میں رہے گا، جب علم تمہارے چھوٹوں میں آجائے گا تو چھوٹا بڑے کو حقیر اور نادان سمجھے گا''[۲]۔

اس سلسلہ میں قاضی عبدالوہاب بن علی بن نصر مالکی کے بڑے اچھے اشعار ہیں:

ترجمہ: جب سمندر کنوؤں سے سیراب ہوں گے تو پیاسوں کو کیونکر آسودگی حاصل ہوگی، اور جب بڑے لوگ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ جائیں گے تو چھوٹوں کا دامن مراد کون بھرے گا، یقیناً پست لوگوں کا ایک دن بھی اونچوں سے بلند ہونا مصیبت ہے، جب پست اور بلند سب برابر ہو جائیں تو سمجھ لو کہ ہلاکت وتباہی کا دور دورہ ہو چکا ہے[۳]۔

اور ابوالحسن فالی کہتے ہیں:

ترجمہ: جب مجلسوں میں ان علماء کے چہرے نہ رہ گئے جنہیں میں جانتا ہوں بلکہ اُن کے علاوہ دیگر لوگ ہو گئے اور میں نے دیکھا کہ مجلسیں اُن حضرات کے علاوہ سے گھری ہوئی ہیں

=== صحیح قرار دیا ہے، (۱/۳۰۱-۳۰۲)۔

(۱) اسے ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۱/۱۵۸) میں اور لالکائی نے شرح أصول اعتقاد أھل السنة والجماعة (۱/۸۴) میں روایت کیا ہے۔

(۲) اسے ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۱/۱۵۹) میں روایت کیا ہے۔

(۳) دیکھئے: الذخیرۃ، از ابن بسام، ووفیات الأعیان، از بن خلکان، (۱/۳۰۴)۔

جواُن کے قلب و دامن کے نگراں و پاسبان ہوا کرتے تھے، تو میں نے گزر کر آگے بڑھتے ہوئے شعر کہا، جبکہ آنکھ میں آنسو خشک ہو چکے ہیں، رہے خیمے تو انہی کے خیموں جیسے ہیں' لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ قبیلہ کی عورتیں دیگر ہیں[۱]۔

سابق الذکر حدیث میں اصاغر ''چھوٹے'' کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اس سلسلہ میں کئی اقوال ہیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلا قول:

یہ ہے کہ اصاغر سے مراد اہل بدعت ہیں جو عقل و رائے سے باتیں بولتے ہیں' اثر و حدیث کی پیروی نہیں کرتے۔

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کہ اصاغر کون ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: ''وہ لوگ ہیں جو اپنی رائے سے بولتے ہیں، رہا صغیر ''چھوٹا'' جو بڑے سے روایت کرے' تو وہ چھوٹا نہیں ہے''[۲]۔

اور ابوعبید نے اس حدیث کی تشریح میں امام ابن المبارک رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ اصاغر سے اہل بدعت کو مراد لیتے تھے، عمر میں چھوٹے کو مراد نہیں لیتے تھے۔

---

(۱) دیکھئے: تاریخ ابن الاثیر، (۸/ ۸۹)، حوادث سنة (۴۴۸ھ)، ابوالحسن فالی کے اور بھی اچھے اشعار ہیں، جن میں وہ فرماتے ہیں:

(ترجمہ): ہر پاگل اور بے وقوف شخص فقیہ مدرس نام رکھ کر تدریس کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا ہے، لہذا اہل علم کو حق ہے کہ ہر مجلس میں زبان زد ایک پرانے شعر کا مصداق پیش کریں، کہ واقعی وہ اس قدر لاغر ہوگئی ہے' کہ اس کی لاغری کے سبب اس کے گردے ظاہر ہوگئے ہیں' اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہر مفلس اس کا سودا کرنے لگا ہے۔

(۲) اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۱/ ۱۵۸)۔

دوسرا قول:

اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اُن لوگوں سے علم حاصل کیا جائے جو اپنی رائے کو صحابہ کی رائے پر مقدم سمجھتے ہوں، ابو عبید فرماتے ہیں:

''اصاغر کے بارے میں میری اپنی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کے لوگوں سے علم لیا جائے اور اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے اور اُن کے علم پر مقدم کیا جائے، تو یہ اصاغر سے علم لینا ہے''[1]۔

تیسرا قول:

یہ ہے کہ اصاغر وہ ہیں جن کے پاس علم نہ ہو، چنانچہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بعض اہل علم سے عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس کے مثل دیگر احادیث میں مذکور ''صغیر'' (چھوٹے) کے سلسلہ میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس سے فتویٰ پوچھا جائے جبکہ اُس کے پاس علم نہ ہو، اور ''کبیر'' (بڑا) وہ ہے جو علم والا ہو، خواہ کسی بھی عمر میں ہو، نیز یہ بھی کہا ہے کہ جاہل چھوٹا ہے، اگر چہ عمر رسیدہ ہو، اور عالم بڑا ہے خواہ نو عمر ہو[2]۔

چوتھا قول:

یہ ہے کہ چھوٹے سے ''کم عمری'' مراد ہے، کیونکہ نوجوان عالم کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، جیسا کہ ابن المعتمر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

یہاں میرے خیال میں سب سے مناسب بات یہ ہے کہ: یہ اختلاف اختلافِ تنوع ہے، کیونکہ اس وصف کا اطلاق مذکورہ تمام لوگوں پر کیا جانا ممکن ہے، چنانچہ لفظ ''اصاغر'' (چھوٹے):

---

(۱) اسے ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۱/ ۱۵۸) میں روایت کیا ہے۔

(۲) اسے ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ (۱/ ۱۵۹) میں روایت کیا ہے۔

”علم، قدر ومنزلت، عمر اور اہل بدعت وغیرہ تمام قسم کے چھوٹوں کو شامل ہے“[1]، اور یہ تمام اقوال ایک دوسرے کو لازم ہیں، کیونکہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا 'علم کا خزانہ شب وروز کی تگ ودو اور جفاکشی کے نتیجہ میں بتہ بتہ جمع ہوتا ہے' چنانچہ انسان علم کے بلند مقام ومرتبہ پر اسی وقت فائز اور عالم کے لقب سے اسی وقت سرفراز ہوتا ہے جب عمر رسیدہ ہوجاتا ہے اور جوانی کے عہد اولیں سے گزر جاتا ہے، فی الغالب ایسا ہی ہوتا ہے، ورنہ بعض نوجوان علماء کو بھی اللہ عزوجل کم عمری ہی میں علم سے عزت بخش دیتا ہے، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کم عمری ہی میں فتوے پوچھے جاتے تھے، اور معاذ بن جبل اور عتاب بن اسید رضی اللہ عنہما کم عمری میں ہی لوگوں کو فتویٰ دیا کرتے تھے، اور ان کی عمری کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے انہیں بڑی بڑی ذمہ داریاں تفویض فرمائی تھیں۔

اور عمر دراز حضرات کی فضیلت پر بہت سارے نصوص دلالت کرتے ہیں، یہاں تک نماز کی امامت میں بھی۔ چنانچہ:

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَحِيمًا رَقِيقًا، فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَقْنَا إِلَى أَهْلِنَا، سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا فِي أَهْلِنَا، فَأَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ: ”**ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَأَقِيمُوا فِيهِمْ، وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ، وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ**“[1]۔

---

(۱) العلماء هم الدعاة، از ڈاکٹر ناصر بن عبد الکریم العقل، ص (۲۳)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الأذان للمسافر، (۱/ ۱۵۵)، وصحیح مسلم، کتاب الأذان، باب من أحق بالامامة؟ ==

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس آئے، درانحالیکہ ہم سب ہم عمر جوان تھے، ہم نے آپ کے یہاں بیس رات قیام کیا، رسول اللہ ﷺ بڑے رحمدل اور نرم تھے، جب آپ نے اپنے گھر والوں کی بابت ہمارا اشتیاق دیکھا تو ہم سے پوچھا: کہ ہم اپنے گھر والوں میں کسے چھوڑ کر آئے ہیں، ہم نے آپ کو بتلایا، تو آپ نے فرمایا: ''اپنے اہل وعیال میں واپس جاؤ، ان کے درمیان رہو، اور انہیں تعلیم دو اور انہیں اسلامی تعلیمات کا حکم دو، اور نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، جب نماز کا وقت ہوجائے تو تم میں سے کوئی اذان دے اور تم میں جو بڑا ہو وہ تمہاری امامت کرائے''۔

چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ان میں عمر دراز شخص ان کی امامت کرائے۔

نوعمروں اور چھوٹوں پر واجب ہے کہ حصول علم کے لئے فارغ ہوں اور کسب فیض میں مشغول رہیں، کیونکہ وہ عمر کے جس مرحلہ میں ہیں وہ لینے اور حاصل کرنے کا مرحلہ ہے جبکہ عمر رسیدوں کا مرحلہ دینے اور خرچ کرنے کا مرحلہ ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''اپنے کم عمر بچوں کو ہمیں دو، کیونکہ وہ بڑے فارغ القلب (بے فکر) اور سنی ہوئی باتوں کو خوب ازبر کرنے والے ہوتے ہیں، لہذا اللہ عزوجل جس کے لئے اس علم کو مکمل کرنا چاہے گا مکمل فرمادے گا''[1]۔

== (۱/ ۴۶۵)، حدیث (۶۷۴)، وسنن دارمی، (۱/ ۲۸۶)، ومسند احمد (۳/ ۴۳۶)، و(۵/ ۵۳)، وسنن نسائی، کتاب الأذان، باب اجتزاء المرء بأذان غیرہ فی الحضر، (۲/ ۹)۔

(۱) اسے امام رامہرمزی نے المحدث الفاصل میں روایت کیا ہے (۱۹۲)۔

اسی طرح نوعمروں پر واجب ہے کہ قبل از وقت براجمانی نہ کریں (آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں)، کیونکہ یہ چیز بسااوقات خود ان کے گمراہ ہونے اورلوگوں کوگمراہ کرنے کا سبب ہوسکتی ہے۔

❁❁❁

اسی طرح علماء کے مراتب کی رعایت کاایک پہلواُس امام عالم کے مرتبہ کی رعایت ہے' جس کے ہم عصر یاہم وطن لوگ اُس کے علم کے تابع اور مرہون منت ہوں'اوراُس کے فضل ومقام کے معترف ہوں' جسے''عالم دوراں'' یا''عالم جائے فلاں'' کہا جاناممکن ہو'جیسے اپنے دور میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا حال تھا، اپنے دوراورشہر میں امام مالک رحمہ اللہ کا حال تھا، نیزشیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا حال تھا، اسی طرح ہمارے ہم عصروں میں امام علامہ اوراپنے دور میں بلادسعودیہ کے مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ رحمہ اللہ اور ہمارے دور میں سماحۃ الشیخ امام علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی حیثیت ہے، کیونکہ یہ ایسی ہستیاں ہیں جن کے فضل کولوگوں نے تسلیم کیاہے، اورعلماء کرام اُن کی جلالت قدر کے معترف ہیں، نیزان سے رجوع اورنازک پیچیدہ مسائل میں اُن سے استفسار کرتے رہے ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں عراق میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین رحمہما اللہ اوراپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ بیٹھتا، چنانچہ ہم حدیث کاایک، دو اور تین تین سندوں سے مذاکرہ کرتے، اُن کے درمیان سے یحییٰ بن معین کہتے: اورفلاں سند بھی ہے؟ تو میں کہتا: کیااس سند کی صحت پر ہم سب کا اجماع نہیں ہے؟! سب کہتے: ہاں، پھر میں پوچھتا: اچھا اس حدیث کا مقصود

کیا ہے؟اس کی تفسیر کیا ہے؟اس کی فقہ کیا ہے؟ تو سب خاموش ہو جاتے سوائے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے"(۱)۔

اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے صاحب "المستدرک" امام الحاکم بن البیع رحمہ اللہ کے بارے میں بعض علماء کا قول نقل فرمایا ہے:

"یقیناً میں نے اپنے مشائخ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے، جو اُن کے دور کا ذکر کرتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ اُن کے دور کی بلند شخصیتیں جیسے امام ابو سعل صعلوکی، امام ابن فورک اور دیگر ائمۂ کرام اُنہیں اپنے سے مقدم سمجھتے تھے، اُن کے حق فضیلت کی رعایت کرتے تھے، اور اُن کا لازمی احترام کیا کرتے تھے"(۲)۔

واضح رہے کہ علماء کے مراتب و درجات کی رعایت کے مطالبہ کے اس پہلو میں دو قسم کے لوگ مخاطب ہیں:

پہلی قسم: خود علماء کرام، بایں طور کہ چھوٹے عالم کے لئے اپنے سے بڑے عالم کی عمر، اس کی قدر و منزلت اور علم کی رعایت کرنا واجب ہے۔

دوسری قسم: عام لوگ، چنانچہ ان کے لئے ضروری ہے کہ قدر و منزلت، علم اور عمر میں بڑے عالم کی رائے کا اعتبار اس سے کہیں زیادہ کریں، جتنا اس سے کم تر علم اور قدر و مقام والے عالم کی رائے کا کرتے ہیں۔

میں نے علماء کے حقوق اور ان کے ساتھ سلوک و برتاؤ کے اسالیب سے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے یا آگے کروں گا، وہ جس قدر عالم قدر و منزلت، علم اور عمر میں بڑا ہو گا، اسی قدر مقدار

---

(۱) اسے امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے، الجرح والتعدیل، (۱/ ۳۷۵)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، (۱۷/ ۱۷۰)۔

ونوعیت میں اُس کے ساتھ بڑھتی جائے گی۔

آج کل کچھ لوگ ایسے ہیں جو امت کے اجلہ علماء کرام کی رائے سے متعارض بعض مسائل بعض چھوٹے طلبۂ علم سے لیتے ہیں۔

جبکہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو کچھ چھوٹے علماء کے حقوق کا اتنا خیال کرتے ہیں جتنا دیگر کبار علماء کا نہیں کرتے۔

ایک دن میں نے ایک عام مجلس میں ایک نیک بزرگ اور ایک بڑے عالم کو دیکھا، اُن بزرگ شیخ نے اس عالم کی قدر کرتے ہوئے آ کر انہیں سلام کیا، لیکن بعض لوگ اس بزرگ کو سلام کرنے کے لئے دوڑ پڑے، اور اس بڑے عالم دین کو اپنی کسی خواہش نفسانی یا کہیے اُن میں کسی غلطی کے سبب جسے انہوں نے اُن میں دیکھا ہو، نظر انداز کر دیا، اور ان کے مقام ومرتبہ کو ضائع کر دیا۔

دوسری طرف وہ بزرگ جنہیں لوگ سلام کر رہے تھے، بڑا حرج محسوس کر رہے تھے، کیونکہ لوگ اس عالم کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اُن کی طرف متوجہ تھے، جنہیں وہ خود اپنے سے زیادہ ادب واحترام اور تکریم کا مستحق سمجھتے تھے۔

یہ منظر علماء کے مراتب و درجات کی عدم رعایت اور ان کا مقام ومرتبہ نہ سمجھنے کی ایک مثال ہے، جو محض سلام و برتاؤ کے اسلوب سے متعلق ہے، جو چیزیں اس سے اوپر ہیں، وہ اور زیادہ عظیم تر اور سنگین ہیں۔

پانچواں مبحث:
علماء کی برائی اور عیب جوئی سے بچنا

بلاشبہہ علماء کی برائی، ان کی شانوں میں گستاخی اور ان میں طعنہ زنی اہل زیغ وضلالت کا شیوہ اور وطیرہ ہے، کیونکہ علماء پر طعنہ زنی دراصل ان کی ذات وشخصیت پر طعنہ زنی نہیں بلکہ اس دین ودعوت پر طعنہ زنی ہے جس کے وہ علمبردار ہیں، اس ملت پر طعنہ زنی ہے جس سے وہ نسبت رکھتے ہیں، علماء کے سلسلہ میں طعنہ زنی حرام ہے، کیونکہ علماء مسلمانوں میں سے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا''[1]۔

یقیناً تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری آبرو تم پر (ایسے) حرام ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت اس مہینے اور اس شہر میں ہے۔

اور اس کی حرمت مزید بڑھ جاتی ہے؛ کیونکہ یہ دین میں طعنہ زنی کا وسیلہ ہے، اور اہل بدعت کا یہی منشا ومقصود ہے' جو سلف امت اور ان کے نقش قدم کے پیروکار مخلص علماء کی

(۱) صحیح بخاری، بکتاب الحج، باب الخطبۃ أیام منی، (۲/۱۹۱)، وصحیح مسلم، بکتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ من حدیث جابر رضی اللہ عنہ، (۲/۸۸۹)، حدیث (۱۲۱۸)۔

شانوں میں طعنہ زنی کرتے ہیں، اور اسباب و وسائل کا اعتبار مقاصد کی بنیاد پر اور اُن کے تابع ہوا کرتا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''چونکہ مقاصد کی رسائی اُن تک پہنچانے والے اسباب و وسائل ہی سے ہوتی ہے' اس لئے مقاصد کے اسباب و وسائل مقاصد ہی کے تابع ہیں اور انہی کی بنیاد پر ان کا اعتبار ہے، چنانچہ محرمات اور گناہ و معاصی کے وسائل کی کراہت و ممانعت اسی قدر ہوگی جس قدر وہ وسائل مقاصد تک پہنچانے والے اور ان سے وابستہ ہوں گے، اور نیکی اور کارہائے خیر کے وسائل سے محبت اور ان کی اجازت اسی قدر ہوگی جس قدر وہ اُن مقاصد تک پہنچانے والے ہوں گے، لہٰذا مقصود کا وسیلہ مقصود کے تابع ہے، اور دونوں ہی مقصود ہیں، لیکن مقصد بطور غرض و ہدف مقصود ہے، اور وسیلہ بطور سبب اور ذریعہ مقصود ہے، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو حرام کرتا ہے' اور اُس تک پہنچانے والے کچھ وسائل و ذرائع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی حرام کرتا ہے اور ان سے منع فرمادیتا ہے، تاکہ اُس کی حرمت ثابت اور پختہ رہے اور اُس کے چہار دیواری سے قریب ہونے سے روک تھام ہو سکے، اگر اللہ تعالیٰ اُس حرام تک پہنچانے والے وسائل و ذرائع کو مباح قرار دے تو یہ حرمت کو توڑنے والی اور طبیعتوں کو بھڑکانے والی بات ہوگی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکمت اور اس کا علم اس کا سراسر منکر ہے''[1]۔

سلف صالحین نے اس نکتہ کو سمجھا اسی لئے انہوں نے صحابہ کرام کی تنقیص کرنے والے کو زندیق اور کافر قرار دیا، کیونکہ یہ بات دین میں طعنہ زنی اور سید المرسلین ﷺ کی سنت کی توہین کا پیش خیمہ ہے:

(۱) اعلام الموقعین، (۳/ ۱۴۷)۔

مصعب بن عبد اللہ فرماتے ہیں:

''مجھ سے ابو عبد اللہ بن مصعب زبیری نے بیان کیا، کہتے ہیں کہ: مجھ سے امیر المؤمنین مہدی نے کہا: اے ابو بکر! رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص و توہین کرنے والے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کہتے ہیں: میں نے کہا: وہ زندیق اور کافر ہیں۔ انہوں نے کہا: میں نے آپ سے پہلے کسی کو یہ بات کہتے ہوئے نہیں سنا! کہتے ہیں: میں نے کہا: ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی توہین و تنقیص کرنا چاہا، لیکن امت میں کسی کو اس سلسلہ میں اپنا ہمنوا نہیں پایا۔ لہٰذا ان کی اولاد کے پاس ان کی توہین کی، اور ان کی اولاد کے پاس ان کی توہین و تنقیص کی، گویا یہ کہا کہ: رسول اللہ ﷺ کے ساتھی بڑے بڑے لوگ تھے، اور وہ آدمی کتنا برا ہوگا جس سے ساتھی برے ہوں! انہوں نے کہا: میرا بھی وہی خیال ہے جیسا آپ کہہ رہے ہیں''[1]۔

امام ابو زرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب آپ کسی کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں کسی کی توہین و تنقیص کرتے دیکھیں تو جان لیں کہ وہ زندیق ہے، وہ اس لئے کہ رسول ﷺ ہمارے یہاں حق ہیں، قرآن حق ہے، آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت حق ہے، اور یہ قرآن اور سنتیں ہم تک رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہی نے پہنچایا ہے، یہ لوگ محض یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو مجروح (عیب دار) کر دیں تا کہ کتاب و سنت کو باطل اور نا قابل اعتبار ٹھہرا دیں، حالانکہ جرح کے مستحق خود وہی ہیں، اور وہ زندیق ہیں''[2]۔

---

(۱) اسے خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں روایت کیا ہے، (۱۰ / ۱۷۴)۔

(۲) الکفایۃ فی علم الروایۃ، از خطیب بغدادی، (۴۹)، والاصابۃ، از حافظ ابن حجر، (۱ / ۱۰)۔

اسی طرح سلف صالحین نے تابعین اور اُن کے بعد کے دور کے علماء پر طعنہ زنی کرنے والوں کے سلسلہ میں بھی فرمایا ہے:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب آپ کسی آدمی کو حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کی برائی کرتا دیکھیں تو اس کے اسلام کو الزام دیں، کیونکہ وہ بدعتیوں پر بڑے سخت تھے''[1]۔

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب آپ کسی آدمی کو حماد بن سلمہ اور عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہما اللہ کے خلاف زبان درازی کرتا دیکھیں تو اس کے اسلام کو الزام دیں''[2]۔

یہ چیز عالم کے سلسلہ میں ظلم، ناحق اور نفس پرستی کی بنیاد پر کلام کرنے پر محمول ہے، ہاں اگر عالم کے سلسلہ میں کلام کرنے والا اسی کے مثل کوئی عالم ہو جو انصاف ور ہو تو کوئی حرج نہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ چیز ان دونوں -یعنی حماد بن سلمہ اور عکرمہ رحمہما اللہ- کے مقام و مرتبہ کی بابت ظلم اور خواہش نفسانی کی بنیاد پر اُن کی تنقیص کرنے پر محمول ہے، رہا وہ شخص جو ان کی جرح وتعدیل کے سلسلہ میں وارد اقوال کو انصاف کے ساتھ نقل کرے، تو وہ ٹھیک ہے''[3]۔

(۱) سیر اعلام النبلاء، از امام ذہبی، (۷/ ۴۵۰)۔

(۲) شرح اصول اعتقاد أہل السنۃ والجماعۃ، از لالکائی، (۳/ ۵۱۴)، وسیر اعلام النبلاء، (۷/ ۴۴۷)، و(۵/ ۳۱)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء، از امام ذہبی، (۵/ ۳۱)۔

سلف رحمہم اللہ نے علماء پر طعنہ زنی سے منع کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے؛ بلکہ ان کی ناقدری کرنے سے روکا بھی ہے:

امام ابن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''عقلمند پر حق ہے کہ تین قسم کے لوگوں کی ناقدری نہ کرے: علماء کرام، سلاطین وحکمراں، اور بھائیوں کی؛ کیونکہ جو علماء کی ناقدری کرے گا اس کی آخرت تباہ ہو جائے گی، جو حکمران کی ناقدری کرے گا اس کی دنیا رائیگاں ہو جائے گی اور جو بھائیوں کی ناقدری کرے گا اُس کی مروءت (ادب ولحاظ) ختم ہو جائے گی''[1]۔

علماء کرام کی برائی کرنا انہیں اذیت دینا اور تکلیف پہنچانا ہے، اور علماء کو اذیت دینا اللہ کے نیک اولیاء کو تکلیف پہنچانا ہے، کیونکہ با عمل علماء اولیاء کے وصف میں سب سے پہلے داخل ہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ علماء کو اذیت دینا نہایت خطرناک اور سنگین بات ہے؛ کیونکہ جو اللہ کے کسی ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اعلان جنگ کرتا ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث قدسی میں فرمایا:

''مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالحَرْبِ''[2]۔

جو میرے کسی ولی سے دشمنی کرے اُس سے میرا اعلان جنگ ہے۔

اہل علم وفضل کا ٹھٹھا اور مذاق اڑانا، ان کی بے عزتی کرنا، ان کی برائی اور عیب جوئی

---

(۱) سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۷/ ۲۵۱)۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، (۷/ ۱۹۰)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب من ترجی لہ السلامۃ من الفتن، (۲/ ۱۳۲۱)، حدیث (۳۹۸۹)۔

کرنا آدمی کے دین کے لئے خطرہ کا باعث ہے، یہ چیز بسا اوقات انسان کو تباہی کے اس دہانے تک پہنچا دے گی، جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا، چنانچہ منافقوں میں سے ایک شخص نے کہہ دیا:

"مَا رَأَيْتُ مِثْلَ قُرَّائِنَا هَؤُلَاءِ أَرْغَبَ بُطُونًا، وَلَا أَكْذَبَ أَلْسُنًا، وَلَا أَجْبَنَ عِنْدَ اللِّقَاءِ"(1)۔

میں نے اپنے ان قاریوں (علماء) جیسا کسی کو زیادہ کھانے والا، جھوٹی زبان والا اور میدان جہاد میں بزدل نہیں دیکھا۔

یہ بات ان منافقین کے کافر ہونے کی علامت قرار پائی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سلسلہ میں قرآن کی آیت نازل فرمائی، جس نے ان کے عذر و بہانہ کی تردید کی اور اسے بالکلیہ ناقابل اعتبار کر دیا:

﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَآئِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِأَنَّهُمْ كَانُوا۟ مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾﴾ [التوبة: ٦٥، ٦٦]۔

اگر آپ ان سے پوچھیں تو صاف کہہ دیں گے کہ ہم تو یونہی آپس میں ہنس بول رہے تھے۔ کہہ دیجئے کہ اللہ، اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے، اگر

---

(1) آیت کے شان نزول اور اس منافق اور اس کے ساتھیوں کے واقعہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں: جامع البیان، از امام طبری، (۱۰/ ۱۷۱)، وتفسیر القرآن العظیم، از حافظ کثیر، (۲/ ۳۶۸)، وأسباب النزول، از واحدی، (۲۸۷-۲۸۸)۔

ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کرلیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے۔

چنانچہ اللہ عزوجل نے ان منافقین کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے استہزاء کو اپنا استہزاء اور مذاق قرار دیا، یہ ساری باتیں معاملہ کی سنگینی پر دلالت کرتی ہیں۔

لہٰذا علماء کا مذاق اڑانے اور ان پر طعنہ زنی سے بچو، اور ان کی غیبت کرنے سے کلی اجتناب کرو، کیونکہ اللہ عزوجل نے غیبت کو حرام کردیا ہے، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''**أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟**'' قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ''**ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ**'' قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: ''**إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْ بَهَتَّهُ**''[1]۔

کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ جانتے ہیں، فرمایا: ''تمہارا اپنے بھائی کے بارے میں ایسی باتیں کرنا جو اسے ناپسند ہو'' پوچھا گیا: بتایئے کہ جو باتیں میں کہوں وہ میرے بھائی میں موجود ہوں تو؟ فرمایا: تم جو کہو اگر وہ تمہارے بھائی میں موجود ہو تب ہی تو تم اس کی غیبت کررہے ہو، ورنہ جو تم کہہ رہے ہو اگر تمہارے بھائی میں موجود نہ ہو تو تم اس پر بہتان باندھ رہے ہو''۔

اور علماء کی غیبت دیگر لوگوں کی غیبت سے زیادہ عظیم اور سنگین تر ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الغیبۃ، (۴/ ۲۰۰۱)، حدیث (۲۵۸۹)، ومسند احمد، (۲/ ۳۸۶،۴۵۸)، ومسند دارمی، کتاب الرقائق، باب ماجاء فی الغیبۃ، (۲/ ۲۰۹-۲۱۰)۔

امام حافظ ابن عساکر دمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"واعْلَمْ يا أخِي – وفَّقَنا اللهُ وإيَّاكَ لِمَرْضَاتِهِ وجَعَلَنا مِمَّنْ يَخْشَاهُ ويَتَّقِيْهِ حَقَّ تُقَاتِهِ – أنَّ لُحُوْمَ العُلَمَاءِ – رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِم – مَسْمُوْمَةٌ، وعَادَةَ اللهِ في هَتْكِ أَسْتَارِ مُنْتَقِصِيْهِم مَعْلُوْمَةٌ؛ لأنَّ الوَقِيْعَةَ فِيْهِم بِمَا هُمْ مِنْهُ بَرَاءٌ أمْرٌ عَظِيْمٌ، والتَّنَاوُلَ لأعْرَاضِهِم بالزُّوْرِ والافْتِرَاءِ مَرْتَعٌ وَخِيمٌ، والاخْتِلاقَ على مَنِ اخْتَارَ اللهُ مِنْهُم لِنَعْشِ العِلْمِ خُلُقٌ ذَمِيْمٌ"[1]۔

میرے بھائی! - اللہ مجھے اور آپ کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے، اور ہمیں اپنے سے کما حقہ ڈرنے والوں میں شامل فرمائے - جان لو کہ علماء رحمہم اللہ کے گوشت زہر آلود ہیں اور ان کی عیب جوئی، بے ادبی اور تنقیص کرنے والوں کو ذلیل کرنے کے سلسلہ میں اللہ کی سنت معلوم ہے، کیونکہ ناحق ان کی عیب جوئی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور دروغ و افترا کی بنیاد پر ان کی عزت و آبرو میں پڑنے کا انجام تباہ کن ہے، اور اللہ نے ان میں سے جن کو خدمت علم کے لئے منتخب فرما لیا ہے ان پر جھوٹ کا طومار باندھنا ایک قبیح اور مذموم خصلت ہے۔

اسی طرح کمینوں، کم ظرفوں اور سطحی لوگوں کو علماء پر طعنہ زنی پر جری نہ بناؤ، کیونکہ بعض طلبۂ علم لوگوں کو اپنی کچھ ایسی باتوں کے ذریعہ جن کی سنگینی اور دور رسائی کا انہیں اندازہ نہیں ہوتا' اہل علم کی برائی وعیب جوئی پر جرأتمند بنا دیتے ہیں، مثلاً کہہ دیتے ہیں: فلاں عالم کی تصحیح کا اعتبار نہیں! فلاں کی رائے قابل قبول نہیں! حالانکہ کبھی کبھار اس اعتراض کرنے والے کی بات حق بھی ہوتی ہے، لیکن اس پر واجب ہوتا ہے کہ اس بات کو عوام الناس کے درمیان نہ کہے' اسی طرح چھوٹے طلبہ کے درمیان بھی نہ کہے جو باتوں کو پرکھنا جانتے ہیں' نہ اس کا کوئی

(۱) تبیین کذب المفتری، از حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ، ص (۲۸)۔

حساب اور اندازہ کر پاتے ہیں؛ بلکہ اس بات کو یونہی لے لیتے ہیں اور ''جیسے ہم انسان ہیں ویسے وہ بھی انسان تھے'' کی آڑ میں 'علماء کے خلاف' پھر ائمہ کرام کے خلاف جرأت و جسارت کرنے لگتے ہیں' اور پھر سلسلہ دراز ہوجاتا ہے، جبکہ برائی کا آغاز محض ایک چنگاری سے ہوتا ہے۔

چھٹا مبحث:

علماء کو بلا علم خطا کار اور غلط ٹھہرانے سے اجتناب

علماء بشر ہیں، غلطیاں اُن سے بھی ہوتی ہیں، لیکن انہیں غلطی سے متہم کرنے میں دو خطرناک دھوکوں کا اندیشہ ہے:

پہلا دھوکہ:

یہ کہ ہوسکتا ہے اُن کو غلطی سے متہم کرنا درست نہ ہو، چنانچہ وہ انہیں غلطی سے ایسی چیزوں میں خطاکار ٹھہرا دے، جن میں وہ درست ہوں، یا انہیں ایسی چیزوں سے متہم کردے جو اُن میں سرے سے موجود ہی نہ ہوں۔

کیونکہ بعض لوگ بڑی جلد بازی اور معاملات کی بابت سیاہ نگاہی کا شکار ہوجاتے ہیں، لوگوں کی باتوں کو برائی اور خطا ہی پر محمول کرتے ہیں۔

شاعر کہتا ہے:

رضامندی کی نگاہ ہر عیب کو نظر انداز کردیتی ہے، جیسے ناراضگی کی نگاہ برائیوں کو ظاہر کردیتی ہے۔

جب کہ عالم پر بعض لوگوں کے انکار کا سبب اُس عالم کی حالت سے جہالت و ناواقفیت ہوتی ہے، چنانچہ وہ عالم سے کوئی محتمل یا سرسری بات سن لیتے ہیں اور ان محتمل اور سرسری

باتوں کو واضح کرنے والی بہت ساری چیزوں سے ناواقف ہوتے ہیں' یا اس سلسلہ میں عالم سے رجوع نہیں کرتے' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس سے سنی ہوئی مجمل بات کو ہر طرف یہ کہہ کر لے اُڑتے ہیں کہ یہ تو بڑی گھناؤنی غلطی اور نہایت سنگین جرم ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ابو کامل بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے اپنے بعض مشائخ کو کہتے ہوئے سنا ہے:

''ہم ابو خنب کی مجلس میں تھے' انہوں نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے فضائل املاء کرانے کے بعد ہمیں علی رضی اللہ عنہ کے فضائل املاء کرایا، یہ دیکھ کر ابو الفضل سلیمانی اُٹھے اور زور دار آواز لگائی: اے لوگو! یہ دجال اور فریبی ہے' اس سے حدیثیں نہ لکھو اور مجلس سے نکل گئے؛ کیونکہ انہوں نے پہلے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے فضائل نہیں سنا تھا''[1]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ بات سلیمانی کی حد درجہ بد خلقی اور سخت دلی پر دلالت کرتی ہے' اللہ اُن سے درگزر فرمائے''[2]۔

اور آج کل کچھ لوگ ایسے ہیں جو علماء کو بزعم خویش یہ کہہ کر غلط ٹھہرا دیتے ہیں کہ علماء کرام واقع حال سے نابلد ہوتے ہیں، حالانکہ علماء کی بابت اس دعویٰ کا اطلاق درست نہیں ہے' کیونکہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے' اس لئے کہ علماء عمومی طور پر لوگوں میں سب سے زیادہ واقع کی معرفت رکھنے والے ہوتے ہیں' کیونکہ لوگوں کو درپیش سماجی، سیاسی اور اقتصادی مسائل ومشکلات کو سب سے زیادہ سننے والے علماء ہی ہوتے ہیں۔

---

(۱) اسے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں نقل کیا ہے، (۱۵/ ۵۲۴)۔

(۲) سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۵/ ۵۲۴)۔

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ علماء کرام کو ''واقع سے ناواقفیت'' سے متہم کرنے کی بابت فرماتے ہیں:

''مسلمان پر واجب ہے کہ نامناسب باتوں سے اپنی زبان محفوظ رکھے' اور علم و بصیرت کے بغیر کوئی بات نہ بولے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ فلاں عالم کو واقع کی سمجھ نہیں ہے' اس کے لئے علم درکار ہے' یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جسے اس کا علم ہو' تاکہ حکم لگا سکے کہ فلاں کو واقع کا علم اور سمجھداری نہیں ہے۔ رہا یہ کہ کوئی بلا سوچے سمجھے یونہی کہہ دے' اور بلا دلیل اپنی رائے سے فیصلہ کر دے' تو یہ عظیم جرم ہے' جو جائز نہیں۔ اور مفتی نے واقع کو نہیں سمجھا' اس بات کا علم محتاج دلیل ہے' جسے علماء ہی جان سکتے ہیں''(1)۔

واقع کی عدم واقفیت کے جن مظاہر میں زیادہ تر باتیں ہوتی ہیں، ان میں بعض اہل علم وفضل پر یہ الزام بھی ہے کہ انہیں منافقوں اور بے دین' دنیا پرستوں (سیکولرسٹ) کی واقفیت نہیں ہے، لیکن یہ چیز معیوب نہیں ہے' کیونکہ امت میں منافق یا کافر و زندیق پائے جاتے ہیں' جنہیں علماء نہیں جانتے ہیں' نہ اُن کی حالت سے انہیں کوئی واقفیت ہوتی ہے' اس چیز سے عدم واقفیت اُن کے حق میں عیب و عار کا باعث نہیں ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ حلاج کی سیرت میں فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو آپ کی صحبت اور آپ کی ملت سے نسبت رکھتی تھی' حالانکہ وہ باطن میں ہٹ دھرم سرکش منافقین تھے' جنہیں اللہ کے نبی ﷺ نہیں پہچانتے تھے' نہ اُن کی بابت آپ کو کوئی علم تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنْ أَهْلِ ٱلْمَدِينَةِ مَرَدُوا۟ عَلَى ٱلنِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ

(1) مجلہ رابطہ عالم اسلامی شمارہ (۳۱۳)۔

سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾ [التوبۃ:۱۰۱]۔
اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں، آپ ان کو نہیں جانتے، ان کو ہم جانتے ہیں ہم ان کو دہری سزا دیں گے، پھر وہ بڑے بھاری عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔

چنانچہ جب سید البشر ﷺ کے لئے جائز رہا کہ آپ بعض منافقین کو نہ جان سکیں، جو برسوں تک آپ کے ساتھ مدینہ میں رہے، تو آپ ﷺ کے بعد دین اسلام سے فارغ منافقین کی ایک جماعت کی حالت کا آپ کی اُمت سے پوشیدہ رہ جانا بدرجہ اولیٰ ممکن ہے"[۱]۔

علماء کے بس میں لوگوں کے ظاہری احوال ہیں، اُن کا باطن اور اندرون اللہ عزوجل کے حوالے ہے:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَإِنَّ الوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا، أَمِنَّاهُ، وَقَرَّبْنَاهُ، وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ اللَّهُ يُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءًا لَمْ نَأْمَنْهُ، وَلَمْ نُصَدِّقْهُ، وَإِنْ قَالَ: إِنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ"[۲]۔

یقیناً کچھ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وحی کے ذریعہ پکڑا جاتا تھا، اب وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اب ہم تمہارا مواخذہ تمہارے ظاہری اعمال کی بنیاد پر

(۱) سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۴/ ۳۴۳)۔
(۲) صحیح بخاری، کتاب الشھادات، باب الشھداء العدول، (۳/ ۲۲۱)، ومسند احمد (قریبی الفاظ)، (۱/ ۱۴)۔

کریں گے، جو ہمارے سامنے خیر ظاہر کرے گا' ہم اسے سچا سمجھیں گے اور قریب کریں گے، ہمیں اُن کے باطن سے کوئی سروکار نہیں ہے' اللہ تعالیٰ اس کے باطن کا محاسبہ فرمائے گا، اور جو ہمارے سامنے برائی ظاہر کرے گا' ہم اس سے مامون نہ سمجھیں گے' نہ اسے سچا سمجھیں گے' اگر چہ وہ کہے کہ اُس باطن اچھا ہے۔

اور بعض لوگ کسی متبع سلف عالم کو بدعت سے متہم کرتے ہیں' جبکہ اُن کے پاس اس الزام کی کوئی دلیل و برہان نہیں ہوتی، اس قسم کے مسائل میں اہل سنت و جماعت' متبعین سلف کے معتبر علماء ہی کی رائے کا اعتبار ہوگا' ہر کس و ناکس کی رائے کا نہیں، اور اس اتہام کے سلسلہ میں دلائل و براہین پر غور کرنا واجب ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کہا گیا: اے ابو عبد اللہ! یحییٰ اور ابو عبید اُن کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کو، اُن کا اشارہ تشیع کی طرف ہے' کہ ان دونوں نے ان کی جانب تشیع کی نسبت کی ہے۔ تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہمیں نہیں معلوم کہ وہ دونوں کیا کہہ رہے ہیں، اللہ کی قسم! ہم نے ان میں بھلائی ہی دیکھی ہے''(۱)۔

پھر امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے پاس کے لوگوں سے کہا:

''اللہ تم پر رحم فرمائے، جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی کو جب کچھ خاص علم سے نوازتا ہے' جس سے اس کے ہم جولی اور ساتھی محروم ہوتے ہیں' تو وہ اُس سے حسد کرتے ہیں' اور اُس پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں' جس سے وہ بری ہوتا ہے' یہ اہل علم کی بڑی بری خصلت ہے''(۲)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) اسے امام بیہقی نے المناقب میں روایت کیا ہے، (۲/ ۲۵۹)، وسیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰/ ۵۸)۔

(۲) اسے امام بیہقی نے المناقب میں روایت کیا ہے، (۲/ ۲۵۹)، وسیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰/ ۵۸)۔

''جو یہ کہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں شیعیت کا رجحان تھا وہ جھوٹا ہے' نہ جانے کیا بک رہا ہے''[1]۔

نیز فرماتے ہیں: ''اگر وہ شیعی ہوتے- حالانکہ وہ اس سے بری ہیں-تو نہ کہتے کہ: خلفاء راشدین پانچ ہیں: اور صدیق اکبر سے شروع کر کے عمر بن عبدالعزیز پر ختم نہ کرتے''[1]۔

دوسرا دھوکہ:

یہ کہ عالم پر غلطی کا حکم وہ لگائے جو خود عالم نہ ہو' چنانچہ وہ آدمی عالم کو جہالت اور لاعلمی کی بنیاد پر غلط ٹھہرا دے' اور اس طرح وہ اللہ عزوجل اور اس کی مخلوق پر بلا علم بولنے والا قرار پائے، جبکہ علماء کی لغزشوں پر حکم لگانے کا اختیار عوام الناس اور نیم طلبہ کو نہیں' بلکہ ٹھوس اور مقتدر علماء کو ہے، چنانچہ یہ ایسے ہی ہے جیسے امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کہ یہ مجتہدین کی ذمہ داری ہے' کیونکہ موافق یا مخالف کا علم انہی کو ہے، اس مقام پر دیگر لوگوں کو کوئی جانچ پرکھ نہیں ہے''[2]۔

اب اگر آپ کہیں: کہ کیا غیر مجتہد طلبہ وغیرہ کے لئے کوئی ضابطہ ہے جس پر وہ اس بات کی معرفت کے لئے اعتماد کر سکیں کہ یہ علماء کی لغزشیں اور خطائیں ہیں؟ تو میں یہاں وہی بات کہوں گا جو امام شاطبی رحمہ اللہ نے اس سوال کے جواب میں کہی ہے:

''اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ایک تقریبی ضابطہ ہے' وہ یہ ہے کہ جو اقوال غلط اور لغزش شمار کئے گئے ہیں وہ شریعت اسلامیہ میں بہت کم ہیں، زیادہ تر معاملہ یہ ہے کہ غلطیوں لغزشوں والے لوگ اُن میں منفرد ہیں' اُن میں نادر ہی کوئی دوسرا مجتہد اُن کا ساتھ دیتا ہے،

---

(۱) سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰/ ۵۸-۵۹)۔

(۲) الموافقات، از امام شاطبی، (۴/ ۱۷۳)۔

لہذا جب کوئی بات کہنے والا عام امت سے منفرد ہو تو آپ کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ حق سواد اعظم کے ساتھ ہے' جو مجتہدین میں سے ہیں' نہ کہ مقلدین میں سے''[1]۔

یہ ضابطہ غالب اور اکثریت پر مبنی ہے' کلی ضابطہ نہیں ہے۔

بہرکیف علماء کو غلط اور خطا کار ٹھہرانے کا مرجع علماء مجتہدین ہیں (عوام یا نیم طلبہ نہیں)۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ: انہوں نے کچھ علماء سے اپنے علاقوں میں پائے جانے والے انحرافات کی شکایت کی' تو عالم نے انہیں نصیحت کی اور صبر کرنے کی تلقین فرمائی، اور بتایا کہ: ہر زمانہ کے بعد میں آنے والے پہلے والوں سے بدتر ہوں گے، ساتھ ہی انہیں ممکنہ شرعی وسائل کے ذریعہ دعوت واصلاح کی کوشش کرنے کا حکم دیا۔

جس سے ان لوگوں کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے عالم کو غلط اور خطا کار قرار دیا، کیونکہ اس عالم نے انہیں صبر کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ برائیوں کا سلسلہ جاری ہی رہے گا۔

یہ معاملہ جس میں ان لوگوں نے عالم کو غلط قرار دیا' عالم اس بات میں غلط اور خطا کار نہیں ہے' بلکہ جو صورتحال ان حضرات کو اس عالم کے ساتھ پیش آئی ہے' ایسی ہی صورتحال کچھ لوگوں کو کبار علماء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک عالم کے ساتھ پیش آئی تھی۔

زبیر بن عدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

''أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ، فَقَالَ: ''اصْبِرُوا، فَإِنَّهُ لاَ يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا وَالَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ، حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ'' سَمِعْتُهُ مِنْ نَبِيِّكُمْ ﷺ''[2]۔

(۱) الموافقات، از امام شاطبی، (۴ / ۱۷۳)۔

(۲) صحیح بخاری مع فتح الباری، کتاب الفتن، باب: لایاتی زمان إلا والذی بعدہ شر منہ، (۱۳ / ۲۲)۔

ہم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے حجاج کی جانب سے دی جانے والی ایذا رسانیوں کی شکایت کی، تو انہوں نے فرمایا: ''صبر کرو، کیونکہ جو بھی زمانہ تم پر آرہا ہے' اُس کے بعد والا اُس سے بدتر ہوگا، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو'' میں نے یہ بات تمہارے نبی ﷺ سے سنی ہے۔

جب علماء کی غلطیوں کا فیصلہ چھوٹے طلبہ کو سونپ دیا جائے گا تو خلط اور اشتباہ پیدا ہوگا، کیونکہ چھوٹے طلبہ پر معاملات مشتبہ ہو سکتے ہیں، چنانچہ کسی شخص پر دو مسئلے گڈ مڈ ہو جاتے ہیں' جس کے نتیجہ میں وہ ایک عالم پر ایک اجتہادی مسئلہ میں بدعتی ہونے کا حکم صادر کر دیتا ہے' کیونکہ اپنے گمان کے مطابق وہ اُسے دیگر مسئلہ سمجھتا ہے جس کا منکر اہل بدعت میں شمار کیا جائے گا۔

اس کی ایک مثال: شب معراج میں رسول اللہ ﷺ کے اپنے رب کے دیدار، اور قیامت کے دن مومنوں کے اپنے رب کے دیدار کا مسئلہ ہے۔

پہلا مسئلہ: یہ ہے کہ دیدار الٰہی کے مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے لوگوں میں اختلاف رہا ہے۔

دوسرا مسئلہ: یہ ہے کہ دیدار الٰہی کا منکر اہل بدعت وضلالت میں سے ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ- دونوں مسئلوں میں فرق بیان کرتے ہوئے- فرماتے ہیں:

''اس بات پر دلیل دلالت کرتی ہے کہ امکان کے باوجود دیدار نہیں ہوا ہے، چنانچہ ہم اس مسئلہ میں توقف کرتے ہیں، کیونکہ آدمی کے اسلام کا جمال یہ ہے لایعنی باتوں کو چھوڑ دے، کیونکہ اسے ثابت کرنا یا اس کی نفی کرنا مشکل ہے، سلامتی کی راہ توقف ہے، واللہ اعلم، جب کوئی چیز ثابت ہو جائے گی تو ہم کہیں گے، ہم اپنے نبی ﷺ کے لئے دنیا میں دیدار

ثابت کرنے والے یا نفی کرنے والے پر ڈانٹ اور سختی نہیں کرتے' بلکہ کہتے ہیں: کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ علم رکھتے ہیں (۱)۔ البتہ آخرت میں دیدار الٰہی کے منکر کے ساتھ سختی برتتے اور اسے بدعتی قرار دیتے ہیں، کیونکہ آخرت میں دیدار الٰہی بکثرت نصوص سے ثابت ہے"(۲)۔

بلکہ بسا اوقات کسی عالم پر بھی معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے' جس کے سبب وہ کسی مسئلہ میں دوسرے عالم کو غلط قرار دیتا ہے جبکہ وہ اس میں غلط نہیں ہوتا، اسی قبیل سے لفظ (قرآن) کے مسئلہ میں امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ کا امام بخاری رحمہ اللہ کو غلط ٹھہرانے کا واقعہ بھی ہے، کہ جب امام بخاری رحمہ اللہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے اس میں توقف اختیار کیا، جب توقف اختیار کیا اور حجت پیش کی کہ ہمارے افعال مخلوق ہیں، اور اس پر استدلال کیا، تو اُس سے امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ نے سمجھا کہ امام بخاری لفظ کے مسئلہ کی توجیہ کر رہے ہیں' لہٰذا ان کے خلاف کلام کیا، جبکہ انہوں نے اور دیگر لوگوں نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے قول سے لازم آنے والی بات کی بنا پر اُن کی گرفت کی"(۳)۔

جبکہ یہ لازم صحیح نہیں ہے' امام بخاری رحمہ اللہ ہی کی بات صحیح ہے، کیونکہ اُن کا مقصد بنفسہ

(۱) موضوع میں کوئی اشتباہ نہیں ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی شب میں اپنے رب کا دیدار نہیں کیا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح مسلم کی روایت میں اس کی صراحت فرمائی ہے، اور بتلایا ہے کہ آپ نے صرف نور دیکھا، اور صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث میں بتلایا ہے کہ: ہم میں سے کوئی بھی اپنے رب کو دنیا میں نہیں دیکھ سکتا' تا آنکہ اُس کی موت ہو جائے۔ اس بنا پر مسئلہ واضح اور دوٹوک ہے۔ یہ بات اس کے املاء کرانے والے عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے مورخہ ۲۱ / ۵ / ۱۴۱۴ھ کو کہی ہے۔

(۲) سیر اعلام النبلاء، (۱۰ / ۱۱۴)، نیز دیکھئے: زاد المعاد، از ابن القیم، (۳ / ۳۶-۳۸)۔

(۳) سیر اعلام النبلاء، از امام ذہبی، (۱۲ / ۴۶۵)۔

قرآن کے الفاظ نہیں ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے، بلکہ قرآن کے پڑھنے والے سے نکلنے اور سنائی دینے والی آواز مقصود ہے، جو بندوں کے افعال میں سے ہے، اور بلاشبہ بندے کے افعال جن میں اُن کی آوازیں اور الفاظ بھی ہیں مخلوق ہیں، البتہ اللہ عزوجل اپنے فعل اور کلام سمیت جس میں سے قرآن کریم بھی ہے مخلوق نہیں ہے، جلا فی علاہ [1]۔

تو امام بخاری رحمہ اللہ کا وہ معنیٰ مقصود نہیں ہے جو جہمیہ اور ان کے ہم مشرب لوگ مراد لیتے ہیں، بلکہ انہوں نے صحیح معنیٰ مراد لیا ہے جسے بخوبی واضح فرمایا ہے' اُن پر طعنہ و تشنیع کرنے والوں نے اپنی خواہش نفسانی کی بنیاد پر ایسا کیا ہے، گرچہ کہ امام بخاری - اللہ ان پر رحم فرمائے اور انہیں اپنی کشادہ جنتوں کا مکین بنائے- کے لئے بہتر یہی تھا کہ اس قسم کے الفاظ سے گریز کرتے جن سے امام احمد بن حنبل اور دیگر علماء سلف رحمہم اللہ نے منع کیا ہے۔

اہل علم کو غلط ٹھہرانے کے واقعات جن میں وہ خطا کار نہیں ہیں' بلکہ اُن سے نقل کردہ بات صحیح نہیں ہے' بکثرت ہیں، فضیلۃ الشیخ علامہ بکر بن عبد اللہ ابو زید رحمہ اللہ نے ''کشف الأجلۃ عن الغلط علی الأئمۃ'' [2] نامی اپنے رسالہ میں کچھ باتیں جمع فرمائی ہیں جو ائمہ کرام پر غلط طور سے نوٹ کی گئی ہیں؛ جس کا سبب یہ ہے کہ یا تو صحیح بات کچھ اور ہے یا سمجھنے کا ہیر پھیر ہے، چنانچہ ان میں سے کچھ غلط باتیں اپنی کتاب ''التعالم وأثرہ علی الفکر والکتاب'' میں ذکر کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی طرف شہرت کے ساتھ منسوب ہے کہ وہ حدود کے علاوہ میں عورت کے منصب قضاء پر فائز ہونے کے جواز کے قائل تھے۔

---

(۱) دیکھئے: فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، (۱۲/ ۳۶۴-۳۶۵)۔

(۲) اسے انہوں نے اپنی کتاب ''التعالم وأثرہ علی الفکر والکتاب'' ص (۱۰۲) میں ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں: ''یہ ان کا مذہب ہونے کے سلسلہ میں ان کی طرف غلط منسوب ہے، ان کا صحیح قول یہ ہے کہ امام المسلمین اگر عورت کو قضاء کی ذمہ داری سونپے تو وہ گنہ گار ہوگا، لیکن اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، سوائے حدود کے مسائل کے۔

لہٰذا اُن کے یہاں عورت کو ذمہ داری سونپنا اصلاً منع ہے''[1]۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی طرف شہرت کے ساتھ منسوب ہے کہ وہ زبانی نیت کے قائل تھے۔

فرماتے ہیں: ''یہ بات اُن کی طرف غلط منسوب ہے' جو اُن کے قول: ''نماز دیگر عبادات جیسی نہیں ہے' لہٰذا اس میں ذکر کے بغیر داخل نہیں ہوا جا سکتا'' کو غلط سمجھنے کے سبب آئی ہے۔

چنانچہ اُن کے مسلک کے پیروکاروں نے اس سے ''زبانی نیت کرنا'' سمجھ لیا، حالانکہ اُن کے قول میں ذکر سے مراد ''تکبیر تحریمہ'' ہے''[2]۔

(۱) ''التعالم وأثره على الفكر والكتاب''،ص (۱۰۲)۔

(۲) ''التعالم وأثره على الفكر والكتاب''،ص (۱۰۲)۔

ساتواں مبحث:
علماء کے لئے عذر تلاش کرنا

علماء کرام امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہترین حصہ ہیں اور جب ان کی اصلیت یہی ہے، تو ضروری ہے کہ ان کے لئے عذر تلاش کیا جائے اور ان کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے، کیونکہ مومن پر واجب ہے کہ ایمان، خیر و بھلائی، دین اور نیکی والوں کے بارے میں جب کسی قسم کی تہمت سنے تو ان کے بارے میں نیک گمان رکھے، واقعہ افک میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿لَّوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا۟ هَٰذَآ إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾﴾ [النور: ١٢]۔

اسے سنتے ہی مومن مردوں عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا صریح بہتان ہے۔

لہٰذا مومنوں سے حسن ظن رکھنا اور ان کے لئے عذر تلاش کرنا شریفانہ خصلت ہے، امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اپنے مسلمان بھائی کی زبان سے نکلنے والے کسی لفظ کو برا نہ سمجھو حالانکہ تمہیں اس کا کوئی نیک پہلو مل رہا ہو"[1]۔

---

(۱) اسے امام ابن کثیر نے تفسیر القرآن العظیم میں ذکر کیا ہے، (۴/ ۲۱۳)۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب تمہیں اپنے بھائی کی طرف سے کوئی تکلیف دہ بات پہنچے تو اُس کے لئے عذر تلاش کرو، اگر کوئی عذر نہ مل سکے تو کہو: کہ شاید کوئی عذر رہا ہوگا''(۱)۔

امام ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب تمہیں اپنے بھائی کی طرف سے کوئی ناگوار بات پہنچے تو اپنی طاقت بھر اُس کے لئے عذر تلاش کرو، اگر تمہیں کوئی عذر نہ مل سکے تو اپنے دل میں کہو: کہ شاید میرے بھائی کے پاس کوئی عذر رہا ہوگا جسے میں نہیں جان سکا''(۲)۔

یہ باتیں برادرانہ تعلقات میں ہیں تو بھلا آپ شاگرد کے اپنے استاذ کے ساتھ اور امت کے اپنے علماء کے ساتھ تعلقات کی بابت کیا کہیں گے، اس صورت میں تو معاملہ مزید تاکیدی ہو جاتا ہے۔

امام سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جب آدمی قابل اعتماد ہو اور اس کے ایمان و استقامت کی گواہی دی جاتی ہو تو اُس کی بات اور اُس کی تحریروں کے الفاظ کو اُس کے خلاف پہلو پر محمول کرنا مناسب نہیں، جو عام طور پر اُس سے اور اُس کے ہم مثل لوگوں کے سلسلہ میں معروف ہو، بلکہ مناسب توجیہ اور حسن ظن ہونا چاہئے جو اُس کے اور اُس جیسوں کے ساتھ واجب ہے''(۳)۔

---

(۱) اسے ابوالشیخ اصبہانی نے روایت کیا ہے، (۹۷)۔

(۲) اسے ابونعیم نے الحلیۃ میں روایت کیا ہے، (۲/ ۲۸۵)۔

(۳) قاعدۃ الجرح والتعدیل، (۹۳)، نیز ان نصوص کے سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں: ''نحو منہج شرعی فی تلقی الأخبار وروایتھا''، ص (۹۲-۹۷)۔

علماء کے لئے عذر تلاش کرنے میں فتنۂ خلق قرآن اور اس جیسے دیگر فتنوں میں عذاب وعقاب کے خوف سے خلافِ حق تسلیم کر لینے والوں کے لئے عذر تلاش کرنا بھی ہے، چنانچہ انہوں نے رخصت پر عمل کیا ہے۔ جو ایمان پر دل کے مطمئن ہونے کے ساتھ کلمۂ کفر کہہ دینے کی صورت میں ثابت ہے-، عالم بھی انسان ہے جسے خوف لاحق ہوتا ہے، لہٰذا بسا اوقات مار اور قید کے خوف سے پوشیدہ طور پر مطلوبہ بات کہہ دیتا ہے، اور اس طرح رخصت پر عمل کرتے ہوئے عزیمت کو چھوڑ دیتا ہے، جبکہ اُس عالم کے حق میں عزیمت ہی زیادہ مناسب اور سزاوار ہے کہ وہ اللہ واسطے اذیت پر صبر کرتا، تاکہ عوام الناس اُس کے قول وفعل سے فتنہ میں نہ پڑ جائیں:

امام مروذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے فوجیوں میں سے ایک شخص کو ابوعبداللہ سے کہتے ہوئے سنا: ابن المدینی آپ کو سلام کہتے ہیں، تو وہ خاموش رہے۔ تو میں نے ابوعبداللہ سے کہا: کہ مجھ سے عباس عنبری نے بیان کیا کہ علی بن المدینی نے کہا: اور انہوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور اس کے بارے میں کچھ کلام کیا، تو میں اُن سے کہا: یہ لوگ آپ سے قبول نہیں کریں گے، بلکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے قبول کریں گے۔ انہوں نے کہا: امام احمد رحمہ اللہ نے کوڑا جھیل لیا، لیکن میرے بس کی بات نہیں''[1]۔

ابراہیم بن عبداللہ الجنید فرماتے ہیں:

''میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے ہوئے سنا، اور ان کے یہاں علی بن المدینی کا ذکر کیا گیا، تو لوگ اُن کے سلسلہ میں باتیں کرنے لگے، میں نے کہا: وہ تو لوگوں کے نزدیک مرتد

(۱) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۱/ ۵۵)۔

ہی ہیں! انہوں نے کہا: نہیں وہ مرتد نہیں، بلکہ اپنے اسلام پر قائم ہیں، لیکن آدمی کو خوف لاحق ہوا تو کہہ دیا''[1]۔

ابن عمار موصلی فرماتے ہیں:

''مجھ سے علی بن المدینی نے کہا: جہمیہ کو کافر قرار دینے سے آپ کو کون سی چیز مانع ہے؟ جبکہ پہلے میں خود اُنہیں کافر نہیں سمجھتا تھا، لیکن جب علی بن المدینی نے آزمائش (فتنہ) میں بات مان لی، تو میں انہیں خط لکھ کر وہ بات یاد دلانے لگا جو اُنہوں نے مجھ سے کہا تھا، اور انہیں اللہ کی یاد دلانے لگا۔ تو ایک شخص نے مجھے اُن کے بارے میں بتلایا کہ جب انہوں نے میرا خط پڑھا تو رونے لگے۔ پھر بعد میں جب میری اُن سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا: تمہاری بات سے میرے دل میں کچھ نہ تھا' جس کے سبب میں نے ایک چیز مان لی، بلکہ مجھے خوف ہوا کہ قتل نہ کر دیا جاؤں، اور تم مجھے جانتے ہو کہ میں کتنا کمزور ہوں اگر مجھے ایک کوڑا بھی مارا جاتا تو میں مر جاتا، یا اس جیسی کوئی بات کہی''[2]۔

ابن عمار رحمہ اللہ اس کے بعد فرماتے ہیں:

''انہوں نے بطور دین نہیں مانا بلکہ ڈر کی وجہ سے مان لیا''[2]۔

امام حافظ ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ابو نصر تمار سے حدیثیں لکھنے کے قائل نہ تھے، نہ یحییٰ بن معین سے، نہ اُن لوگوں میں سے کسی سے جو آزمائش میں مبتلا ہوئے اور اُن کی بات مان لی''[3]۔

---

(۱) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۱/ ۵۵)۔

(۲) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۱/ ۵۵)۔

(۳) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۱/ ۸۷)۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ بڑا تنگ اور ناگزیر معاملہ ہے اور آیت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے آزمائش میں بات مان لینے والے بلکہ صریح کفر کہنے پر مجبور کئے جانے والے پر کوئی حرج نہیں، یہی بات حق ہے، اور یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ائمہ سنت میں سے ہیں، بس حکومت کے ایذا رسانی سے ڈر گئے لہذا چپکے سے مان لیا''[1]۔

پوری تاریخ میں علماء کرام سب سے زیادہ جس بات پر سخت قابل ملامت کا شکار رہے ہیں وہ حکام سے مال اور پیسے لینا ہے، لیکن عالم کے لئے فقر و محتاجگی، ضرورت، یا کوئی اور عذر تلاش کرنا ضروری ہے۔ بلکہ بسا اوقات عالم مالدار ہونے کے باوصف پیسہ لیتا ہے، جب بیت المال سے ملنا بند ہو جاتا ہے، یہ چیز محض ورع کے قبیل سے ہے جس کا ہر ایک کو پابند نہیں کیا جاسکتا۔ گرچہ کہ علماء لوگوں میں زہد و ورع کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

بشر بن عبد الواحد فرماتے ہیں:

''میں نے امام ابو نعیم کو خواب میں دیکھا، تو کہا: اللہ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ -یعنی حدیث بیان کرنے پر معاوضہ لینے کی بابت- انہوں نے جواب دیا: قاضی نے میری حالت پر غور کیا تو مجھے کثیر العیال دیکھ کر معاف کر دیا''[2]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ فقر و محتاجگی کے سبب حدیث بیانی پر بہت معمولی کچھ لیتے تھے۔

---

(۱) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۱/ ۸۷)۔

(۲) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰/ ۱۵۲)۔

ابن خشرم فرماتے ہیں: میں نے امام ابونعیم اصبہانی کو فرماتے ہوئے سنا: لوگ مجھ کو معاوضہ لینے پر ملامت کرتے ہیں، جبکہ میرے گھر میں تیرہ افراد ہیں، اور ایک روٹی بھی نہیں ہے۔

میں (ذہبی) کہتا ہوں: لوگوں نے انہیں امام وقت سے لینے پر ملامت کیا ہے' طلبہ سے لینے پر نہیں''[1]۔

اسی طرح جن باتوں میں عالم کے لئے عذر تلاش کیا جانا چاہئے: اُس کی اپنی طبیعت اور مزاج بھی ہے، مثلاً بسا اوقات عالم خاصہ نرم مزاج ہوتا ہے' اور اہل بدعت کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ حالانکہ اس کا حق تو یہ ہے کہ اُنہیں دیکھتے ہیں منہ بگاڑ لے۔ اور اُن سے گھلتا ملتا ہے، اس لئے نہیں کہ اُن کی حالت سے راضی اور خوش ہے' بلکہ اپنی طبیعت میں حد سے زیادہ نرمی اور تسامح کے سبب، چنانچہ جاہل اُس کی حالت سے گمان کرتا ہے کہ یہ عالم بدعتیوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کے سبب اُنہی میں سے ہے' حالانکہ وہ اُن میں سے نہیں ہوتا۔

امام واقدی ابن ابی ذئب کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، حد درجہ احتیاط کرنے والے اور افضل ترین لوگوں میں سے تھے، ان پر تقدیر کے انکار کی تہمت لگائی گئی ہے، حالانکہ وہ ایسے نہیں تھے، بلکہ اُن کی باتوں سے احتراز کرتے تھے اور بڑا بُرا سمجھتے تھے۔

البتہ وہ بڑے کرم نواز آدمی تھے، اُن کے پاس ہر آدمی بیٹھتا تھا اور انہیں گھیر لیتا تھا، لیکن وہ اسے بھگاتے تھے نہ کچھ کہتے تھے، اگر کوئی بیمار ہوتا تو اس کی تیمار داری کرتے تھے، چنانچہ لوگ اسی وجہ سے اور ان جیسے دیگر وجوہات کی بنا پر انہیں انکار تقدیر سے متہم

---

(۱) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰ / ۱۵۲)۔

کرتے تھے''[1]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ان کا حق تو یہ تھا کہ اُن کے سامنے منہ بگاڑ لیتے، لیکن شاید ایسا لوگوں کے ساتھ اُن کے حسن ظن کے سبب تھا''[2]۔

(۱) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۷/ ۱۴۰-۱۴۱)۔

(۲) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۷/ ۱۴۱)۔

آٹھواں مبحث:
علماء سے رجوع کرنا اور ان کی رائے سے کوئی بات کہنا، بالخصوص فتنوں میں

فتنوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان میں معاملات مشتبہ ہو جاتے ہیں، خلط ملط بڑھ جاتا ہے، عقل وفہم میں کجی آجاتی ہے، اور ایسی نازک صورتحال میں عصمت ونجات اس جماعت کو ہوتی ہے جس کی سرپرستی علماء کر رہے ہوں، لہٰذا لوگوں پر خواہ حاکم ہو یا رعایا، واجب ہے: کہ علماء کی رائے کو اپنائیں اور ان کے قول کی بنیاد پر کوئی بات کہیں۔

کیونکہ عمومی طور پر سبھی لوگوں کا فتنوں میں مشغول ہونے اور ان میں اپنی رائے ظاہر کرنے سے فتنوں کی آگ مزید بھڑکے گی اور امت میں تفرقہ جنم لے گا، لہٰذا امن وخوف کے عام مسائل کا مرجع اہل علم ورائے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ ٱلْأَمْنِ أَوِ ٱلْخَوْفِ أَذَاعُوا۟ بِهِۦ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ لَٱتَّبَعْتُمُ ٱلشَّيْطَٰنَ إِلَّا

قَلِيلًا ﴿٨٣﴾ [النساء: ۸۳]۔

جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (ﷺ) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

شیخ علامہ ابن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کو اُن کے اس غیر مناسب فعل پر سرزنش ہے' نیز یہ کہ انہیں چاہیے کہ جب اُنہیں عام مصلحتوں اور اہم مسائل میں سے کوئی معاملہ درپیش ہو جس کا تعلق مومنوں کی امن وسلامتی اور خوشی سے ہو' یا خوف واندیشہ سے ہو جو ان کی تکلیف ومصیبت کا باعث ہو' تو تحقیق وتاکد سے کام لیں اور اس خبر کو پھیلانے میں جلد بازی نہ کریں۔ بلکہ اُسے رسول ﷺ اور اپنے معاملات کے ذمہ داروں کے حوالہ کر دیں' جو علم، سوجھ بوجھ، خیر خواہی، عقل ودانش اور وقار وسنجیدگی والے ہیں' جنہیں معاملات کی معرفت اور مصالح ومفاسد کی پرکھ ہے' چنانچہ اگر وہ اُس خبر کو پھیلانے میں مسلمانوں کی مصلحت' چستی اور خوشی، نیز دشمنوں سے تحفظ محسوس کریں گے' تو پھیلائیں گے، اور اگر محسوس کریں گے کہ اُس میں مصلحت نہیں ہے' یا مصلحت ہے لیکن اس کا نقصان مصلحت سے زیادہ ہے' تو اُسے نہیں پھیلائیں گے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ﴾

(تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں)

یعنی اپنی فکر، درست رائے اور نیک علوم کے ذریعہ اُس معاملہ کی تہ میں اتر کر حقیقت معلوم کر لیتے۔

اور اس میں ایک اہم قاعدہ کی دلیل ہے، وہ یہ ہے کہ: جب کسی مسئلہ میں بحث چھڑ جائے تو اُسے اُس شخص کو سونپ دینا چاہیے جو اس کا اہل ہو بلکہ انہی کے سپرد کر دینا چاہیے، اُن سے آگے نہیں جانا چاہیے، کیونکہ یہ چیز درستی سے قریب تر اور غلطی میں پڑنے سے بچاؤ کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

اسی طرح اس میں معاملات کو سنتے ہی پھیلا دینے میں عجلت اور جلد بازی سے کام لینے کی ممانعت، نیز بات کرنے سے پہلے سوچنے کا حکم ہے، نیز اس میں غور و تامل کرنے کا حکم ہے کہ کیا وہ مصلحت ہے کہ انسان اُس میں اقدام کرے، یا مصلحت نہیں ہے کہ اُس میں قدم ڈالنے سے دور رہے[1]۔

ممکن ہے یہ بات حسب ذیل پہلوؤں سے مزید واضح ہو:

پہلا پہلو:

لوگوں کو فتنوں کے حالات میں متعین مسائل میں فیصلہ کرنے والے ائمہ دین کے نصوص کی ضرورت سے بڑھ کر، مصالح و مفاسد کی فقہ و سمجھ اور اُن کے مراتب کے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ عام گناہ و منکرات جو شرعی سیاست سے متعلق ہیں، وہ فی الغالب فتنوں کا سبب نہیں ہوتے، جیسے پاکی، نماز اور حج کے مسائل، اور شخصی مسائل میں حق کی سمجھ زیادہ تر تفصیلی دلائل پر موقوف ہوتی ہے، بلکہ اس کا علم چند امور پر موقوف ہوتا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

---

(۱) تیسیر الکریم الرحمن، از علامہ سعدی، (۲/ ۵۴-۵۵)۔

۱۔ عام شرعی دلائل اور قواعد جن کے تحت بہت ساری چیزیں آتی ہیں۔

۲۔ شریعت کے مقاصد۔

۳۔ مصالح ومفاسد کے درمیان موازنہ۔

۴۔ تفصیلی دلائل۔

جبکہ عوام بلکہ چھوٹے طلبۂ علم کے لئے بھی عمومی کلی مسائل کو سمجھنا ممکن نہیں ہوتا، اگرچہ ان کے لئے جزوی نصوص سمجھ لینا ممکن ہو۔ اسی طرح مقاصد شریعت کا سمجھنا ممکن نہیں، تا آنکہ مجمل نصوص اور شارع کے تصرف کو خوب ٹٹول اور چھان لیا جائے، کیونکہ مقاصد شریعت کی فقہ وسمجھ بڑی نادر اور انوکھی ہوتی ہے، اسے ہر ایک نہیں پاتا، بلکہ اس تک اسی کی رسائی ہوتی ہے جو علم کے زینے چڑھ چکا ہو، واقع حال سے آگاہ ہو، اور ممکنہ پیش آنے والے احتمالات میں خوب نظر دوڑا چکا ہو۔

اور مصالح ومفاسد کے مابین موازنہ کے لئے شریعت ومقاصد شریعت کی فہم نیز واقع حال اور مصالح ومفاسد کے مراتب کی سمجھ درکار ہوتی ہے، اور یہ چیزیں علماء ہی کے لئے ممکن ہیں، اسی لئے خضر علیہ السلام اپنے کئے ہوئے افعال کی جو مصلحتیں جانتے تھے، موسیٰ علیہ السلام کو ان کا علم نہیں تھا۔

علامہ ابن سعدی رحمہ اللہ موسیٰ وخضر علیہما السلام کے قصہ سے مستنبط فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان میں سے: وہ بڑا عظیم الشان قاعدہ بھی ہے کہ: ''بڑی برائی کو چھوٹی برائی سے دفع کیا (ٹالا) جائے گا، اور دو مصلحتوں میں سے چھوٹی مصلحت کو فوت کرکے بڑی مصلحت کی رعایت کی جائے گی''، کیونکہ بچے کا قتل کرنا برائی ہے، لیکن اس کا باقی رہ کر اپنے والدین کو

دین سے فتنہ میں مبتلا کرنا' اُس سے بڑی برائی ہے۔

اور بچے کا قتل کئے بغیر باقی رہنا اور اُس کا معصوم ہونا گرچہ خیر گمان کیا جاتا ہو؛ لیکن اُس کے والدین کے دین و ایمان کا باقی رہنا اُس سے بہتر تھا، اسی لئے خضر علیہ السلام نے اُسے قتل کر دیا۔

اور اس قاعدہ کے تحت اتنے فروع اور فوائد ہیں جو شمار سے باہر ہیں، چنانچہ تمام مصالح ومفاسد کی کثرت اور بھیڑ اسی میں داخل ہے[1]۔

اور جب معاملہ ایسا ہے تو اصلاح اسی کے لئے ممکن ہے جسے گناہ و منکر، اور اس کی اصلاح کے راستوں کا علم ہو، اور عام مسائل میں تو وہ صرف علماء ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کسی بات کا حکم اور منع وہی کر سکتا ہے جسے حکم و منع کی باتوں کا علم ہو، اور یہ چیز مسئلہ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، چنانچہ اگر وہ چیز ظاہری واجبات اور مشہور حرام امور میں سے ہو، جیسے صلاۃ، صیام، زنا، شراب وغیرہ تو تمام مسلمان ان باتوں کے عالم ہیں، اور اگر وہ چیز دقیق اقوال و افعال میں سے اور اجتہاد سے متعلق ہو تو اُن میں عوام کے لئے کوئی گنجائش نہیں' نہ اُنہیں انکار کی اجازت ہے، بلکہ یہ علماء کا کام ہے''[2]۔

دوسرا پہلو:

شرعی سیاست سے متعلق عام منکرات میں زیادہ تر جن پر نکیر کی جاتی ہے وہ حکمران ہوتے ہیں' اور عام لوگوں کو اُن پر اثر انداز ہونے کی قدرت نہیں ہوتی، اور شرعی احکام قدرت

---

(۱) تیسیر الکریم الرحمن، از علامہ سعدی، (۵/ ۷۰-۷۱)۔

(۲) شرح صحیح مسلم، (۲/ ۲۳)۔

واستطاعت سے متعلق ہیں، اور حقیقت میں جنہیں حکمرانوں پر اثر ڈالنے کی قدرت ہے وہ: علماءاور لوگوں میں بلند مقام وشرف اور وجاہت والے افراد ہیں، البتہ عوام الناس پر واجب ہے کہ وہ اُن کے معاون ومددگار بن کر رہیں۔ بلکہ ان عام منکرات ومعاصی کو بدلنے کے لئے عوام الناس کا پیش ہونا بسا اوقات بہت بڑے فساد کا سبب بن سکتا ہے۔

تیسرا پہلو:

ان جیسے مسائل میں معاملہ عوام کے پاس ہونا مسلمانوں کو ٹکڑوں میں بانٹ دے گا اور ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کردے گا؛ کیونکہ عوام الناس کے کسی ایک بات پر متفق ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا، تا آنکہ اُن میں کچھ اونچے اور بااثر لوگ ہوں' وہ جن کی رائے سے کوئی تصرف کریں، اسی لئے ارباب حل وعقد سے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

علامہ شیخ صالح فوزان حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہم پر واجب ہے کہ تاکد اور تحقیق کریں جلدی بازی سے کام نہ لیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں امت کے عام لوگوں سے متعلق خاص مسائل میں تثبت وتاکد کا حکم دیا ہے، اور صلح وجنگ اور عام مسائل میں معاملات کے ذمہ داروں اور بالخصوص علماء کو مرجع قرار دیا ہے، افراد امت کے لئے اُن میں دخل اندازی کرنا جائز نہیں؛ اس لئے کہ اس سے معاملہ میں انتشار برپا ہوگا اور اتحاد پارہ پارہ ہوجائے گا، اور موقع پرستوں کے لئے موقع فراہم ہوگا جو مسلمانوں کے لئے مصائب وآلام کی تاک میں رہتے ہیں''[1]۔

(۱) وجوب التثبت فی الأخبار وبیان مکانۃ العلماء، ص (۲۱)۔

چوتھا پہلو:

عام قضیوں میں انکار کی انجام دہی ایک عظیم مسئلہ کی سمجھ پر موقوف ہے، اور وہ ہے:

امکان اور عدم امکان:

یعنی کیا اس وسیلہ سے منکر کو بدلنا ممکن ہے یا نہیں؟

کیا منکر کو بدلنا، بشرطیکہ اس سے بڑا منکر پیدا نہ ہو، ممکن ہے یا نہیں؟

اور ممکن نہ ہونے کی صورت میں کیا مسلمان کے لئے یہ وسیلہ نہ اپنانا یا سرے سے تبدیلی نہ کرنا حلال ہوگا، جب تک کہ یہ صورتحال باقی رہے۔

اور امکان و عدم امکان کی تحدید جمہور یا عوام الناس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ کی شریعت کے علماء کے ذمہ ہے جو لوگوں کی واقعی صورتحال کا گہرا علم رکھتے ہیں۔

پانچواں پہلو:

عوام الناس کی رائے سمجھنا ممکن نہیں، بلکہ رائے جاننا بھی ممکن نہیں، مگر بایں صورت کہ معاملہ کو اُن کے بڑوں اور سرکردہ افراد کے سپرد کر دیا جائے، چنانچہ غزوۂ حنین میں قبیلہ ہوازن کے لوگ اموال غنیمت کی تقسیم کے بعد آکر اموال اور قیدیوں کو لوٹانے کا مطالبہ کرنے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دونوں چیزوں میں اختیار دیا، انہوں نے قیدیوں کو اختیار کیا، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّ إِخْوَانَكُمْ هَؤُلاَءِ جَاءُونَا تَائِبِينَ وَإِنِّي رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ ذَلِكَ، فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللَّهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ"، فَقَالَ النَّاسُ: طَيَّبْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ، فَقَالَ لَهُمْ: "إِنَّا لاَ نَدْرِي مَنْ أَذِنَ

مِنكُمْ فِيهِ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ''، فَرَجَعَ النَّاسُ، فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ طَيَّبُوا وَأَذِنُوا''[1]۔

یہ تمہارے بھائی ہمارے پاس تائب ہو کر آئے ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ انہیں ان کے قیدی واپس کر دوں۔ اس لئے تم میں سے جو اپنی خوشی سے واپس کرنا چاہیں وہ واپس کر دیں، اور جو یہ چاہتے ہوں کہ اپنے حصے کو نہ چھوڑیں، یہاں تک کہ ہم انہیں اس کے بدلے میں سب سے پہلی غنیمت کے مال میں سے معاوضہ دیں، تو وہ بھی واپس کر دیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، اے اللہ کے رسول! ہم اپنی خوشی سے انہیں واپس کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم صحیح طور پر نہیں جانتے کہ کون اپنی خوشی سے دینے کے لئے تیار ہے کون نہیں، اس لئے سب لوگ واپس جائیں اور تمہارے نمائندے (بڑے ذمہ داران) تمہارا فیصلہ ہمیں آ کر بتلا دیں۔ چنانچہ لوگ واپس گئے اور ان کے نمائندوں نے ان سے گفتگو کی پھر واپس آ کر نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ تمام لوگوں نے بخوشی اجازت دے دی ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے عوام الناس کی رائے کو ان کے ذمہ داروں اور سرداروں کے حوالے فرمایا۔

❁ ❁ ❁

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الوکالۃ، باب إذا وھب شیئاً (۳/ ۶۰)، وکتاب المغازی، باب قول اللہ تعالیٰ: ''ویوم حنین ---'' (۵/ ۹۹-۱۰۰)، ومسند احمد (۴/ ۳۲۶-۳۲۷)، وسنن ابو داود، کتاب الجہاد، باب فی فداء الأسیر بالمال، (۳/ ۹۲)، حدیث (۲۶۹۳)۔

نواں مبحث:

ایسا کوئی نہیں جس کے بارے میں کلام نہ کیا گیا ہو، لہٰذا تحقیق ضروری ہے

علماء کی سیرت وسوانح بلکہ پوری انسانی تاریخ میں غور کرنے والے کو کوئی ایسا نہیں ملے گا جو نمایاں ہوا ہو اور اُس کی بابت اختلاف نہ کیا گیا ہو، چنانچہ اس امت میں جو شخص بھی نمایاں ہوتا ہے' محل کلام وگفتگو بن جاتا ہے، ایک گروہ اس کی تعظیم کرتا اور درست ٹھہراتا ہے' جبکہ دوسرا گروہ اس کی تحقیر کرتا، غلط ٹھہراتا اور گنہ گار بتلاتا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے حسین بن منصور حلاج - اللہ تعالیٰ اُسے کیفر کردار کو پہنچائے - کی سوانح بیان کرتے ہوئے اس سلسلہ میں بڑی لمبی اور عمدہ گفتگو فرمائی ہے، نیز یہ کہ کچھ لوگوں نے اس کے سلسلہ میں ولایت کا عقیدہ رکھا حالانکہ وہ کفر والحاد اور بے دینی کا داعی وعلمبردار تھا، چنانچہ میں اہمیت کے پیش نظر اُن کی لمبی گفتگو ذکر کرتا ہوں، فرماتے ہیں:

''اے فقیہ! آپ کے لئے مناسب نہیں کہ کسی قطعی دلیل کے بغیر، مسلمان کی تکفیر میں جلد بازی سے کام لیں' اسی طرح آپ کے لئے روا نہیں کہ اُس شخص کے بارے میں ولایت وعرفان کا عقیدہ رکھیں جس کا کھوٹا پن ثابت ومبرہن' اور اس کا باطن اور اس کی زندیقی عیاں

ہو، نہ یہ درست ہے نہ وہ، بلکہ انصاف یہ ہے کہ جسے مسلمان نیک اور صالح سمجھیں وہ ویسے ہی ہے؛ کیونکہ مسلمان دنیا میں اللہ کے گواہ ہیں، اس لئے کہ امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی، اور مسلمان جسے فاجر و بدکردار یا منافق یا باطل پرست سمجھیں وہ بھی ویسے ہی ہے۔

اور جسے امت کا ایک طبقہ گمراہ قرار دیتا ہو جبکہ امت کا دوسرا طبقہ اس کی تعریف و ستائش کرتا ہو، اور ایک تیسرا طبقہ اس کے بارے میں توقف کرتا ہو اور اس کی ناقدری سے احتیاط برتتا ہو تو ایسے شخص سے مناسب یہ ہے کہ کنارہ کشی اختیار کی جائے اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا جائے، اور بالجملہ اُس کے لئے استغفار کیا جائے؛ کیونکہ اس کا اسلام تو اصلی اور یقینی ہے، لیکن اس کی گمرہی مشکوک ہے اس طریقہ سے آپ راحت میں رہیں گے اور آپ کا دل مومنوں کے لئے کینہ و کدورت سے پاک رہے گا۔

اسی طرح یہ بھی جان لیں کہ تمام اہل قبلہ خواہ مومن ہوں یا فاسق، سنی ہوں یا بدعتی کسی نے بھی -سوائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے- کسی مسلمان کے بارے میں اس بات پر اتفاق نہیں کیا ہے کہ وہ نیک بخت اور نجات یافتہ ہے، نہ ہی کسی مسلمان کی بابت اس بات پر متفق ہوئے ہیں کہ وہ بدبخت اور تباہ و برباد ہے؛ یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امت کی یگانہ اور منفرد ہستی ہیں اُن کے بارے میں لوگوں کی تفرقہ بازی معلوم ہے، اسی طرح عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم ہیں، اسی طرح حجاج، مامون، بشر مریسی، اور امام احمد بن حنبل، شافعی، بخاری، نسائی رحمہم اللہ ہیں، اور اسی پر آج تک خیر و شر کے دیگر اعیان کو قیاس کر لیں، جو بھی خیر و بھلائی میں کامل امام ہوگا کچھ جاہل مسلمان اور بدعتی حضرات ضرور اُس کی مذمت اور ناقدری کریں گے، اسی طرح جو بھی جہمیت اور رافضیت کا سرغنہ ہوگا کچھ لوگ اُس کی تائید و حمایت اور دفاع کرنے والے ضرور ہوں گے، اور جہالت و خواہش نفس کی بنیاد پر اس کی بات کو

دین سمجھیں گے، حالانکہ اعتبار جمہور کے قول کا ہے جو خواہش نفسانی اور جہالت سے خالی اور علم و ورع سے متصف ہیں، لہٰذا اے اللہ کے بندے! حلاج جو قرامطہ کے سرغنوں اور کفر و زندیقی کے داعیان میں سے ہے، کے دین وعقیدہ پر غور کرو، اور انصاف و احتیاط سے کام لو، اُس سے بچو، اور اپنی ذات کا محاسبہ کرو، اور اگر آپ پر ظاہر ہو- اللہ کی پناہ- کہ وہ- اس حالت کے باوصف- حق پرست ہدایت یافتہ رہنما تھا! تو اپنے اسلام کی تجدید کرو اور اپنے رب سے فریاد کرو کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حق کی توفیق بخشے اور آپ کے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھے، کیونکہ ہدایت ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ مسلم کے دل میں ودیعت فرماتا ہے، اور اللہ کے بغیر کوئی قوت و اختیار نہیں، اور اگر آپ شک میں ہوں' آپ پر اس کی حقیقت آشکارا نہ ہو، اور آپ اُس پر لگے اتہامات سے اعلان براءت کرلیں تو آپ نے اپنی ذات کو سکون و راحت پہنچا لیا، اللہ تعالیٰ نے اُس کی بابت آپ سے سرے سے کوئی سوال نہیں کرے گا''[1]۔

یقیناً لوگوں کی رضامندی ایک ناقابل حصول مقصد ہے' جبکہ اُن سے بچنے کا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لوگوں سے سلامتی کا کوئی راستہ نہیں ہے' لہٰذا اپنی بھلائی کی راہ ڈھونڈ کر اُسے لازم پکڑو''[2]۔

یقیناً جس کی بابت کلام کیا گیا ہے اگر وہ نمایاں لوگوں میں سے ہو اور اسے ولی سمجھا جاتا ہو' حالانکہ حقیقت میں وہ نہایت شریر اور ملحد و بددین ہو' تو لوگوں سے یہ پردہ کھل جائے گا

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، (۱۴/ ۳۴۳-۳۴۵)۔

(۲) آداب الشافعی، از امام بیہقی ص (۲۷۸-۲۷۹)، نیز سیر أعلام النبلاء، (۱۰/ ۴۲)، و(۱۰/ ۸۹)۔

اور اُس کا معاملہ واضح ہو جائے گا، جلد ہی اللہ تعالیٰ اُس کے لئے امت میں ایسے ماہرین فن ژرف نگاہ، تجربہ کار نقاد علماء پیدا کرے گا جو اُس کا عیب فاش کر دیں گے، اور یہ بات ابن عربی اور حلاج وغیرہ ملحدین کے سلسلہ میں ظاہر و باہر ہے۔

اور اگر جس کی بابت کلام کیا گیا ہو وہ امت کے نمایاں لوگوں میں سے ہو اور اس میں برائی محسوس کی جاتی ہو، اور کچھ لوگوں نے اس پر طعنہ زنی اور اس کی عیب جوئی کی ہو حالانکہ درحقیقت وہ خیر و بھلائی، نیکی، تقویٰ اور دین میں امامت رکھنے والا عالم ہو تو اس پر عائد کردہ الزامات و اتہامات اُسے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے، اُس کی مثال اس پہاڑ جیسی ہے جسے چیخنے والوں کی چیخ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا:

حسین کرابیسی فرماتے ہیں:

''جو لوگ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی برائیاں کرتے ہیں ان کی مثال اُن لوگوں جیسی ہے جو جبل ابو قبیس کے پاس آ کر اُسے اپنے جوتوں سے ڈھانا چاہتے ہوں''(۱)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کی سیرت میں لکھتے ہیں:

''کچھ لوگوں نے اُن کی تنقیص کرتے ہوئے اُن کی عیب جوئی کی، تو اُس سے اُن کی عظمت و بلندی اور بڑھ گئی، اور انصاف پسندوں کے سامنے عیاں ہو گیا کہ اُن کی بابت اُن کے ہمجولیوں کی باتیں خواہش نفس کی بنیاد پر تھیں، اور جو بھی امامت میں نمایاں ہوتا ہے اور اپنے مخالف کی تردید کرتا ہے اُس سے ضرور عداوت رکھی جاتی ہے، ہم خواہش نفسانی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں''(۲)۔

---

(۱) بحوالہ: سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۱/ ۲۰۴)۔

(۲) سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰/ ۸-۹)۔

نیز فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کی سیرت میں لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں: جب اکابرین سلف جیسے لوگوں کے بارے میں خوارج اور روافض نے کلام کیا ہے، اور فضیل جیسی شخصیت پر کلام کیا جاسکتا ہے، تو بھلا لوگوں کی زبانوں سے کون بچ سکے گا لیکن جب آدمی کی امامت وفضیلت ثابت ہو تو اُس کے بارے میں کہی گئی باتوں سے اُسے کوئی نقصان نہیں ہوتا، دراصل علماء کی ذات پر کیا گیا کلام عدل واحتیاط کے ذریعہ تولے جانے کا محتاج ہوتا ہے''(1)۔

❁❁❁

ایک شخص کی بابت ان متناقض اقوال میں درست اور نیک موقف ''تحقیق وتاکد'' ہے۔

چنانچہ علماء اور نمایاں لوگوں کی غلطیاں لوگوں کے درمیان نقل ہوتی رہتی ہیں جنہیں تحقیق وتاکد کے بغیر دور ونزدیک کے لوگ سنتے ہیں، حالانکہ اس سلسلہ میں واجب یہ ہے کہ آدمی تحقیق وتثبت کرلے؛ کیونکہ کتاب وسنت کے لائے ہوئے اسلامی اخلاق میں سے ایک خلق ''تحقیق وتاکد'' ہے، یعنی کسی بات کو پھیلانے اور عام کرنے سے پہلے اُس کی جانچ پڑتال اور سچائی کی تحقیق کرلینا، اور یہ تحقیق گرچہ کہ ہر حال میں سنت جاریہ ہے، لیکن دو حالتوں میں مزید تاکیدی ہوجاتی ہے:

پہلی حالت: کوئی قرینہ پایا جائے جس سے خبر کی سچائی مشکوک ہو، مثلاً کہنے والا فاسق ہو، یا بات غریب اور انھونی ہو، یا قطعی دلیل سے ثابت کسی بنیادی اصول کو توڑنے والی ہو۔

اور علماء کے بارے میں کلام ان میں سے کسی ایک قرینہ سے خالی نہ ہوگا، کیونکہ اُمت کی گواہی سے علماء کی عدالت وفضیلت ثابت ہوچکی ہے:

(1) سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۸/ ۴۴۸)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمۡ فَاسِقُۢ بِنَبَإٖ فَتَبَيَّنُوٓاْ أَن تُصِيبُواْ قَوۡمَۢا بِجَهَٰلَةٖ فَتُصۡبِحُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلۡتُمۡ نَٰدِمِينَ ٦﴾ [الحجرات:٦]۔

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کسی قوم کو ایذا پہنچادو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یعنی ٹھہرو یہاں تک کہ تمہیں اس خبر کی صحت کا علم ہوجائے، اُس کو ماننے میں جلدی نہ کرو۔۔۔تاکہ اپنی نادانی کے سبب کسی قوم پر ناحق زیادتی نہ کر بیٹھو، جو اپنے اوپر لگائی گئی تہمت سے بری ہوں، ﴿فَتُصۡبِحُواْ عَلَىٰ مَا فَعَلۡتُمۡ نَٰدِمِينَ﴾ (پھر اپنے کئے پر پشیمانی اٹھاؤ) یعنی اُن پر زیادتی وایذا رسانی کے سبب تمہیں ندامت اٹھانی پڑے"[1]۔

دوسری حالت: فتنہ و فساد اور برائیوں کا ظہور، حالات کا اُتھل پتھل، اور ذہنی تشویش وغیرہ، کیونکہ جب یہ چیز کسی بھی دور میں پیش آتی ہے تو شرور وفتن کے دور کے تقاضہ یعنی بہ کثرت جھوٹ اور افترا پردازی کے ماحول میں تحقیق وجستجو کو واجب قرار دیتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا جَآءَهُمۡ أَمۡرٞ مِّنَ ٱلۡأَمۡنِ أَوِ ٱلۡخَوۡفِ أَذَاعُواْ بِهِۦۖ وَلَوۡ رَدُّوهُ إِلَى ٱلرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ ٱلَّذِينَ يَسۡتَنۢبِطُونَهُۥ مِنۡهُمۡۗ وَلَوۡلَا فَضۡلُ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهُۥ لَٱتَّبَعۡتُمُ ٱلشَّيۡطَٰنَ إِلَّا قَلِيلٗا ٨٣﴾ [النساء:٨٣]۔

(١) جامع البیان عن تاویل آی القرآن، (٢٦/ ١٢٣-١٢٥)۔

جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا، حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (ﷺ) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔

چنانچہ یہ آیت کریمہ ان لوگوں پر نکیر کرتی ہے، جن کے پاس (جب مسلمانوں کے سریہ (فوج) کی بابت کوئی خبر آتی تھی کہ وہ اپنے دشمنوں سے محفوظ ہیں تو وہ اُسے پھیلا دیتے تھے، اللہ فرما رہا ہے کہ یہ اُسے رسول اللہ ﷺ اور رسول اللہ ﷺ کے سریوں (فوجوں) کے امراء سے پہلے ہی فاش کر دیتے تھے)[1]۔

جبکہ اُن پر واجب تھا کہ تحقیق کریں اور اللہ کے رسول ﷺ اور ذمہ داروں کے حوالے کر دیں۔

اور فتنوں کے حالات میں ذاتوں اور شخصیتوں پر "طعنہ زنی" بکثرت ہوتی ہے، بلکہ سابقین امت اور اُن کے علماء و ذمہ داروں پر "طعنہ زنی" فتنوں کے مقدمات میں سے ہے: اور اس چیز کا اعتبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین رونما ہونے والے فتنوں میں بھی ہے، کیونکہ ان فتنوں کا آغاز ہی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعنہ زنی سے ہوا تھا۔

عقلمند کو چاہیے کہ بہت سارے لوگوں میں منتقل ہونے کی والی بات سے دھوکہ نہ کھائے، اور باہم نقل کیے جانے کو معاملہ کی سچائی کی دلیل نہ بنائے۔

ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) تفسیر جامع البیان، از امام طبری، (۵/ ۱۸۰)۔

''عوام الناس ہمیشہ حسن ظن کی بہ نسبت سوء ظن کی طرف تیز تر ہوتے ہیں ۔۔۔لہذا ہر کہی جانے والی بات کی تصدیق نہ کریں اگر چہ آپ نے ایک ہزار زبانوں سے سنا ہو، جب تک کہ آپ اُسے عینی مشاہد سے نہ سن لیں، اور عینی مشاہد کی بھی تصدیق نہ کریں جب تک کہ اس کے مشاہدہ کی تحقیق نہ کرلیں، اور مشاہدہ کی تحقیق کی بھی تصدیق نہ کریں جب تک کہ اُس شخص کے مفاد پرستی اور خواہش نفسانی سے بری ہونے کا یقین نہ کرلیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں گمان سے منع کیا ہے، اور اُسے گناہ قرار دیا ہے' جو حق سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرسکتا''[1]۔

اگر لوگ آپس میں نقل ہونے والی خبروں کی تحقیق کا التزام واہتمام کرلیں تو لوگوں پر طعنہ زنی اور ان پر ناحق بہتان تراشیوں سے محفوظ ہو جائیں۔

یقیناً تحقیق و تاکد آدمی کے تقویٰ اور خوفِ الٰہی کی دلیل ہے، اسی لئے سلف صالحین رحمہم اللہ شخصیتوں پر حکم لگانے کے مسائل میں تحقیق و تاکد کرنے والے کی مدح وستائش کیا کرتے تھے۔

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا جو یحییٰ بن سعید سے زیادہ کسی خوشامد کے بغیر لوگوں کو پرکھنے والا اور شخصیتوں کے معاملات میں سخت تحقیق کرنے والا ہو''[2]۔

❁ ❁ ❁

اور تحقیق وتثبت میں یہ بھی ہے: کہ نقل (حوالہ) ثابت ہونے کے بعد غلطی کے ثبوت کی بھی تحقیق کی جائے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ سننے والے نے غلط سمجھ لیا ہو، یا اُس کے قول کی بنیاد اٹکل

---

(۱) اخلاقنا الاجتماعیۃ، ص(۶۰)۔

(۲) سیر اعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰/ ۱۵۴)۔

پچو ہو، یا حسد اور نفسانی مقاصد وخواہشات ہوں، یا لوگوں کے اقوال کے حقائق سے لاعلمی اور صحیح طور پر نہ سمجھنا ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''بہت سے نقل کرنے والوں کا مقصد جھوٹ نہیں ہوتا، بلکہ لوگوں کے اقوال اور مقصود کی معرفت کے لئے دیگر مطلوبہ پہلوؤں کو نقل کئے بغیر' اُن کے اقوال کی حقیقت کی معرفت بسا اوقات بعض لوگوں کے لئے دشوار اور بعض لوگوں کے لئے مشکل ہو جاتی ہے''(۱)۔

امام بکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میں نے بارہا ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو کوئی لفظ سنتے ہیں اور اُسے اُس کے مقصود کے علاوہ سمجھتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کتاب، مولف، اُس کے ساتھ رہنے والے اور اُس کا طریقہ اپنانے والے سب پر اُس بات کو بدل دیتے ہیں۔۔۔۔ حالانکہ مولف کا مقصود وہ نہیں ہوتا جہاں تک اس شخص کی رسائی ہوتی ہے''(۲)۔

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، (۶/ ۳۰۳)۔

(۲) قاعدۃ فی الجرح والتعدیل ص (۹۳)۔

دسواں مبحث:

حکم لگانے میں فضائل کی کثرت کا اعتبار ہے

شریعت، عقل اور عرف میں یہ بات ثابت اور طے ہے کہ انسانوں میں کوئی بھی غلطیوں سے معصوم نہیں ہے' سوائے اللہ عزوجل کی طرف سے تبلیغ شریعت میں انبیاء ورسل علیہم السلام کے' لہٰذا غلطی بشری طبیعت ہے' اور اس سلسلہ میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ ایک قسم وہ ہے جو غلطی کرتی ہے اور اس کی غلطی بہت کم یا اس کی درستی کے بالمقابل غیر مقصود ہے؛ لہٰذا اس میں اصل درستی کی جستجو ہے۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے درست کرتی ہے اور اس کی درستی بہت معمولی یا اس کی غلطی کے بالمقابل غیر مقصود ہے' لہٰذا اس میں اصل غلطی میں پڑنا اور حق سے انحراف ہے۔

اور اس امت کے معتبر علماء پہلے طبقہ سے ہیں، کیونکہ وہ بالجملہ عادل ہیں' جیسا کہ کتاب کے آغاز میں ذکر کردہ آیات دلالت کناں ہیں، بنا بریں علماء کرام اس امت کے چنندہ و بہترین لوگ ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمارے نبی محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے ہر امت کے علماء بدترین لوگ تھے، سوائے مسلمانوں کے، کہ ان کے علماء بہترین لوگ ہیں' کیونکہ وہ امت میں رسول ﷺ کے جانشین

اور آپ کی مردہ سنتوں کو زندہ کرنے والے ہیں، اُنہی سے کتاب قائم ہوئی اور اسی سے اُن کا مقام بنا، اُنہی سے کتاب کا پیغام عام ہوا اور اسی کی انہوں نے دعوت دی''[1]۔

اور جب اس امت کے علماء کا مقام یہ ہے تو اُن کی ڈھیر ساری درستی میں معمولی سی غلطی کو درگزر کیا جانا ضروری ہے، اور اس میں اُن کی غالب حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کوئی عالم یا بلند مقام یا صاحب فضل ایسا نہیں ہے جس میں کوئی عیب نہ ہو، لیکن جس کی فضیلت اُس کے عیب سے زیادہ ہوگی، اُس کی فضیلت کے سبب اُس کا نقص ختم ہو جائے گا، اسی طرح جس پر عیب و نقص غالب ہوگا اُس کی فضیلت جاتی رہے گی''[2]۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بعض سلف کا یہ قول نقل کیا ہے:

''عالم غلطی سے محفوظ نہیں رہ سکتا، لہٰذا جس کی غلطی کم درستی زیادہ ہو وہ عالم ہے، اور جس کی درستی کم غلطی زیادہ ہو وہ جاہل ہے''[3]۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کوئی شخص غلطی سے بچ نہیں سکتا، لہٰذا اگر آدمی زیادہ تر یاد رکھتا ہو، تو وہ حافظ ہے، اگرچہ غلطی کرے، اور اگر زیادہ تر غلطیاں کرے تو اُسے ترک کر دیا جائے گا''[4]۔

امام ابو حاتم ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) رفع الملام عن الأئمۃ الأعلام ص (۱۱-۱۲)۔

(۲) اسے ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۲/۴۸)۔

(۳) اسے ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۲/۴۸)۔

(۴) اسے خطیب بغدادی نے الکفایۃ میں روایت کیا ہے، ص (۱۷۴)۔

"کسی پختہ حفظ صحیح العدالۃ شیخ کی حدیث کو محض اُس کی روایت میں بعض اوہام کے سبب ترک کر دینا انصاف نہیں ہے' اگر ہم یہ منہج اپنائیں گے تو ہم پر امام زہری، ابن جریج، ثوری اور شعبہ کی حدیثیں ترک کرنا لازم آئے گا؛ کیونکہ یہ حفظ و اتقان والے ہیں، جو اپنی یاد داشت سے حدیثیں بیان کرتے تھے، معصوم نہیں تھے کہ روایات میں اُن سے بھول چوک بھی نہ ہو۔ بلکہ اس جیسی صورتحال میں احتیاطی اور مناسب بات یہ ہے کہ پختہ حفظ والوں کی روایتیں قبول کی جائیں اور جس میں صحیح طور پر ثابت ہو کہ اُس سے وہم ہوا ہے اُسے چھوڑ دیا جائے، تا آنکہ یہ وہم اسقدر نہ بڑھ جائے کہ اُس کی درستی پر غالب آجائے، اور اگر ایسا ہو جائے گا تو مستحق ترک ہوگا"(۱)۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"۔۔۔جس کے پاس شریعت اور واقع کا علم ہے' وہ بخوبی جانتا ہے کہ وہ محترم شخص جس کے اسلام میں نیک قدم اور اچھے کارنامے ہیں' اور اسلام اور مسلمانوں میں اس کا ایک مقام ہے' اُس سے کوئی چوک یا لغزش ہونا ممکن ہے' جس میں وہ معذور بلکہ اپنے اجتہاد کے سبب مستحق اجر بھی ہے' چنانچہ نہ اُس غلطی میں اُس کی اتباع جائز ہے' نہ ہی یہ جائز ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اُس کی امامت اور مقام و مرتبہ ضائع کر دیا جائے"(۲)۔

نیز فرماتے ہیں:

"۔۔۔اگر ہر غلطی اور خطا کرنے والے کو پورے طور پر چھوڑ دیا جائے اور اُس کی خوبیوں کو ضائع کر دیا جائے تو تمام علوم، صنعتیں اور حکم وفیصلے تباہ' اور اُن کے روشن نشانات ناپید ہو کر رہ

---

(۱) الثقات، از امام ابن حبان، (۷/ ۹۷-۹۸)۔

(۲) إعلام الموقعین، (۳/ ۲۸۳)۔

جائیں گے''[1]۔

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''انصاف ور اور عدل پرور وہ ہے جو آدمی کی بے شمار اچھائیوں میں معمولی سی غلطی کو درگزر کردے''[2]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہم سنت اور اہل سنت سے محبت کرتے ہیں، اور اتباع سنت اور اوصاف حمیدہ کے مطابق عالم سے محبت کرتے ہیں' البتہ روا تاویل کی بنیاد پر جو اس کے یہاں بدعت ہے اُس سے محبت نہیں کرتے، البتہ اعتبار خوبیوں کی کثرت کا ہے''[3]۔

نیز محمد بن نصر مروزی کی سیرت میں فرماتے ہیں:

''جب بھی کوئی امام کسی مسئلہ میں اجتہادی غلطی کرے گا' جو اُس کی اجتہادی غلطی معاف ہے' اگر ہم اُس سے پیچھے پڑ جائیں گے، اور اُسے بدعتی قرار دے کر اُس سے قطع تعلق کرلیں گے تو ہم سے کوئی محفوظ نہ رہے گا، نہ ابن نصر، نہ ابن مندہ، نہ اُن دونوں سے بڑا کوئی امام! اللہ تعالیٰ ہی مخلوق کو حق کی ہدایت دینے والا، اور وہی سب سے زیادہ مہربان ہے، لہٰذا ہم خواہش نفس اور بدزبانی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں''[4]۔

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی سیرت میں فرماتے ہیں:

''اگر ہم ہر ایک کی جس سے -ایمان کی درستی اور اتباع حق کی جستجو کے ساتھ- کوئی

---

(۱) مدارج السالکین، (۲/۳۹)۔

(۲) القواعد،ص (۳)۔

(۳) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۲۰/۴۶)۔

(۴) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۴/۴۰)۔

اجتہادی غلطی ہوجائے تو ہین کریں گے اور اُسے بدعتی قرار دیں گے، تو ائمہ کرام میں سے ہمارے پاس کوئی محفوظ نہ رہے گا، اللہ تعالیٰ اپنے احسان و کرم سے سب پر رحم فرمائے"[1]۔

نیز قتادہ رحمہ اللہ کی سیرت میں لکھتے ہیں:

"شاید اللہ تعالیٰ ان جیسوں کو معذور قرار دے، جو کسی بدعت میں ملوث ہوئے، جس سے ان کا مقصد باری تعالیٰ کی تعظیم اور اُسے عیوب سے مبرا کرنا تھا، اُس کے لئے اُنہوں نے پوری کوشش صرف کردی، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان انصاف ور فیصلہ کرنے والا ہے، وہ جو کرتا ہے اُس کی بابت سوال نہیں کیا جاسکتا۔ پھر جب علم کے کسی بڑے امام کی درستی زیادہ ہو، اس کی حق جوئی معلوم ہو، اس کا علم وسیع ہو، ذہانت عیاں ہو، اُس کی نیکی، احتیاط اور اتباع سنت معروف ہو، تو اُس کی لغزشوں کو درگزر کیا جائے گا، ہم اُسے گمراہ نہیں ٹھہرائیں گے، نہ اس کی ناقدری کریں گے، نہ ہی اس کی خوبیاں فراموش کریں، ہاں البتہ اُس کی بدعت اور غلطی میں اُس کی اقتداء نہیں کریں گے، ہم ان کے لئے توبہ کی امید کرتے ہیں"[2]۔

نیز فرماتے ہیں:

"ابوالحسن الصفار بیان کرتے ہیں: کہ میں نے ابوسہل صعلوکی کو فرماتے ہوئے سنا، اُن سے ابوبکر قفال کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا، تو فرمایا: اُنہوں نے ایک حیثیت سے اُسے پاک کیا ہے اور ایک حیثیت سے ناپاک، یعنی عقیدۂ اعتزال کی تائید کرنے کے سبب اُسے ناپاک کردیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اُن کی موت ہوچکی ہے، اور کمال بڑی نادر چیز ہے، اور عالم کی مدح وثنا

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۴/ ۳۷۴)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۵/ ۲۷۱)۔

اُس کے کثرت فضائل کی بنیاد پر ہونی چاہیے، لہٰذا کسی لغزش کے سبب جس سے شاید انہوں نے رجوع کرلیا ہو اُن کی خوبیوں کو دفن نہیں کیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے تلاش حق کے لئے ساری کاوش صرف کرنے کے سبب اُن کی مغفرت ہوگئی ہو، اور اللہ کے بغیر کوئی قوت نہیں"(۱)۔

نیز بشر بن ولید کندی کی سیرت میں لکھتے ہیں:

"وہ بڑے نیک سیرت تھے، اُن سے ایک چوک ہوئی ہے، جس کے سبب اُن کی سچائی وبھلائی ختم نہیں ہوگی، ان شاء اللہ"(۲)۔

نیکیوں اور بدیوں کے مابین موازنہ کا یہ قاعدہ کوئی بدعت یا نو ایجاد نہیں، بلکہ یہ سنی سلفی قاعدہ ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل رہا ہے، اور اس کی سب سے واضح دلیل حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے:

عَنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبَا مَرْثَدٍ الغَنَوِيَّ، وَالزُّبَيْرَ بْنَ العَوَّامِ، وَكُلُّنَا فَارِسٌ، قَالَ: "**انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ، فَإِنَّ بِهَا امْرَأَةً مِنَ المُشْرِكِينَ، مَعَهَا كِتَابٌ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى المُشْرِكِينَ**"، فَأَدْرَكْنَاهَا تَسِيرُ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا، حَيْثُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَقُلْنَا: الكِتَابُ، فَقَالَتْ: مَا مَعَنَا كِتَابٌ، فَأَنَخْنَاهَا فَالْتَمَسْنَا فَلَمْ نَرَ كِتَابًا، فَقُلْنَا: مَا كَذَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، لَتُخْرِجِنَّ الكِتَابَ أَوْ لَنُجَرِّدَنَّكِ، فَلَمَّا رَأَتِ الجِدَّ أَهْوَتْ إِلَى حُجْزَتِهَا، وَهِيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ، فَأَخْرَجَتْهُ، فَانْطَلَقْنَا بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ

(۱) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۶/ ۲۸۵)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰/ ۶۷۴)۔

خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالمؤْمِنِينَ، فَدَعْنِي فَلِأَضْرِبَ عُنُقَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ''**مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ**'' قَالَ حَاطِبٌ: وَاللَّهِ مَا بِي أَنْ لاَ أَكُونَ مُؤْمِنًا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ﷺ، أَرَدْتُ أَنْ يَكُونَ لِي عِنْدَ القَوْمِ يَدٌ يَدْفَعُ اللَّهُ بِهَا عَنْ أَهْلِي وَمَالِي، وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِكَ إِلَّا لَهُ هُنَاكَ مِنْ عَشِيرَتِهِ مَنْ يَدْفَعُ اللَّهُ بِهِ عَنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ''**صَدَقَ وَلاَ تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا**'' فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّهُ قَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالمؤْمِنِينَ، فَدَعْنِي فَلِأَضْرِبَ عُنُقَهُ، فَقَالَ: ''**أَلَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ؟ لَعَلَّ اللَّهَ اطَّلَعَ إِلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ، فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الجَنَّةُ، أَوْ: فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ**'' فَدَمَعَتْ عَيْنَا عُمَرَ، وَقَالَ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ''[1]۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، ابومرثد غنوی اور زبیر رضی اللہ عنہم کو ایک مہم پر بھیجا، ہم سب گھوڑسوار تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ سیدھے نکلو، یہاں تک کہ روضہ خاخ پہنچو، وہاں تمہیں مشرکین کی ایک عورت ملے گی' اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مشرکین کے نام ایک خط ہے''، چنانچہ ہم نے اُسے وہیں پایا جہاں رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا، وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر جا رہی تھی، ہم نے اس سے کہا: خط

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الجاسوس، (۴/ ۱۹)، وکتاب المغازی، باب فضل من شهد بدراً، (۵/ ۱۹)، وکتاب المغازی، باب غزوة الفتح، (۵/ ۸۹)، وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل أهل بدر، حدیث (۲۴۹۴)، وسنن ابوداود، کتاب الجهاد، باب فی حکم الجاسوس، (۳/ ۴۷)، حدیث (۲۶۵۰، ۲۶۵۱)، وسنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورة الممتحنة، (۵/ ۸۲)، حدیث (۳۳۶۰)۔

دیدو، اُس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس کے اونٹ کو بیٹھا کر اس کی تلاشی لی تو بھی کوئی خط نہیں ملا، بالآخر ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ کی بات جھوٹ نہیں ہو سکتی، تم خط نکال دو ورنہ ہم تمہیں ننگا کر دیں گے' جب اس نے ہمارا سخت رویہ دیکھا تو ازار باندھنے کی جگہ کی طرف جھکی - وہ ایک چادر پہنے ہوئے تھی - اور خط نکال کر دیا، ہم اسے لے کر فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ! اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کی خیانت کی ہے' مجھے اجازت دیں کہ اس کی گردن ماردوں! رسول اللہ ﷺ نے حاطب سے دریافت فرمایا: ''تم نے یہ کام کیوں کیا؟'' حاطب رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ وجہ ہرگز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان نہیں رہا، بس میرا مقصد یہ تھا کہ قریش والوں پر اس طرح میرا ایک احسان ہو جائے جس کی وجہ سے وہ (مکہ میں باقی رہ جانے والے) میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں، آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہر ایک کے کنبے کے کچھ لوگ وہاں ہیں، جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کے اہل ومال کی حفاظت کرتا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انہوں نے سچ کہا ہے، تم لوگ ان کے بارے میں اچھی بات ہی کہو'' عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: اس شخص نے اللہ' اس کے رسول اور مسلمانوں کی خیانت کی ہے، لہٰذا آپ مجھے اجازت دیجئے' میں اس کی گردن ماردوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ بدری صحابہ میں سے نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا: تم جو چاہو کرو' تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی ہے، یا میں نے تمہیں بخش دیا ہے'' یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ علم رکھتے ہیں۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جیش العسرہ کی تیاری کے لئے مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی، تو کچھ لوگوں نے بڑی جلدی کی، ان میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے ایک ہزار دینا لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں رکھ دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے:

''مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ''(1)۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آج کے بعد جو بھی کریں انہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بات بار بار دہرا رہے تھے۔

ان دونوں حدیثوں میں اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی کے فضائل کی کثرت اس کے بعض گناہوں اور کمیوں کو ڈبو دیتی ہے، لہٰذا اعتبار اسی چیز کا ہے جو انسان پر غالب ہو۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ۔نیکیوں بدیوں کے مابین موازنہ کے قاعدہ پر گفتگو کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں:

''شریعت نیز حکمت کے قواعد میں سے ہے کہ جس کی نیکیاں زیادہ اور بڑی ہوں اور اسلام میں اس کی نمایاں تاثیر ہو جتنا اسے برداشت کیا جائے گا' اتنا دوسروں کو نہیں، اور جو چیزیں اس کی معاف کی جائیں گی، دوسروں کی نہیں، کیونکہ گناہ نجاست وگندگی ہے، اور جب پانی دو قلہ ہو جائے تو گندگی سے متاثر نہیں ہوتا، برخلاف کم پانی کے' کہ وہ ادنی گندگی

---

(۱) مسند احمد، (۵ / ۶۳)، وسنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، (۵ / ۲۸۹)، حدیث (۳۷۸۵)، ومستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب تجہیز عثمان جیش العسرۃ، (۳ / ۱۰۲)، اور امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس طریق سے حسن غریب ہے۔ جبکہ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت فرمائی ہے۔

سے بھی متاثر ہو جاتا ہے، اسی قبیل سے نبی کریم ﷺ کا عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا بھی ہے:

''وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللَّهَ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ''(1)۔

تمہیں کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا: تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

اور یہی بات نبی کریم ﷺ کو اُس شخص کے قتل کرنے سے مانع تھی جس نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کی تھی، اور اس جیسے عظیم اور سنگین جرم کا مرتکب ہوا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے بتلایا کہ وہ جنگ بدر میں حاضر رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جرم کی سزا کا تقاضہ تو بدستور باقی ہے لیکن اسلام کی فیصلہ کن عظیم ''جنگ بدر'' کی حاضری اُس کا اثر مرتب ہونے سے مانع ہے، جس کے باعث اُن کی نیکیوں کے انبار کے پہلو میں یہ عظیم جرم بخشا ہوا پڑا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے صدقہ دینے کی رغبت دلائی تو عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑا عظیم تاریخی صدقہ نکالا، رسول گرامی ﷺ نے فرمایا:

''مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَهَا''۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس صدقہ کے بعد جو بھی کریں انہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔

اسی طرح جب طلحہ رضی اللہ عنہ (جنگ اُحد میں) نبی کریم ﷺ کے لئے جھکے یہاں تک کہ آپ ﷺ اُن کی پشت پر چڑھ کر چٹان پر پہنچے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''أَوْجَبَ طَلْحَةُ''۔

طلحہ رضی اللہ عنہ نے جنت واجب کرلی۔

اسی طرح یہ اللہ سے ہمکلامی کا شرف پانے والے موسیٰ علیہ السلام ہیں انہوں نے کلام الٰہی لکھی ہوئی تختیاں زمین پر پھینک دیں یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئیں، ملک الموت کو طمانچہ رسید کیا جس سے اُس کی آنکھ پھوٹ گئی، شب معراج میں نبی کریم ﷺ کی بابت اپنے رب سے بطور شکوہ کہہ دیا: میرے بعد مبعوث ہونے والے ایک جوان کی امت کے جنتی میری امت کے جنتیوں سے زیادہ ہوں گے!، ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑی اور اپنی طرف کھینچا جبکہ وہ بھی اللہ کے نبی تھے، ان تمام باتوں سے اُن کے رب کے یہاں اُن کے مقام و مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آئی، اُن کا رب تعالیٰ اُنہیں بدستور عزت دیتا اور اُن سے محبت کرتا رہا، کیونکہ جو حکم موسیٰ علیہ السلام نے انجام دیا، دشمن جو برسر پیکار آیا، جس عظیم صبر کا انہوں نے مظاہرہ کیا، اور اللہ کی راہ میں جو ایذائیں اور تکلیفیں برداشت کیں اُن میں اس قسم کی چیزیں اثر انداز نہیں ہو سکتیں، نہ ان کا رخ بدلتی ہیں، اور نہ ہی ان کا مقام و مرتبہ گھٹاتی ہیں۔ یہ چیز لوگوں کے یہاں معلوم ہے اور ان کی فطرتوں میں پیوست ہے کہ جس کی ہزاروں نیکیاں ہوں اُس کی ایک دو غلطیاں اللہ تعالیٰ درگزر فرما دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کی سزا کا پہلو اس کی بدعملی پر جھپٹتا ہے اور اس کی قدردانی کا پہلو اس کی نیک کاری کی طرف لپکتا ہے، بالآخر قدردانی کا پہلو سزا کے پہلو پر غالب آجاتا ہے، جیسا کہ کوئی شاعر کہتا ہے:

ترجمہ: جب محبوب ایک گناہ کرتا ہے تو اُس کی خوبیاں ہزار سفارشی لاتی ہیں۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

ترجمہ: اگر اس کا بُرا عمل ایک ہے تو اُس کے خوش کن اعمال بہت ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت کے دن بندے کی نیکیوں اور بدیوں کے درمیان موازنہ کرے گا، جو پہلو غالب ہوگا اُسی کی تاثیر ہوگی، چنانچہ بکثرت نیکی والے جنہوں نے اللہ کی

محبوبات و مرضیات کو ترجیح دیا ہے' البتہ کبھی کبھار ان کی طبیعت کا میلان اُن پر غالب ہو گیا' اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ جس قدر عفو و درگزر کا معاملہ فرمائے گا' اتنا دوسروں کے ساتھ نہیں فرمائے گا''[1]۔

نیکیوں اور بدیوں کے مابین موازنہ کی بابت یہ بات دراصل شخص پر حکم لگانے سے متعلق ہے۔

البتہ جب عالم کی غلطیوں میں سے کسی غلطی کا ذکر کیا جائے تو' ذکر کرنے والے پر نیکیوں اور بدیوں کا ذکر کرنا لازم نہیں ہے۔

لہٰذا جب آپ کو کسی امام کی غلطی بیان کرنا ہو تو صرف اتنا کہہ دیں کہ: فلاں مسئلہ میں اُن سے لغزش ہوئی ہے، اتنا ہی کافی ہے۔

اسی طرح جب کسی بدعتی عالم کی مثال کے طور پر علوم بلاغت میں اچھے ہونے کی تعریف کرنی ہو تو بھی اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔

لیکن یہ اس صورت میں جب آپ سننے والے پر فتنہ سے بے خوف ہوں، ورنہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ سننے والا بات کا کچھ دوسرا مفہوم سمجھ لے گا، اور اُسی کو مطلق فیصلہ تسلیم کرلے گا تو، ایسی صورت میں وضاحت ضروری ہے۔

(۱) مفتاح دار السعادۃ، (۱/ ۱۷۶-۱۷۷)۔

گیارہواں مبحث:
علماء کی لغزشوں سے بچنا

شریعت میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ علماء معصوم نہیں ہیں، بلکہ وہ بھی غلطی، بھول چوک، غفلت اور کوتاہی سے دوچار ہوتے ہیں، لہٰذا اُن سے لغزشیں اور خطائیں واقع ہوتی ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ''[1]۔

تمام بنی آدم خطا کار ہیں، اور سب سے اچھے خطا کار خوب توبہ کرنے والے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''۔۔۔ رہے صدیقین، شہداء اور صالحین تو یہ معصوم نہیں ہیں، اور یہ محقق گناہوں کی بات ہے، رہے اجتہادی مسائل: تو کبھی درست کرتے ہیں اور کبھی غلط، چنانچہ اگر اجتہاد کریں اور اجتہاد درست ہو تو انہیں دو اجر ملے گا، اور اگر اجتہاد کریں اور اجتہاد غلط ہو تو انہیں اپنے

---

(۱) مسند احمد، (۳/ ۱۹۸)، وسنن الدارمی، کتاب الرقائق، باب فی التوبہ، (۲/ ۲۱۳)، حدیث (۲۷۳)، وسنن ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، (۴/ ۷۰)، حدیث (۲۶۱۶)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ، (۲/ ۱۴۲۰)، حدیث (۴۲۵۱)، ومستدرک حاکم، کتاب التوبۃ، (۴/ ۲۴۴)، اور انہوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت فرمائی ہے۔

اجتہاد پر ایک اجر ملے گا، اور غلطی بخش دی جائے گی"[1]۔

علماء کی لغزشوں کے ساتھ تعامل میں نیک اور درست منہج - لغزش ثابت ہو جانے کے بعد - دو ارکان پر مبنی ہے:

پہلا رکن: اس لغزش پر نہ اعتماد کیا جائے گا' نہ اُسے اپنایا جائے گا؛ کیونکہ وہ شریعت کے خلاف ہے۔

علماء کی لغزشوں خطاؤں میں اُن کی پیروی کے بارے میں وارد ممانعت کو اسی بات پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ علماء کی حیثیت اللہ کے حکم وشریعت کے تئیں رہبر ورہنما کی ہے' لہذا اگر وہ شریعت کی خلاف ورزی کریں تو خلاف شریعت مسائل میں اُن کا اعتبار نہ ہوگا۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بہر کیف کسی بھی عالم کی پیروی اسی اعتبار سے کی جاتی ہے کہ وہ شریعت کی طرف متوجہ، اس کی دلیل وحجت پر قائم اور اجمالی وتفصیلی طور پر اُس کے احکام سے فیصلہ کرنے والا ہے، چنانچہ جب بھی وہ شریعت کے کسی جزئی یا فرعی مسئلہ میں بھی اُس کے علاوہ دوسری طرف متوجہ ہوگا، شریعت سے فیصلہ کرنے والا نہ ہوگا، نہ شریعت کے رخ سے مائل ہونے والے کسی مسئلہ میں کسی بھی طرح اُس کا قابل اقتداء ہونا درست ہوگا"[2]۔

نیز فرماتے ہیں:

"عالم کی جانب سے ہونے والی لغزش کا اعتبار کرنا درست ہے' نہ اُس کی تقلید کرتے ہوئے اُسے اختیار کرنا؛ کیونکہ وہ بات شریعت کے خلاف واقع ہوئی ہے، اسی لئے اُسے

---

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، (۳۵/ ۶۹)۔

(۲) الاعتصام، از امام شاطبی، (۲/ ۸۶۲)۔

لغزش شمار کیا گیا ہے، ورنہ اگر وہ بات قابل شمار ہوتی تو نہ اُسے یہ رتبہ دیا جاتا، نہ اس مسئلہ میں اُس کی طرف یہ لغزش منسوب کی جاتی"[1]۔

اور اگر لوگ علماء کی لغزشیں اور نادر مسائل لے لیں تو بسااوقات یہ چیز انہیں کھلی گمراہی کا شکار بنادے گی، امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جو علماء کے نوادر (غرائب) اختیار کرے گا اسلام سے خارج ہو جائے گا"[2]۔

دوسرا رکن: لغزش والے عالم پر حکم لگانے میں انصاف سے کام لینا:

چنانچہ اُس عالم کی طرف کوتاہی منسوب کی جائے گی، نہ اس لغزش کے سبب اُس پر طعنہ زنی اور اس کی عیب جوئی کی جائے گی، نہ ہی اُس کے سبب اُس کے بقیہ اقوال و آراء اور فتاوے رد کئے جائیں گے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس کے پاس شریعت اور واقع کا علم ہے، وہ قطعی طور پر جانتا ہے کہ وہ محترم شخص جس کا اسلام میں نیک قدم اور اچھے کارنامے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں میں اس کا ایک مقام ہے اُس سے کوئی چوک یا لغزش ہو جانا ممکن ہے، جس میں وہ معذور بلکہ اپنے اجتہاد کے سبب مستحق اجر بھی ہوتا ہے، چنانچہ نہ اُس غلطی میں اُس کی اتباع جائز ہے، نہ ہی یہ جائز ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اُس کا مقام و مرتبہ ضائع کر دیا جائے"[3]۔

امام ابو ہلال عسکری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

(۱) الموافقات، از امام شاطبی، (۴/ ۱۷۰-۱۷۱)۔

(۲) اسے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ذکر کیا ہے، (۷/ ۱۲۵)۔

(۳) إعلام الموقعین، (۳/ ۲۵۹)۔

''جو عالم اپنے علم وفن میں ماہر اور متفوق ہو، بھول چوک اور غفلت کے سبب صادر ہونے والی کسی لغزش سے اس کی شان نہیں گھٹتی، کیونکہ غلطی سے وہی مبرا ہوسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

حکماء کہتے ہیں: ''فاضل ہے وہ جس کی لغزشیں شمار کی جاسکیں، کاش ہم اُن کی کچھ اچھائیاں بھی جان لیتے، یا اُن کی غلطیوں کی تمیز کرنے والوں میں سے ہوتے''(۱)۔

امام شاطبی رحمہ اللہ عالم کی لغزش کی بابت گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اُس عالم کو کوتاہی کی طرف منسوب کرنا، یا اُس لغزش کے سبب اُس کی برائی وبے عزتی کرنا، یا اُس کی تنقیص وتوہین کرنا، یا اُس کے بارے میں سراسر مخالفت کا عقیدہ رکھنا مناسب نہیں، کیونکہ یہ ساری باتیں دین میں اُس کے رتبہ ومنزلت کے تقاضوں کے خلاف ہیں''(۲)۔

اور اگر عالم کی یہ لغزش لوگوں پر اثر انداز ہونے والی نہ ہو، تو اُس کی پردہ پوشی اور اس عالم کی لغزش کو درگزر کرنا واجب ہے، کیونکہ علماء نیک کاروں میں سے ہیں۔

حدیث میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ إِلَّا الْحُدُودَ''(۳)۔

نیک کاروں کی لغزشیں نظر انداز کردو، سوائے حدود کے۔

---

(۱) شرح ما یقع من التصحیف، ص (۲)۔

(۲) الموافقات، از شاطبی، (۴/ ۱۷۰-۱۷۱)۔

(۳) مسند احمد، (۶/ ۱۸۱)، وسنن ابو داود، کتاب الحدود، باب فی الحد یشفع فیہ، (۴/ ۱۳۳)، حدیث (۴۳۷۵)۔ [علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: الصحیحۃ (۶۳۸)، وصحیح الجامع (۱۱۸۵)، (مترجم)]۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''[1]۔

جو کسی مسلمان کے سودے کو ختم کرنے پر راضی ہوگا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی لغزش کو درگزر فرمادے گا۔

اور کسی عادل اور انصاف ور عالم سے اسی بات کی توقع ہے کہ وہ غلطی پر اڑا نہیں رہے گا' بلکہ اقوال وافعال کی جو غلطی اُسے معلوم ہوگی اُس سے رجوع کرلے گا، اور بسا اوقات مسلمان کی پردہ پوشی اور اُس کی لغزش کو نظر انداز کرنا' غلطی سے رجوع کرنے پر مددگار ثابت ہوتا ہے۔

❁ ❁ ❁

علماء کی لغزشیں اور غلطیاں دو گروہوں (طرح کے لوگوں) کے لئے فتنہ بن جاتی ہیں:

ایک گروہ وہ ہے جو اُس عالم کی تعظیم کرتا ہے' اُسی کو درست سمجھتا ہے' بلکہ اُس کے گناہوں کو نیکیاں بنادیتا ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو عالم کی مذمت کرتا اور اُسے خطاکار ٹھہراتا ہے، بلکہ اُس کی نیکیوں کو بھی گناہوں میں تبدیل کردیتا ہے۔

جبکہ حق، عدل اور درمیانی راہ ہے: یعنی پیشوایانِ امت علماء، اربابِ حل وعقد اور صالحین میں جو جس طرح تعظیم وتکریم کے مستحق ہوں' اُن کی تعظیم وتکریم کی جائے، ساتھ ہی اس بات کا اقرار ہو کہ آدمی کے یہاں نیکیاں اور بدیاں دونوں ہوتی ہیں، لہٰذا اُس کے یہاں نیکیوں اور

(۱) مسند احمد، (۲/۲۵۲)، وسنن ابو داود، کتاب البیوع، باب فضل الاقالۃ، (۳/۲۷۴)، حدیث (۳۴۶۰)، وابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الاقالۃ، (۲/۷۴۱)، حدیث (۲۱۹۹)۔ [اسے علامہ البانی نے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: إرواء الغلیل (۱۳۳۴)، (مترجم)]۔

بدیوں کے مطابق اُس کی مدح وستائش اور اُس سے نفرت اور بغض و مذمت کی جائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس باب سے متعلق ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں میں، خواہ اہل بیت ہوں یا دیگر، علم و دین میں باعظمت شخص سے بھی بسا اوقات ایک طرح کا اجتہاد صادر ہوتا ہے جو ظن و گمان سے وابستہ ہوتا ہے، اور ایک طرح کی پوشیدہ خواہش نفس پائی جاتی ہے، جس کے سبب کوئی ایسی بات نکلتی ہے جس میں اُس کی پیروی مناسب نہیں ہوتی، گرچہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ شعار اولیاء میں سے ہو۔

اور جب اس قسم کی چیز پیش آتی ہے تو دو قسم کے لوگوں کے لئے فتنہ بن جاتی ہے:

ایک وہ لوگ جو اُس کی بے جا تعظیم کرتے ہیں، لہٰذا اُس فعل کو بجا اور اُس میں اُس کی پیروی کو درست قرار دیتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ جو اس کی مذمت کرتے ہیں، لہٰذا اس فعل کو اُس کی ولایت اور بلکہ اُس کی نیکی اور اُس کے جنتی ہونے میں قادح تصور کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ اُس کے ایمان میں قادح سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اُسے ایمان سے خارج کر دیتے ہیں، اور یہ دونوں کنارے فاسد اور غلط ہیں۔

خوارج اور روافض وغیرہ ہوا پرستوں میں فساد و بگاڑ یہیں سے داخل ہوا ہے۔

البتہ جو اعتدال کی راہ چلتے ہیں وہ مستحق تعظیم کی تعظیم اور اُس سے ولایت و محبت رکھتے ہیں، اُسے اُس کا حق دیتے ہیں، چنانچہ وہ حق کی تعظیم کرتے ہیں، اور مخلوق پر رحم کرتے ہیں، اور جانتے ہیں کہ ایک آدمی کے یہاں بیک وقت نیکیاں اور بدیاں دونوں ہوتی ہیں، لہٰذا اُس کی تعریف بھی کی جاتی ہے اور مذمت بھی، اُسے ثواب بھی ملے گا اور عذاب بھی، ایک پہلو سے

اُس سے محبت کی جائے گی اور ایک پہلو سے اُس سے نفرت رکھی جائے گی۔ یہی اہل سنت وجماعت کا موقف ہے، برخلاف خوارج ،معتزلہ اور اُن کے موافقین کے''[1]۔

اور پیشوایان امت : سرداران ،علماء و امراء کی عیب جوئی کرنا اور بلا دلیل و برہان امت میں ایک فرد کو معصوم قرار دینا، اور اُس کے بالمقابل کو کافر یا گمراہ بدعتی ٹھہرانا فتنوں کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، کیونکہ اسلامی تاریخ کے آغاز میں فتنوں کی آگ بھڑکانے کے اسباب میں سے ایک سبب : اس امت کے پیشوایان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چند اشخاص کے بارے میں لوگوں کا اختلاف کرنا بھی ہے، چنانچہ اُن میں سے کچھ لوگوں کو گناہ و معاصی سے معصوم قرار دیا گیا، جبکہ دوسرے کچھ لوگوں کو گنہ گار، فاسق یا کافر قرار دیا گیا، اور یہ ساری چیزیں محض بدگمانی ،خواہش نفسانی اور ظلم وطغیانی کے سبب تھیں۔

اور ہر ٹولی جس کے لئے تعصب رکھتی تھی اُس کی تائید وحمایت کرنے لگی: روافض نے ابو بکر صدیق اور افاضل صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذمت اور علی رضی اللہ عنہم کی مدح وستائش میں غلو سے کام لیا- اللہ تمام صحابہ سے راضی ہو-۔

اور نواصب نے علی رضی اللہ عنہ کی مذمت میں اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ کی مدح وتعریف میں غلو کیا۔

اور ان دونوں طبقوں کی طرف سے باہمی غلو نے امت کے عقیدہ وسیاست کو ایسی آفتوں اور بلاؤں کی آماجگاہ بنادیا جس کی کوئی حد نہ رہ گئی۔

''لوگوں کے بارے میں گفتگو کرنے کی بابت ضروری ہے کہ علم اور عدل وانصاف کی بنیاد پر ہو، نہ کہ جہالت اور ظلم و ناانصافی کی بنیاد پر جیسا کہ بدعتیوں کا حال ہے، کیونکہ روافض فضیلت

---

(۱) منہاج السنۃ النبویۃ، (۴/ ۵۴۳-۵۴۴)۔

میں باہم قریب قریب کچھ لوگوں میں سے ایک کو گناہ و معاصی سے معصوم اور دوسرے کو گنہ گار، فاسق یا کافر قرار دینا چاہتے ہیں، اس سے اُن کی جہالت اور تناقض ظاہر ہوتا ہے، جیسے یہودی یا نصرانی جب محمد ﷺ کی نبوت میں عیب لگاتے ہوئے موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام کی نبوت ثابت کرنا چاہتا ہے تو اُس کی عاجزی اور جہالت و تناقض ظاہر ہوتا ہے''[1]۔

❁❁❁

اور عالم کا حق یہ بھی ہے کہ اگر اُس سے کوئی لغزش یا خطا سرزد ہو جائے تو اُسے نصیحت کی جائے، چنانچہ رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''الدِّينُ النَّصِيحَةُ، الدِّينُ النَّصِيحَةُ، الدِّينُ النَّصِيحَةُ'' – قَالَهَا ثَلَاثًا – قُلْنَا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: ''لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ''[2]۔

''دین خیر خواہی ہے، دین خیر خواہی ہے، دین خیر خواہی ہے'' – تین مرتبہ فرمایا – ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کس کے لئے؟ فرمایا: ''اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے لئے، اور مسلمانوں کے اماموں اور عام لوگوں کے لئے''۔

اور مسلمانوں کے اماموں میں علماء بھی ہیں۔

---

(۱) منھاج السنۃ، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، (۴/ ۳۳۷)۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان أن الدین النصیحۃ، (۱/ ۷۴)، حدیث (۵۵)، وسنن ابو داود، کتاب الأدب، باب فی النصیحۃ، (۱/ ۷۴)، حدیث (۴۹۴۴)، وسنن نسائی، کتاب البیعۃ، باب النصیحۃ للامام، (۷/ ۱۵۶)، وسنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النصیحۃ، حدیث (۱۹۲۷)۔

البتہ یہ نصیحت وخیر خواہی لازمی طور پر شرعی اسالیب وآداب کے مطابق ہونی چاہئے' کیونکہ بعض لوگوں نے نصیحت کو بعض علماء کی گندی تشہیر و بے عزتی کا اکھاڑا بنالیا ہے' اور معاملہ نصح وخیر خواہی سے جرح وتنقید کی شکل اختیار کرگیا ہے۔

یقیناً بسا اوقات ان لوگوں کے پاس کچھ حق بھی ہوتا ہے' لیکن نصیحت کا اسلوب منصوح کو متنفر کردیتا ہے اور یہ چیز اس کے غلطی پر اڑے رہنے کا سبب بن جاتی ہے، **نصیحت کرنے والے کو چاہئے کہ حسب ذیل چند اہم باتوں کو دھیان میں رکھے:**

① اس کا مقصد اصلاح ہو، جیسا کہ اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی بات حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا ٱلْإِصْلَٰحَ مَا ٱسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِىٓ إِلَّا بِٱللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾﴾ [هود:٨٨]۔

میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر اصلاح کرنے کا ہی ہے۔ میری توفیق اللہ ہی کی مدد سے ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

② یہ مقصد اس کے اعمال وتصرفات تک محدود ہو' ذاتیات کو مجروح نہ کرے' نہ ہی ان پر جھوٹا اتہام لگائے۔

③ نصیحت گر کو چاہئے کہ منصوح میں ہٹ دھرمی یا باطل پر اصرار پیدا کرنے والی چیزوں سے دور رہے، اور نصیحت میں نرم خو ہو، چنانچہ رسول اللہ ﷺ توجیہ ونصیحت کرتے ہوئے فرماتے تھے: ''مَا بَالُ أَقْوَامٍ''[1]۔ کچھ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟

---

(۱) یہ بات بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے، مثلاً حدیث: ''مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ'' (کچھ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے' وہ نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں)، بخاری، کتاب الأذان، ==

④ مجرم اور خطا کار ثابت کرنے کے اسباب بنانے کے لئے غلطیوں کی جستجو میں رہنے، یا اقوال کے لوازم تھوپنے، یا نصوص اور نقل کردہ باتوں کو موڑنے کی کوشش سے اجتناب کرنا۔ ذرا بعض ان لوگوں کو دیکھئے جو بزعم خویش علماء کو نصیحت کرنے والا سمجھتے ہیں، آپ اُسے ایسا پائیں گے جیسے وہ مدعی ہو، جو تہمت زدہ یا مدعیٰ علیہ کو بہر صورت مجرم اور گنہ گار ثابت کرنا چاہتا ہو۔

⑤ دلائل و براہین قائم کرنے کی کوشش، نیز یہ کہ رائے پر نقد اور اصلاح کی کوشش پر ترکیز کی جائے، نہ کہ ذوات اور شخصیات کو ہدف بنانے پر ترکیز کی جائے۔

اور میری رائے کے مطابق اہل علم و فضل کی نصیحت حسب ذیل دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے ہونی چاہئے:

پہلا طریقہ: کسی علم و فضل والے سے درخواست کرنا کہ وہ منصوح کی غلطی واضح کر دے، اس طریقہ سے ہمیں دو فائدے حاصل ہوں گے:

۱۔ اس بات کا تاکد ہو جائے گا کہ صاحب علم جسے نصیحت کی جارہی ہے، واقعی اس سے غلطی ہوئی ہے، اور یہ چیز اہل علم میں سے جس سے نصیحت میں شرکت کی درخواست کی گئی ہے، اُس کے اقرار سے ہوگی۔

۲۔ لغزش اور غلطی کی اصلاح۔

دوسرا طریقہ: عالم کو کسی بالواسطہ اسلوب میں نصیحت کی جائے، مثال کے طور پر سوال کرنے، یا لکھنے یا فتویٰ پوچھنے وغیرہ کی شکل میں۔

== باب رفع البصر إلی السماء فی الصلاۃ، (۲/ ۲۳۳)۔

بارہواں مبحث:
ہم عصروں کی باہمی چشمک کو سمیٹا جائے گا عام نہیں جائے گا

جرح وتعدیل میں علماء کے اقوال اور ایک دوسرے کے بارے میں ان کی باتیں' ایک اجتہادی معاملہ ہے' جو قابل اختلاف ہے، کیونکہ بسا اوقات علماء کسی عالم کی جرح یا اس کی تعدیل میں اسی طرح مختلف ہوتے ہیں' جس طرح ان کے ساتھ اجتہادی مسائل میں صحیح اور غلط کے عوارض پیش آتے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک اپنی بات میں درست جبکہ دوسرا خطا کار ہوتا ہے۔

اور مجتہدین اپنے اجتہاد پر اجر کے مستحق ہیں' خواہ اجتہاد میں غلطی کریں، البتہ اگر اجتہاد درست ہوگا تو اللہ عزوجل انہیں مزید درستی کا اجر بھی دے گا۔ چونکہ علماء بشر ہیں اس لئے انہیں بھی کسی پر کلام کرتے وقت کبھی نفس اور عصبیت کے عوارض لاحق ہوسکتے ہیں، اسی لئے علماء نے کہا ہے: ہم عصروں کی باہمی چشمک کو سمیٹا جائے گا عام نہیں جائے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''علماء کا علم بغور سنو، ان میں کسی کے خلاف کسی کی بات کی تصدیق نہ کرو''[1]۔

---

(1) اسے امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۲/ ۱۵۱)۔

مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''علماء اور قراء کی باتیں ہر چیز میں لی جائیں گی، سوائے ایک دوسرے کے بارے میں ہونے والی آپسی بات کے''[1]۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بلاشبہ جس کی عدالت معتبر ہو، علم میں اُس کی امانت ثابت ہو نیز اس کی ثقاہت اور علمی شغف وعنایت نمایاں ہو اُس کے بارے میں کسی کی بات کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا' تا آنکہ اُس کی جرح کے بارے میں عادل شہادت لائے جس سے اُس کا مجروح ہونا گواہیوں اور ان پر عمل آوری کے طریقہ سے صحیح ثابت ہو، یعنی اس کا اس طرح معاینہ اور مشاہدہ پایا جائے جو اُس کی کہی ہوئی بات کی تصدیق کا موجب ہو، کیونکہ ایسی صورت میں وہ کینہ کپٹ، بغض وحسد اور عداوت ومنافست سے بَری اور اس طرح کی تمام چیزوں سے محفوظ ہوگا، لہٰذا یہ ساری چیزیں فقہ ونظر دونوں اعتبار سے اُس کی بات قبول کرنے کی موجب ہوں گی، لیکن جس کی امامت ثابت ہو، نہ عدالت معروف ہو، نہ ہی حفظ واتقان کے فقدان کے سبب اُس کی روایت صحیح ہو، تو اُس کے بارے میں اہل علم کی متفقہ رائے کو دیکھا جائے گا اور غور وفکر کی رسائی کے مطابق اُس کی بتلائی ہوئی باتوں میں اجتہاد کیا جائے گا۔ اور جسے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے دین میں امام بنالیا ہو، اُس کی بابت کسی طعنہ زن کی بات قبول نہ کئے جانے کی دلیل یہ ہے کہ سلف صالحین رحمہم اللہ میں باہم ایک دوسرے کے بارے میں بہت ساری باتیں غصہ کی حالت میں گزر چکی ہیں، اُن میں سے کچھ باتیں بر بنائے حسد ہوئی ہیں، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مالک بن دینار اور ابو حازم رحمہما اللہ نے

(۱) اسے امام ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم وفضلہ میں روایت کیا ہے، (۲ / ۱۵۲)۔

کہا ہے۔اور کچھ باتیں بطور تاویل ہوئی ہیں' جس سے آدمی کی بابت' کہنے والے کی بات لازم نہیں آتی،اور کبھی کسی نے کسی پر بطور تاویل و اجتہاد تلوار بھی اٹھائی ہے،ان میں سے کسی بھی چیز میں اُن کی تقلید لازم نہیں آتی،جب تک کہ کوئی حجت و برہان نہ ہو' جو اس کی موجب ہو"[1]۔

اور امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس کے بعد علماء کی آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں ایسی باتیں ذکر کی ہیں جسے پڑھنے والا حیران ہو جائے گا' جلدی تصدیق نہیں کرے گا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ہجولیوں کی بات کے سلسلہ میں جب دلیل و برہان کی روشنی میں ثابت ہو جائے کہ وہ خواہش نفسانی اور عصبیت کی بنا پر ہوئی ہے' تو اُس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی، بلکہ اُسے لپیٹ دیا جائے گا،عام نہیں کیا جائے گا،جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان رونما ہونے والے جھگڑے اور لڑائیوں میں سے بہت سی چیزوں کے بارے میں خاموشی اور توقف ثابت اور رطے ہے،اور وہ باتیں آج بھی بڑے بڑے دواوین،کتابوں اور اجزاء میں ہم سے گزرتی ہیں،لیکن اُن میں سے بیشتر باتیں منقطع اور ضعیف ہیں،اور کچھ باتیں تو سراسر جھوٹ ہیں،اور یہ باتیں ہمارے سامنے اور ہمارے علماء کے درمیان ہیں،لہٰذا اسے دبا دینا اور صیغۂ راز میں رکھنا بلکہ ناپید کر دینا مناسب ہے،تاکہ دلوں میں صفائی اور شفافیت رہے' اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت اور اُن کے لئے دعاء رضامندی کے لئے پوری طرح آمادہ ہوں' ان باتوں کو عوام الناس اور افراد علماء سے چھپائے رکھنا لازم اور رطے ہے،البتہ خواہش نفسانی سے خالی انصاف ور عالم کے لئے تنہائی میں اُس کے مطالعہ کی اجازت دی جا سکتی

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ،(۲/۱۵۱)۔

ہے، بشرطیکہ وہ ان کے لئے دعاء مغفرت کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی تعلیم دی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُو مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٠﴾﴾ [الحشر:١٠]۔

اور جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔

کیونکہ ان حضرات کے پاس پہلے بڑے عظیم الشان فضائل اور کارنامے ہیں، ان سے سرزد ہونے والی لغزشوں کو درگزر کرنے والی نیکیاں، گناہوں کو مٹادینے والا جہاد اور نکھار دینے والی عبادات ہیں، ہم ان میں سے کسی کی شان میں غلو کرنے والوں میں سے ہیں، نہ ان کے معصوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، البتہ ہم اس بات کی قطعی شہادت دیتے ہیں کہ ان میں سے بعض بعض سے افضل ہیں، نیز یہ بھی حتمی طور پر کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما امت میں سب سے افضل ہیں، پھر دس میں سے بقیہ صحابہ جن کے لئے جنت کی شہادت کی گئی ہے، اسی طرح حمزہ، جعفر، معاذ، زید بن ثابت، اور امہات المؤمنین اور بنات رسول ﷺ اور اہل بدر ہیں، باوجودیکہ آپس میں ان کے درجات مختلف ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین، پھر ان کے بعد سب سے افضل ابو الدرداء، سلمان فارسی، ابن عمر اور سورۃ الفتح کی آیت کریمہ کی نص سے تمام اہل بیعت رضوان ہیں، پھر عام مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم ہیں

جیسے خالد بن ولید، عباس، عبداللہ بن عمرو، اور پوری جماعت، پھر بقیہ تمام صحابہ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا، یا آپ کے ساتھ حج کیا، یا آپ سے کوئی بات سنی، اللہ تعالیٰ ان تمام صحابہ، اور رسول ﷺ کی تمام مہاجرہ ومدنیہ صحابیات، اور ام الفضل، ام ہانی ہاشمیہ اور بقیہ تمام صحابیات سے راضی وخوش ہو۔

رہی وہ باتیں جنہیں روافض اور اہل بدعت اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں، تو ہم اس پر اعتماد نہیں کرتے، نہ ہی اس کی کوئی اہمیت سمجھتے ہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر باتیں باطل، بے سروپا، جھوٹ اور بہتان ہیں، اس لئے کہ جھوٹی اور باطل باتوں کی روایت کرنا، یا صحاح ومسانید کی کتابوں میں ثابت مستند باتوں کو رد کردینا روافض کا شیوہ وو طیرہ رہا ہے، اور نشے میں دُھت کو افاقہ ہی کب ہوتا ہے؟!

اسی طرح کچھ تابعین نے بھی ایک دوسرے کے بارے میں باتیں کہی ہیں اور آپس میں لڑ گئے ہیں، اور ایسی چیزیں انجام پائی ہیں جن کی شرح کرنا ممکن نہیں، کیونکہ انہیں پھیلانے میں کوئی فائدہ نہیں، نیز تاریخ اور اسی طرح جرح وتعدیل کی کتابوں میں بڑی عجیب چیزیں درج ہیں، عقلمند اپنی ذات کا مدمقابل ہوتا ہے، اور آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے، اور علماء کے گوشت زہر آلود ہیں''[1]۔

نیز فرماتے ہیں:

''ہمجولیوں کی آپسی باتوں کی کوئی پروا نہیں کی جائے گی، بالخصوص جب آپ کو واضح طور پر سمجھ میں آجائے کہ یہ کسی دشمنی یا مذہب ومسلک یا حسد کی بنا پر ہے، اور ان باتوں سے کوئی نجات نہیں پاسکتا، سوائے اس کے جسے اللہ محفوظ رکھے، میں نہیں جانتا کہ کسی زمانے کے

(۱) سیر أعلام النبلاء، (۱۰/ ۹۲-۹۴)۔

لوگ اِس سے محفوظ رہے ہوں، سوائے انبیاء علیہم السلام اور صدیقین رضی اللہ عنہم کے، اور اگر میں چاہوں تو اس قسم کی باتوں سے دفتر کے دفتر بھر سکتا ہوں''(۱)۔

ہمجولیوں کی آپسی باتوں کو دفع کرنے کی بابت یہ بات علی الاطلاق نہیں ہے، اس لئے کہ ہمجولیوں کی آپسی باتوں کو اس صورت میں دفع کیا جائے گا جب کلام کردہ عالم کی توثیق کچھ ایسے لوگوں کی طرف سے کی گئی ہو جن کی باتوں میں عدل وانصاف جھلکتا ہو، اور ساتھ ہی اس بات پر کوئی قرینہ دلالت کناں ہو کہ کہنے والے کی بات حق وانصاف اور علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ خواہش نفس، عصبیت اور زیادتی کی بنیاد پر ہے۔

البتہ جو باتیں راوی کی غلطی، وہم یا اس کے حافظہ کی کمی وغیرہ کے بارے میں منقول ہیں وہ اس قبیل سے نہیں ہیں؛ بلکہ اُس کا مقصد علم پہنچانے والے کا درجہ یا اس کی کمزوری واضح کرنا ہے؛ تاکہ اللہ عزوجل کی عبادت علم وبصیرت کی روشنی میں انجام دی جاسکے(۲)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''رہا مسئلہ یہ کہ فقہاء میں سے کسی شخص سے محدثین میں سے کسی شخص کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ کہدے کہ: اس کی حدیث سے دور رہو، اُس کی حدیث قبول نہ کرو، کیونکہ وہ غلطی کرتا ہے یا غیر سنی ہوئی باتیں بیان کرتا ہے، اگر اُس فقیہ اور اس آدمی کے درمیان کوئی دشمنی نہ ہو تو یہ چیز اس اذیت کے قبیل سے نہیں ہے جس سے اُس کی بابت یہ کہنے والا اگر اُس کے خلاف گواہی دے تو وہ مجروح قرار پائے گا، اِلا یہ کہ دونوں کے درمیان دشمنی معلوم ہو تو اس بات کی وجہ سے نہیں بلکہ اس دشمنی کی وجہ اُسے رد کردیا جائے گا''(۳)۔

(۱) میزان الاعتدال، (۱/ ۱۱۱)۔
(۲) دیکھئے: سیر أعلام النبلاء، (۱۰/ ۹۴)۔
(۳) الأم، از شافعی، (۶/ ۲۰۶)۔

اپنے ہمجولی کے بارے میں کہنے والے کی بات کے مبنی بر عدل نہ ہونے پر دلالت کرنے والے چند قرائن حسب ذیل ہیں:

① شہر و علاقہ یا علمی تخصص وغیرہ میں تنافس اور باہم مقابلہ آرائی:

چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ پر امام ابن ابی ذئب رحمہ اللہ کی طعنہ زنی کو اسی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ دونوں اپنے اپنے وقت میں مدینہ کے عالم تھے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام ابن ابی ذئب کو پتہ چلا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے حدیث: ''اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ'' (خرید و فروخت کرنے والوں کو اختیار ہوگا) نہیں لیا ہے، تو انہوں نے کہا: ان سے توبہ کرائی جائے، اگر توبہ کرلیں تو ٹھیک ورنہ ان کی گردن مار دی جائے، پھر امام احمد فرماتے ہیں: وہ امام مالک سے زیادہ محتاط اور حق گو ہیں! میں کہتا ہوں: اگر کما حقہ محتاط ہوتے تو ایک عظیم امام کے حق میں اتنی بڑی بات نہ کہتے۔ بہر کیف امام مالک رحمہ اللہ نے حدیث کے ظاہر پر عمل نہیں کیا ہے؛ کیونکہ انہوں نے اسے منسوخ سمجھا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں اُس پر عمل کیا ہے، اور ''حَتّٰی یَتَفَرَّقَا'' (یہاں تک کہ دونوں جدا ہوجائیں) کو ایجاب و قبول کو زبان سے کہنے پر محمول کیا ہے، لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کو اس حدیث میں بلکہ ہر حدیث میں ایک اجر لازمی طور پر ملے گا، اور اگر وہ درست ہوں گے تو مزید دوسرا اجر بھی ملے گا، درحقیقت اجتہادی غلطی کرنے والے کے خلاف تلوار زنی کا عقیدہ حروریہ کا ہے۔ بہر حال ہمجولیوں کی ایک دوسرے کے خلاف باتوں میں سے بہت سی باتوں کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ ابن ابی ذئب کی ایک طعنہ زنی سے امام مالک کی شان و بزرگی میں کمی آئی، نہ اس بات کے سبب علماء نے ابن ابی ذئب ہی کو

ضعیف قرار دیا، بلکہ دونوں اپنے اپنے وقت میں مدینہ کے عالم تھے، اللہ تعالیٰ اُن دونوں سے راضی وخوش ہو"[1]۔

ساتھ ہی واضح رہے کہ اس قول کا ثبوت بھی محل نظر ہے، اسی لئے امام ذہبی رحمہ اللہ اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اسے امام احمد نے بسند ذکر نہیں کیا ہے، لہذا شاید یہ صحیح نہ ہو"[2]۔

اسی طرح عکرمہ رحمہ اللہ کے بارے میں سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی بات، اور اس قسم کی دیگر مثالیں ہیں[3]۔

② سخت غصہ:

یعنی غصہ کی حالت میں کسی عالم سے دوسرے عالم کے بارے میں کوئی بات صادر ہو جائے، اگر اس بارے میں اُس سے رجوع کیا جائے تو وہ اُس بات سے رجوع کرے گا، امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور جلیل القدر علماء کے درمیان غصہ کے وقت کچھ باتیں ہو جایا کرتی تھیں، جو اس سے بھی زیادہ ہیں، لیکن اہل علم وفہم اور تمیز رکھنے والے ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے؛ کیونکہ وہ انسان ہیں، غصہ بھی ہوتے ہیں اور خوش بھی، اور خوشی کی حالت کی بات غصہ کی حالت سے دیگر ہوتی ہے۔ اور کسی نے کیا خوب کہا ہے: حلم و بردباری غصہ کے وقت ہی پہچانی جاتی ہے"[4]۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، (۷/ ۱۴۳)۔
(۲) سیر أعلام النبلاء، (۷/ ۱۴۳)۔
(۳) دیکھئے: جامع بیان العلم وفضلہ، (۲/ ۱۵۶)۔
(۴) جامع بیان العلم وفضلہ، (۲/ ۱۵۶)۔

اس کے بعد امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے غصہ کی حالت میں علماء کی ایک دوسرے کے بارے میں ہونے والی باتوں پر دلالت کرنے والی مثالیں ذکر کی ہیں۔

③ مسلکی اختلاف:

چونکہ علماء کے مختلف مسالک اور متعدد مکاتب فکر ہیں' اس لئے بسا اوقات مسلکی اختلاف ایک عالم کے اپنے ساتھی کے بارے میں طعنہ زنی کا سبب قرار پایا۔

امام ابن عدی' امام ابو بشر محمد بن احمد دولابی رحمہما اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ نعیم بن حماد کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اس میں متہم ہیں، کیونکہ وہ اہل الرائے کے بارے میں سخت موقف رکھتے تھے''(۱)۔

④ کینہ، کپٹ اور باہمی جھگڑا تکرار:

کیونکہ بسا اوقات وہ جھگڑے علماء کی باہمی طعنہ زنی کا سبب بنتے ہیں، چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے:

''امام اصبغ اور ابن عبد الحکم کے درمیان دوری تھی، دونوں ایک دوسرے کو متہم کیا کرتے تھے''(۲)۔

اس سلسلہ میں امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ہم ائمہ جرح وتعدیل کے بارے میں نادر غلطی سے عصمت کا دعویٰ نہیں کرتے، نہ ہی جن کے درمیان باہمی بغض وکینہ ہے ان کے بارے میں سخت جذباتی گفتگو سے' اور یہ بات معلوم ہے کہ ہمجولیوں کی ایک دوسرے کے بارے میں ہونے والی بہت سی باتیں باطل

---

(۱) بحوالہ: سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۴/ ۳۱۰)۔

(۲) بحوالہ: سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۰/ ۶۵۸)۔

اور غیر معتبر ہیں، بالخصوص جب آدمی کسی جماعت کی طرف سے موثوق ہو جن کی باتوں میں انصاف نمایاں ہو"[1]۔

یہ بعض قرائن ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ ہمجولی بسا اوقات ایک دوسرے کے بارے میں بعض باتیں بلا علم و انصاف بلکہ خواہش نفسانی، عصبیت اور ظلم کی بنیاد پر کہہ دیتے ہیں، لہٰذا اس عظیم الشان قاعدہ کا اعتبار کرو کہ: "ہمجولیوں کی باہمی باتوں کو لپیٹ دیا جائے گا اُسے پھیلایا نہیں جائے گا" اسے: "جرح تعدیل پر مقدم ہے" کے قاعدہ سے رد نہ کرو، کیونکہ یہ قاعدہ مطلق نہیں ہے۔

امام تاج سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"خبردار! خبردار! اہل علم کے قاعدہ: "جرح تعدیل پر مقدم ہے" کو مطلق نہ سمجھ لینا، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جس کی امامت و عدالت ثابت ہو، اُس کے مداحین زیادہ اور جارحین نادر ہوں اور کوئی قرینہ بھی ہو جس سے معلوم ہو کہ اُس پر جرح کا سبب مسلکی تعصب وغیرہ ہے، تو اُس کی جرح کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی"[2]۔

نیز فرماتے ہیں:

"ہم آپ کو بتلا چکے ہیں کہ جارح کی جرح، گرچہ مفسر ہو اُن لوگوں کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی، جس کی نیکیاں اُس کے گناہوں پر غالب ہوں، اسی طرح اس کے مدح خواں مذمت کاروں اور تزکیہ کرنے والے جرح کرنے والوں سے زیادہ ہوں اگر ان کے مابین کوئی باہمی دنیوی مقابلہ آرائی وغیرہ ہو جیسا کہ ہم پلوں میں ہوا کرتی ہے، لہٰذا اس بنا پر امام

(۱) سیر أعلام النبلاء، (۷/ ۴۰-۴۱)۔

(۲) طبقات الشافعیۃ، (۱/ ۱۸۸)۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں امام ثوری وغیرہ کی بات، امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں امام ابن ابی ذئب وغیرہ کی بات، امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں امام ابن معین کی بات اور امام احمد بن صالح کے بارے میں امام نسائی کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی، رحمہم اللہ۔ اور اگر ہم مطلق طور پر جرح کو تعدیل پر مقدم قرار دیں گے، تو ہمارے پاس اماموں میں سے کوئی بھی محفوظ نہ رہے گا، کیونکہ ہر امام پر کچھ طعنہ زنوں نے ضرور طعنہ کیا ہے، اور اس کے بارے میں ہلاک ہونے والے ہلاک ہوئے ہیں"(۱)۔

❁ ❁ ❁

لیکن اس بات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ علماء عدل و انصاف والے نہ تھے؛ بلکہ الحمد للہ اُن میں عدل و انصاف ہی اصل ہے، یہاں جو باتیں میں نے ذکر کی ہیں وہ استثنائی ہیں۔

اس سلسلہ میں چند روشن نمونے ملاحظہ فرمائیں:

امام احمد امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"خراسان جانے والے پُل کو اسحاق بن راہویہ جیسی کسی شخصیت نے عبور نہیں کیا، اگرچہ کہ بعض چیزوں میں وہ ہمارے خلاف تھے، کیونکہ لوگ ہمیشہ سے علمی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں"(۲)۔

چنانچہ یہ ایک امام عالم کا قول اپنے ہم عصر کے بارے میں ہے، جو بعض علمی مسائل میں اُن کے خلاف تھے، لیکن عدل و انصاف نے اجتہادی مسائل میں ہونے والے اختلاف سے کسی طرح متاثر ہوئے بغیر اُن سے حق کہلوایا۔

(۱) طبقات الشافعیۃ، (۱/ ۱۹۰)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۱/ ۳۷۱)۔

امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام احمد رحمہ اللہ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ سے کا ذکر خیر کیا کرتے تھے اور اُن کی مدح وثنا کرتے تھے، اور کہتے تھے: اگرچہ کہ بعض چیزوں میں وہ ہمارے خلاف تھے، کیونکہ لوگ ہمیشہ سے علمی مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہے ہیں ۔۔۔ اور اکثر ان کے سامنے امام اسحاق اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ کے اقوال اور اُن کے اقوال کے محل استنباط کا ذکر کیا جاتا تھا لیکن آپ اُن کی موافقت کرتے تھے نہ اُن کے اقوال واستدلالات پر نکیر کرتے تھے، حالانکہ وہ ان تمام چیزوں میں اُن سے اتفاق نہیں رکھتے تھے''[1]۔

اسی طرح ایک روشن نمونہ محمد بن احمد فنجار رحمہ اللہ کا یہ قول بھی ہے:

''علم کے تمام ابواب میں امام ابن سلام کی کتابیں تھیں، اور ان کے اور فقیہ ابوحفص احمد بن حفص کے مابین بڑی محبت اور بھائی چارگی تھی، حالانکہ مسلکاً دونوں ایک دوسرے کے خلاف تھے''[2]۔

اسی طرح وہ روشن نمونہ بھی ہے جسے امام ذہبی رحمہ اللہ نے حافظ ابونعیم کے بارے میں بعض اہل علم کے واسطے سے نقل فرمایا ہے۔ جنہوں نے ابن مندہ رحمہ اللہ کے بارے میں اُن کی بات کی تردید فرمائی ہے۔ کہتے ہیں:

''امام ابونعیم رحمہ اللہ سے امام ابن مندہ رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: وہ تو پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ تھے''[3]۔

---

(۱) الفرق بین النصیحۃ والتعییر ص (۳۱-۳۳۲)۔

(۲) بحوالہ: سیر أعلام النبلاء، (۱۰/ ۶۳۰)۔

(۳) بحوالہ: سیر أعلام النبلاء، (۱۷/ ۳۲)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"امام ابو نعیم رحمہ اللہ اُن کے بارے میں یہ بات کہہ رہے ہیں، باوجودیکہ اُن کے درمیان سخت وحشت تھی"[1]۔

امام ابو نعیم نے ابن مندہ کے بارے میں یہ بات کہی ہے حالانکہ انہوں نے ہی اُن پر طعنہ کیا ہے، چنانچہ تاریخ اصبہان میں اُن کے بارے میں کہتے ہیں، جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے "سیر اعلام النبلاء" میں اُن سے نقل کیا ہے:

"امام ابن مندہ محدثین میں سے حافظ ہیں، آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، جس کے نتیجہ میں ابن اسید، ابو زرعہ رازی کے بھتیجے اور ابن الجارود سے حدیث بیان کیا، حالانکہ اُن سے یہ بات سنی گئی تھی کہ ان محدثین کی طرف سے انہیں اجازہ حاصل ہے، اسی طرح اپنے امالی میں بہک گئے ہیں اور کچھ لوگوں کی طرف عقائد میں ایسی باتیں منسوب کر دیا ہے، جو ان سے معروف نہیں ہیں، ہم اللہ سے پردہ پوشی اور حفاظت کے خواستگار ہیں"[2]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہم آپ کے حریف کے بارے میں آپ کی بات کا اعتبار نہیں کریں گے، کیونکہ آپ دونوں میں عداوت چلتی آئی ہے، اسی طرح آپ کے بارے میں اُن کی بات بھی نہیں سنیں گے، چنانچہ میں نے امام ابو نعیم کے خلاف ابن مندہ کی بڑی فحش غلطی، تبدیع (بدعتی ٹھہرانا) اور ایسی باتیں دیکھی ہیں جنہیں میں ذکر کرنا پسند نہیں کرتا، بہر کیف بالجملہ دونوں اپنے آپ

(۱) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۷/ ۳۲)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۷/ ۳۴)۔

میں صدوق اور باتیں پیش کرنے میں غیر متہم ہیں، الحمد للہ"[1]۔

غور کیجئے کہ کس طرح امام ابونعیم رحمہ اللہ نے امام ابن مندہ رحمہ اللہ کی مدح میں باتیں کہی ہیں باوجودیکہ دونوں کے درمیان اس قدر وحشت تھی، جس نے دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف طعنہ زنی پر آمادہ کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء میں اصل یہی ہے کہ وہ عدل وانصاف والے ہیں، البتہ ان سے کبھی کبھار جو طعنہ زنی سرزد ہوتی ہے وہ خواہش نفس کی بنا پر غیر معتبر ہوتی ہے، اور خواہشات نفسانی کے راستے اور سوتے بڑے باریک ہوتے ہیں' معصوم وہی ہے جسے اللہ محفوظ فرمادے۔

(۱) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۷/ ۳۴)۔

تیرہواں مبحث:

مجتہدین پر حکم لگانے میں انصاف سے کام لینا

میں اس مبحث کی باتوں کو چند قواعد میں بیان کروں گا:

اولاً: مجتہد اجر وثواب کا مستحق ہے، گنہ گار نہیں:

یقیناً مسلمان عالم دین جو علماء امت کے طے کردہ اصولوں کی روشنی میں احکام کے استنباط میں لگا ہوا ہو، بشرطیکہ اس میں اجتہاد کی شرطیں پائی جائیں، اگر وہ اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد درست ہو تو اسے دو اجر ملے گا، اور اگر اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد غلط ہو تو بھی ایک اجر ملے گا، چنانچہ وہ ہر حال میں اجر کا مستحق ہو گا، اس سے گناہ اٹھایا جا چکا ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ"[1]۔

اگر حاکم فیصلہ کرے اور حق تک رسائی کی کوشش کرے، اور واقعی حق تک پہنچ بھی

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب أجر الحاکم إذا اجتہد، (۸/ ۱۵۷)، وصحیح مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب بیان أجر الحاکم إذا اجتہد، (۳/ ۱۳۴۲)، حدیث (۱۷۱۶)، وسنن ابو داود، کتاب الأقضیۃ، باب فی القاضی یخطئ، (۳/ ۲۹۹)، حدیث (۳۵۷۴)، وسنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب الحاکم یجتہد...، (۲/ ۷۷۶)، حدیث (۲۹۱۴)۔

جائے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے، اور اگر حاکم فیصلہ کرے اور حق تک پہنچنے کی کوشش کرے لیکن غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

اور یہ عمل جو مجتہد نے کیا ہے' اس سے اتنا ہی مطلوب ہے' کیونکہ اُس سے حق تک رسائی مطلوب نہیں، بلکہ حق تک رسائی کی کوشش مطلوب ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اہل سنت و جماعت کا موقف ہے کہ اجتہاد کرنے والا اگر غلطی بھی کرے تو گنہ گار نہ ہوگا''[1]۔

نیز فرماتے ہیں:

''اجتہاد کرنے والے کبھی درست اجتہاد کرتے ہیں اور کبھی غلطی کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر وہ اجتہاد کریں اور اُس میں اُن سے غلطی ہو جائے تو بھی انہیں اپنے اجتہاد کا اجر ملے گا، اور ان کی غلطی معاف ہوگی۔

اور گمراہ لوگ غلطی اور گناہ کو لازم ملزوم قرار دیتے ہیں، چنانچہ کبھی اُن کی شان میں غلو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: وہ معصوم ہیں، اور کبھی ان کے ساتھ زیادتی و بے وفائی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: وہ غلطی کی وجہ سے باغی ہیں۔ جبکہ ان کے بالمقابل اہل علم و ایمان نہ انہیں معصوم قرار دیتے ہیں نہ ہی گنہ گار ٹھہراتے ہیں''[2]۔

نیز فرماتے ہیں:

''استدلال کرنے والا مجتہد خواہ امام ہو یا حاکم، یا ناظر، یا مناظر یا مفتی، یا کوئی اور' اگر اجتہاد

---

(۱) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۱۹/ ۱۲۳)۔

(۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۳۵/ ۶۹)۔

واستدلال کرے، اور حسب استطاعت اللہ سے ڈرے، تو یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ نے اسے مکلف کیا ہے، اور حسب استطاعت اللہ سے ڈرنے کے سبب وہ اللہ کا مطیع وفرمانبردار اور ثواب کا مستحق ہے، اللہ تعالیٰ اُسے سرے سے سزا نہ دے گا، برخلاف جہمیہ مجبرہ کے، اور وہ درستی پانے والا ہے یعنی اللہ کا اطاعت گزار ہے، لیکن کبھی حقیقت میں حق کو جان لیتا ہے اور کبھی نہیں جان پاتا''[1]۔

نیز فرماتے ہیں:

''ہر اجتہاد واستدلال کرنے والا حق کی معرفت حاصل نہیں کر پاتا، نہ ہی وعید کا مستحق ہوتا ہے سوائے اس کے جو کسی حکم کا تارک یا ممنوع کا مرتکب ہو، یہی فقہاء اور ائمہ کا قول ہے، اور امت کے سلف سے یہی معروف ہے، جو جمہور مسلمانوں کا قول ہے''[2]۔

اور کبھی مجتہد کی مغفرت شدہ غلطی کسی علمی خبری مسئلہ میں بھی ہوتی ہے کیونکہ اُس کا خیال ہوتا ہے کہ کسی آیت یا حدیث کی دلالت کے سبب وہ چیز ثابت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اجتہادی غلطی خبری اور علمی دو قسم کے مسائل میں معاف ہے۔۔۔ جیسے کوئی کسی آیت یا حدیث کی بنیاد پر کسی چیز کے ثبوت کا عقیدہ رکھے، حالانکہ اُس کے خلاف دلیل ہو جو اصل مقصود واضح کرتی ہو جس کا اُسے علم نہ ہو، جیسے کوئی کسی حدیث کی بنیاد پر جسے وہ صحیح سمجھتا ہو یہ عقیدہ رکھے کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام ہیں، یا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے:

(۱) منہاج السنۃ، (۵/ ۱۱۱)۔

(۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۱۹/ ۲۱۳)۔

﴿لَا تُدْرِكُهُ ٱلْأَبْصَٰرُ﴾ [الانعام:۱۰۳]۔

اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآئِ حِجَابٍ﴾ [الشوری:۵۱]۔

ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے سے۔

جیسا کہ مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں آیتوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دیدار الٰہی کی نفی پر استدلال کیا ہے، حالانکہ ان دونوں آیتوں کی دلالت عمومی ہے۔

اسی طرح بعض تابعین سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا جا سکتا، اور فرمان باری:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾﴾ [القیامۃ:۲۲-۲۳]۔

اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

کی تفسیر انہوں نے یہ کی ہے کہ وہ چہرے (والے) اپنے رب کے ثواب کا انتظار کر رہے ہوں گے، جیسا کہ امام مجاہد اور ابو صالح رحمہما اللہ سے مروی ہے۔

یا جو یہ عقیدہ رکھے کہ میت کو زندہ کے رونے کے سبب عذاب نہیں دیا جائے گا' اس کے اس عقیدہ کی بنا پر کہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [فاطر:۱۸]۔

کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اسی بات پر دلالت کرتا ہے؛ یا اللہ کے اس فرمان کو راوی کی روایت پر مقدم رکھا جائے

گا' کیونکہ سماعت میں غلطی ہوسکتی ہے، جیسا کہ سلف وخلف کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے۔
یا یہ عقیدہ رکھے کہ مردہ زندہ کی پکار نہیں سن سکتا؛ کیونکہ اُس کا عقیدہ ہے کہ فرمان باری:
﴿فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ [الروم: ۵۲]۔
بیشک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔
اس پر دلالت کرتا ہے۔
یا یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ تعجب نہیں کرسکتا، جیسا کہ شریح کا عقیدہ تھا؛ اس خیال سے کہ تعجب تو جہالت ولاعلمی کے سبب ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جہالت سے منزہ ہے۔
یا یہ عقیدہ رکھے کہ علی رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل ہیں، اس خیال سے کہ پرندے کی حدیث صحیح ہے (۱) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

---

(۱) پرندے کی حدیث مختصراً یہ ہے:
عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَهُ طَائِرٌ فَقَالَ: "اللَّهُمَّ ائْتِنِي بِأَحَبِّ خَلْقِكَ إِلَيْكَ يَأْكُلُ مَعِي مِنْ هَذَا الطَّيْرِ" فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَرَدَّهُ، وَجَاءَ عُمَرُ فَرَدَّهُ، وَجَاءَ عَلِيٌّ فَأَذِنَ لَهُ" [السنن الکبری للنسائی (۷/ ۴۱۰)، حدیث ۸۳۴۱، وخصائص علی للنسائی ص: (۲۹) حدیث (۱۰)]۔
انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک پرندہ تھا۔ آپ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! اپنی مخلوق میں تیرے نزدیک جو سب سے محبوب ہو میرے پاس بھیج دے جو میرے ساتھ اس پرندہ کا گوشت کھائے۔ چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ نے انہیں واپس لوٹا دیا۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں بھی واپس لوٹا دیا، پھر علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دیدی۔
یہ حدیث امام نسائی کے علاوہ مستدرک حاکم، ترمذی اور دیگر کتابوں میں' بکثرت سندوں سے مختصر ومطول موجود ہے، لیکن باطل اور جھوٹ ہے۔ اس کی تمام سندیں معلول ہیں' کوئی سند ضعف سے خالی نہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس کے حکم کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "أَنَّ حَدِيثَ الطَّائِرِ مِنَ الْمَكْذُوبَاتِ الْمَوْضُوعَاتِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَالْمَعْرِفَةِ بِحَقَائِقِ النَّقْلِ"۔ پرندے کی حدیث اہل علم اور کتاب وسنت کی معرفت رکھنے والوں کے یہاں جھوٹی اور من گھڑت باتوں میں سے ہے۔ [منہاج السنۃ النبویۃ (7/ 371)]۔ (مترجم)

”اللَّهُمَّ ائْتِنِي بِأَحَبِّ خَلْقِكَ إِلَيَّ يَأْكُلُ مَعِي مِنْ هَذَا الطَّائِرِ“[1]۔

اے اللہ! اپنی مخلوق میں میرے نزدیک سب سے محبوب کو میرے پاس بھیج جو میرے ساتھ اس پرندے سے کھائے۔

یا یہ عقیدہ رکھے کہ جو دشمن کے لئے جاسوسی کرے اور انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوہ سے آگاہ کرے وہ منافق ہے؛ جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوچا اور فرمایا:

”دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ“[2]۔

مجھے اجازت دیجئے! میں اس منافق کی گردن مار دوں۔

یا یہ عقیدہ رکھے کہ جو کسی منافق کے لئے ایک بار بھی غضبناک ہو جائے وہ بھی منافق ہے' جیسا کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوچا، اور فرمایا:

”إِنَّكَ مُنَافِقٌ تُجَادِلُ عَنِ الْمُنَافِقِينَ“[3]۔

یقیناً تم منافق ہو' منافقوں کی جانب سے لڑ رہے ہو۔

---

(۱) التاریخ الکبیر، از بخاری (۱/ ۳۵۸)، والضعفاء الکبیر، از عقیلی (۱/ ۸۲)، وسنن ترمذی (۵/ ۳۰۰)، حدیث (۳۸۰۵)، واخبار اصبہان، از ابو نعیم، (۱/ ۲۰۵)، ومستدرک حاکم (۳/ ۱۳۰)، وتاریخ بغداد، از خطیب (۹/ ۳۶۹)، والعلل المتناہیۃ از ابن الجوزی، (۱/ ۲۲۶)، اس حدیث کی متعدد سندوں سے کئی متابعات وشواہد ہیں، سب کی سب ضعیف ہیں، امام عقیلی فرماتے ہیں: یہ حدیث محفوظ نہیں ہے، اور ابن طاہر کہتے ہیں: موضوع ہے، جیسا کہ ابن الجوزی کی العلل (۱/ ۲۳۳) میں ہے۔

(۲) یہ حاطب رضی اللہ عنہ کے طویل واقعہ کی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۳) یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے: صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: ”لولا إذ سمعتموہ۔۔۔“ (۸/ ۴۵۴، مع فتح الباری)، وصحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب حدیث الافک وقبول توبۃ القاذف، (۴/ ۲۱۲۹) حدیث (۲۷۷۰)۔

یا یہ عقیدہ رکھے کہ بعض الفاظ یا بعض آیتیں قرآن کا حصہ نہیں ہیں؛ کیونکہ وہ اس کے نزدیک صحیح طور پر ثابت نہیں ہے، جیسا کہ سلف صالحین میں کئی لوگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے قرآن کریم سے کئی الفاظ کا انکار کیا ہے؛ جیسے کسی نے فرمان باری:

﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ ﴾ [الاسراء:۲۳]۔

اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے۔

کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ: "وَوَصَّىٰ رَبُّكَ" (تیرا رب وصیت کر چکا ہے) ہے۔

اور بعض لوگوں نے فرمان باری:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ﴾ [آل عمران:۸۱]۔

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا۔

کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ بنی اسرائیل سے لیا گیا عہد و پیمان ہے، اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی اسی طرح ہے۔

اسی طرح بعض لوگوں نے فرمان باری تعالیٰ:

﴿ أَفَلَمْ يَاْيْـَٔسِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ﴾ [الرعد:۳۱]۔

تو کیا ایمان والوں کو اس بات پر دل جمعی نہیں۔

کا انکار کیا ہے، اُن کا کہنا ہے کہ یہ "أَفَلَمْ يَتَبَيَّنِ الَّذِينَ آمَنُوا" ہے۔

اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے جب ہشام بن حکیم بن حزام کو سورۃ الفرقان اُن الفاظ ولہجات کے علاوہ میں پڑھتے ہوئے سنا جن الفاظ سے وہ پڑھتے تھے تو اُن پر نکیر فرمائی[1]۔

---

(۱) قصہ صحیحین میں موجود ہے: صحیح بخاری، کتاب الخصومات، باب کلام الخصوم بعضھم فی بعض، (۳/ ۹۰)، وصحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب بیان أن القرآن سبعۃ أحرف، (۱/ ۵۶۰)، حدیث (۸۱۸)، ومسند احمد (۱/ ۴۰،۲۴)۔

اسی طرح سلف میں کچھ لوگوں نے بعض قراء پر ان الفاظ اور لہجات کے سلسلہ میں نکیر کی ہے جنہیں وہ نہیں جانتے تھے' یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں متفقہ مرکزی مصحف پر جمع کیا۔

اسی طرح سلف وخلف کی ایک جماعت نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ گناہوں کو چاہتا ہے؛ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ارادہ و چاہت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ اُس سے محبت کرتا ہے، اُس سے خوش ہوتا ہے اور اس کا حکم دیتا ہے۔ جبکہ سلف وخلف کی ایک دوسری جماعت نے انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو چاہتا ہے؛ کیونکہ ان کا گمان ہے کہ ارادہ کا معنیٰ گناہوں کے پیدا کرنے کی چاہت ومشیت ہی ہے، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، وہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا، اور قرآن کریم میں لفظ ''ارادہ'' اس معنیٰ میں بھی آیا ہے اور اُس معنیٰ میں بھی، لیکن ہر گروہ نے دونوں میں سے ایک معنیٰ کو جانا اور دوسرے کا انکار کردیا''[1]۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی باتوں اور اُن کی پیش کردہ مثالوں سے ظاہر وعیاں ہے کہ واقعی اجتہادی غلطی معاف ہوا کرتی ہے؛ کیونکہ مجتہد اپنے علم کے مطابق کسی دلیل کی دلالت کے سبب ایک چیز کے ثبوت کا عقیدہ رکھتا ہے' لیکن ساتھ ہی اس مجتہد کے پاس اس کے معارض دلیل کا علم نہیں ہوتا، اور جو مجتہد اس مقام پر ہو' جب اُس کے سامنے مخالف دلیل کی وضاحت کی جاتی ہے تو وہ اپنے قول سے رجوع کرلیتا ہے، جیسا کہ یہ چیز بہت ساری مثالوں میں واضح ہے' جنہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

البتہ یہ اجتہاد جس میں گناہ معاف اور اُس میں مجتہد کے لئے اجر ثابت ہوتا ہے: وہ

---

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، (۲۰/ ۳۳-۳۶)۔

اجتہاد ہے جو واقعی اہل اجتہاد سے صادر ہو، رہے عوام تو گرچہ انہیں اجتہاد کا زعم ہو لیکن انہیں اجتہاد کا حق نہیں، کیونکہ وہ اجتہاد کے اسباب و وسائل کے محتاج ہیں، اُن کا کام بس اتنا ہے کہ: وہ گمان، اٹکل پچو اور خواہشات نفسانی پر مبنی رائے کے مطابق باتیں کرتے ہیں۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''شریعت میں ہونے والے اجتہاد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ اجتہاد جو شرعاً معتبر ہے، یہ وہ اجتہاد ہے جو اجتہاد کی واقعی اہلیت رکھنے والوں سے صادر ہو، جو اجتہاد کے لئے مطلوبہ امور کا بھرپور علم رکھتے ہیں۔۔۔

(۲) غیر معتبر اجتہاد، یہ وہ اجتہاد ہے جو ایسے شخص سے صادر ہو جسے اجتہاد کے لئے مطلوبہ امور کا علم نہ ہو، کیونکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ محض خواہش اور مقاصد و مفادات پر مبنی رائے، اندھے پن کی بدمستی اور ہوائے نفس کی پیروی ہے، چنانچہ اس کیفیت میں صادر ہونے والی کسی بھی رائے کے غیر معتبر ہونے میں ادنیٰ شک نہیں؛ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کی ضد ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ﴾ [المائدۃ:۴۹]۔

آپ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے۔

نیز ارشاد ہے:

﴿يَـٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَـٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ

اَللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا نَسُوا۟ يَوْمَ ٱلْحِسَابِ ﴿٢٦﴾ ﴾ [ص:٢٦]۔

اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دیا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی، یقیناً جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ہے۔

اور اس بات میں بالجملہ کوئی دشواری نہیں ہے"[1]۔

اور غیر اہل علم کی جانب سے اس قسم کا اجتہاد عہد نبوی ﷺ میں ان لوگوں کے واقعہ میں صادر ہوا تھا جنہوں نے اُس صحابی کو جس کا سر زخم آلود تھا، (احتلام کے سبب) غسل واجب ہونے کا فتویٰ دے دیا تھا، چنانچہ:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجْنَا فِي سَفَرٍ فَأَصَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهُ فِي رَأْسِهِ، ثُمَّ احْتَلَمَ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ فَقَالَ: هَلْ تَجِدُونَ لِي رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ؟ فَقَالُوا: مَا نَجِدُ لَكَ رُخْصَةً وَأَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَاءِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أُخْبِرَ بِذَلِكَ، فَقَالَ: "**قَتَلُوهُ، قَتَلَهُمُ اللَّهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا، فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ**"[2]۔

---

(۱) الموافقات، از شاطبی، (۴/ ۱۶۷)۔

(۲) سنن ابو داود، کتاب الطہارۃ، باب فی المجروح یتیمم، (۱/ ۹۳)، حدیث (۳۳۶)، و دار قطنی، (۱/ ۹۰)، اور اس کا ایک شاہد ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ہے، (۱/ ۳۷۰)، و سنن دارمی، کتاب الطہارۃ، باب المجروح تصیبہ الجنابۃ (۱/ ۱۵۶)، حدیث (۷۵۸)، و ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب المجروح تصیبہ الجنابۃ، (۱/ ۱۸۹)، حدیث (۵۷۳)، و مستدرک حاکم، کتاب الطہارۃ، باب کیف یغتسل من احتلم، (۱/ ۱۷۸)۔

سنن دارمی کے محقق فرماتے ہیں: "اسے حاکم نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند کو درست کہا ہے، اور وہ صحیحین ===

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نکلے، ہوا یہ کہ ہم میں ایک شخص کو پتھر لگ گیا جس سے اس کا سر زخم آلود ہوگیا، پھر اُسے احتلام بھی ہوگیا، چنانچہ اُس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ کیا تم لوگ میرے لئے تیمم کی رخصت پاتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہم تمہارے لئے تیمم کی رخصت نہیں پاتے، کیونکہ تمہیں پانی استعمال کرنے کی قدرت ہے، چنانچہ اس نے غسل کیا اور اس کی موت ہوگئی، جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: ''ان لوگوں نے اُسے قتل کر ڈالا، اللہ انہیں بھی مار ڈالے، جب علم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں؟ کہ عاجز کا علاج سوال کرنا ہے''۔

چنانچہ انہوں نے: ''اجتہاد کے بغیر غلطی کی، کیونکہ وہ اہل علم میں سے نہ تھے''[1]۔

ثانیاً:

علماء کے مابین اختلاف ہونا ایک مقدر اور طے شدہ امر ہے، جس سے تجاوز ممکن نہیں: ''کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے فیصلہ کیا ہے کہ اس ملت کے فروعی مسائل غور وفکر کے قابل ہوں اور اُن میں خیال وگمان کی گنجائش رہے، اور اہل فکر ونظر کے یہاں یہ بات ثابت ہے کہ نظریاتی مسائل میں عام طور پر اتفاق ہونا ممکن نہیں ہوتا؛ چنانچہ ظنی مسائل اختلاف کے

=== کی شرط پر ہے، ''تنقیح'' میں فرماتے ہیں: نیز اسے دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور دونوں نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن باب کی حدیثیں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں، لہٰذا اس سے یہ قابل احتجاج ہو جاتی ہے، اسی لئے ابن السکن نے اسے صحیح قرار دیا ہے...'' دیکھئے: سنن دارمی، (۱/ ۱۵۷-۱۵۸)۔

[اس حدیث کو علامہ البانی نے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح ابو داود (۳۶۴)، وصحیح الجامع (۴۳۶۳)، (مترجم)]۔

(۱) رفع الملام عن الأئمۃ الأعلام، از ابن تیمیہ، ص (۴۸)۔

امکان میں ڈوبے ہوتے ہیں' لیکن اصول وعقائد میں نہیں' فروعی مسائل میں، اور کلیات میں نہیں صرف جزئیات میں، اسی لئے یہ اختلاف نقصاندہ نہیں ہوتا"(۱)۔

اور علماء امت نے تاریخ کے ہر دور میں اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھا اور جان لیا کہ امت کو جو مختلف ممالک میں پھیلی ہوئی ہے' اور جہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پھیلے' اور ان میں سے ہر ایک نے نبی کریم ﷺ سے سنی ہوئی باتوں کو تابعین تک پہنچایا، پھر تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سنی ہوئی باتوں کو مختلف ممالک کے لوگوں تک پہنچایا، اور اسی پر اپنے آراء و اجتہادات کی بنیاد رکھا، بلکہ ان میں سے بعض نے نصوص شریعت سے وہ باتیں سمجھیں جنہیں دوسروں نے نہیں سمجھا، اُسے ایک رائے پر متحد رکھنا ممکن نہیں۔

اور یہ بھی جان لیا کہ پوری امت کو ایک قول پر اکٹھا کرنا ایسا ہدف ہے جس کا حصول بڑا مشکل اور دشوار ہے۔

اسی لئے جب خلیفہ منصور نے امام مالک رحمہ اللہ سے امت کو موطا کا پابند کرنے اور لوگوں کو اُس پر یکجا کرنے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے فرمایا:

"ایسا نہ کریں، کیونکہ لوگوں کے پاس پہلے سے بہت ساری باتیں موجود ہیں، اور انہوں نے بہت سی احادیث اور روایتیں سن رکھا ہے، اور اُن میں سے ہر جماعت نے اپنے پاس پہلے سے موجود لوگوں کے اختلافات وغیرہ کو اپنا رکھا ہے، اور اُسے دین سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہیں، اُنہیں اپنے نظریات سے ہٹانا بڑا مشکل ہے، لہٰذا لوگوں کو اپنے مسائل اور ہر علاقہ والوں نے اپنے لئے جو کچھ اپنا رکھا ہے' اُنہیں اسی پر باقی رہنے دیں"(۲)۔

---

(۱) الاعتصام، از شاطبی (۲/۱۶۸)۔

(۲) بحوالہ: کشف الغطاء، از ابن عساکر ص (۴۷)۔

یہ اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے ہی موجود ہے، اور اللہ عزوجل نے ہمیں اس اختلاف سے نہیں روکا ہے، بلکہ ہمیں اجتماعیت اور باہمی میل جول سے رہنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرقہ بندی، اختلاف اور حد سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے۔" اور صحابہ رضی اللہ عنہم چند متنازعہ مسائل میں اس بات پر متفق ہوئے تھے کہ ہر فریق دوسرے فریق کو اپنے اجتہادی مسئلہ پر عمل کرنے دے، جیسے عبادات، شادی بیاہ، وارثت، عطیہ اور سیاست وغیرہ کے مسائل"[1]۔

"نیز صحابہ رضی اللہ عنہم کسی مسئلہ کے بارے میں از راہِ باہمی مشورہ اور خیر خواہی ایک دوسرے سے بحث ومناظرہ بھی کرتے تھے، اور بسا اوقات کسی علمی وعملی مسئلہ میں اُن کی بات میں اختلاف بھی ہوتا تھا، لیکن الفت ومحبت، عصمت اور دینی بھائی چارگی بدستور قائم رہتی تھی۔ ہاں مگر جو روشن کتاب، معروف ومشہر سنت اور سلف امت کے اجماع کی اس طور پر مخالفت کرے جس میں وہ معذور نہ ہو، تو اس کے ساتھ بدعتیوں جیسا سلوک وبرتاؤ کیا جائے گا"[2]۔

خلاصۂ کلام اینکہ جائز اجتہاد وہ ہے جس میں فرقہ بندی، زیادتی اور حد سے تجاوز نہ ہو۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسی لئے جائز اجتہاد کی موجودگی میں بلکہ معمولی تجاوز کے ہوتے ہوئے بھی فتنہ اور فرقہ بندی نہیں ہوتی، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فتنہ میں لڑائی سے منع فرمایا ہے، اور یہ اہل سنت کے اصولوں میں سے ہے"[3]۔

---

(۱) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۱۹/ ۱۲۲)۔

(۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۲۴/ ۱۷۲)۔

(۳) الاستقامۃ، (۱/ ۳۱-۳۲)۔

نیز فرمان باری تعالیٰ:

﴿وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ [الشوری:۱۴]۔

ان لوگوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد ہی اختلاف کیا (اور وہ بھی) باہمی ضد بحث سے۔

کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ ان کی تفرقہ بازی اُس علم کے آجانے کے بعد ہوئی جس نے انہیں واضح طور پر بتا دیا جن باتوں سے انہیں بچنا چاہیے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا' جب تک کہ انہیں کھول کر بتلا نہ دے جن سے وہ بچیں۔ نیز بتلایا کہ وہ محض ہٹ دھرمی اور تجاوز کے سبب فرقوں میں تقسیم ہوئے، ''بغی'' حد سے تجاوز کرنے کو کہا جاتا ہے۔۔۔ یہ اس تفرقہ کے برخلاف ہے جو اجتہاد کی بنا پر ہوتا ہے' جس میں علم ہوتا ہے' نہ اُس کا مقصد حد سے تجاوز کرنا، جیسے علماء کرام کا جائز تنازعہ، اور ''بغی'' یا تو حق ضائع کر کے ہوتا ہے، یا حد سے تجاوز کر کے؛ دوسرے لفظوں میں وہ یا تو واجب کا ترک ہے یا حرام کا ارتکاب، لہٰذا معلوم ہوا کہ تفرقہ کا محرک یہی چیز ہے''(۱)۔

اور جب یہ اجتہاد جائز ہے تو مجتہد پر طعنہ و تشنیع کرنا جائز نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''لوگوں نے یا جن لوگوں نے قرآن کی تفسیر اور احادیث کی شرح کی ہے' اُن کا بسا اوقات بعض مسائل میں اس قدر اختلاف ہو گیا ہے کہ ان مسائل میں وہ ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے ہیں، اور ان میں سے ایک نے دوسرے کے بارے میں ایسی باتیں کہہ ڈالیں

(۱) مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ، (۱/ ۱۴)۔

جن کا بیان کرنا طوالت کا باعث ہے، اور یہ چیز ان سے پہلے سے چلی آرہی ہے، کچھ چیزیں عہد سلف لیکر اُن کے بعد آج تک ہیں، چنانچہ ہم امت کے سلف میں سے کسی کو نہیں جانتے جو قابل اقتداء ہو نہ اُن کے بعد تابعین میں سے کسی کو، جس نے کسی تاویل کے سبب کسی کی گواہی رد کردی ہو گرچہ اُسے خطا کار اور گمراہ کہتا ہو اور اُس کے بارے میں اس کا خیال ہو کہ اُس نے اس کی بابت اس چیز کو حلال سمجھ لیا ہے جو اس پر حرام تھی۔ نہ جس نے کسی تاویل کے سبب جو کسی توجیہ کی محتمل ہو کسی کی گواہی رد کردی ہو، اگر چہ وہ اس میں جان مال یا سخت کلامی حلال کئے جانے کی حد تک پہنچ چکا ہو، اور ایسا اس لئے ہے کہ ہم نے پایا ہے کہ شرک باللہ کے بعد خون سب سے عظیم چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے اور ہم نے کچھ تاویل کرنے والوں کو پایا جو کئی وجوہ سے خون کو حلال سمجھتے ہیں، جبکہ ان جیسے دیگر لوگوں نے اُن سے صرف نظر کیا ہے اور اس میں ان کی مخالفت کی ہے، لیکن اُس اختلاف کے باوجود انہوں نے اُن کی گواہی رد نہیں کی ہے، لہٰذا تاویل کے ذریعہ کسی بات وغیرہ کو حلال سمجھنے والے ہر ایک کی گواہی گزر چکی ہے، کسی تاویلی غلطی کے سبب اُسے رد نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ ہو سکتا ہے اُس کا مخالف غلطی کی بنیاد پر حلال سمجھتا ہو، اِلا یہ کہ اُن میں سے کوئی جھوٹی گواہی کو حلال سمجھنے سے معروف ہو۔۔۔

اور اسی طرح نکاح متعہ کو حلال سمجھنے والے، اُس کا فتویٰ دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے کی گواہی بھی رد نہیں کی جائے گی، اسی طرح اگر وہ خوشحال ہو اور کسی مسلمہ یا مشرکہ لونڈی سے نکاح کو حلال سمجھتے ہوئے اُس سے نکاح کرلے، کیونکہ ہم لوگوں کے مفتیان اور اونچے لوگوں کو پاتے ہیں جو اس چیز کو حلال سمجھتے ہیں، یہی معاملہ دو دینار کے بدلے ایک دینار اور دو درہم کے بدلے ایک درہم نقد لین دین کو حلال سمجھنے اور اس پر عمل کرنے

والے کا ہے؛ کیونکہ بعض چوٹی کے لوگوں کو پاتے ہیں جو اس کی حلت کا فتویٰ دیتے ہیں، اس پر عمل کرتے ہیں اور اس کی روایت کرتے ہیں، ایسے ہی عورتوں سے دبر میں مباشرت کو حلال سمجھنے والا بھی ہے، چنانچہ یہ ساری چیزیں ہمارے یہاں حرام اور ناپسندیدہ ہیں، اگرچہ لوگ اس میں ہمارے خلاف ہیں، لیکن ہم نے ان کی باتوں سے صرف نظر کیا ہے اس چیز نے ہمیں اس بات پر آمادہ نہیں کیا کہ ہم اُن پر جرح کریں اور یہ کہیں کہ: آپ لوگوں نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرایا ہے اور آپ لوگ غلط کار ہیں؛ کیونکہ جیسے ہم اُن پر غلط ہونے کا دعویٰ کریں گے ویسے وہ بھی ہم پر غلط ہونے کا دعویٰ کریں گے اور ہماری رائے رکھنے والوں کے بارے میں یہ کہیں گے کہ انہوں نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے"[۱]۔

بنابریں ان محرمات میں سے کسی چیز کو حلال سمجھنے یا اس کا ارتکاب کرنے والے پر وعید اور لعنت کو شامل احادیث پر اُن کے تقاضہ کے مطابق عمل کرنا واجب ہے اس عقیدہ کے ساتھ کہ اس حرام کام کا مرتکب اس وعید کا مستحق ہے، البتہ اُس وعید کا لاحق یا نافذ ہونا کچھ شرائط پر موقوف ہے اور اس کے کچھ موانع بھی ہیں"[۲]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح اس سلسلہ میں بہت ساری مثالیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ بڑا وسیع باب ہے، کیونکہ اس میں کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ سے حرام کردہ تمام مسائل داخل ہیں، بایں صورت کہ بعض ائمہ کو حرمت کے دلیلیں نہ پہنچی ہوں؛ جس کے نتیجہ میں

---

(۱) الام، از شافعی (۶/ ۲۰۵-۲۰۶)۔

(۲) دیکھئے: رفع الملام، از ابن تیمیہ ص (۶۲-۶۳)۔

انہوں نے اسے حلال سمجھ لیا ہو، یا پھر یہ کہ ان کے یہاں ان دلیلوں کے معارض دیگر دلائل ہوں'' جس میں اپنی سوجھ بوجھ اور علم کے مطابق اجتہاد کرتے ہوئے اُنہوں نے اُسے راجح سمجھا ہو۔

کیونکہ تحریم کے کئی احکام ہیں: جیسے گنہ گاری، مذمت، سزا اور فسق وغیرہ۔ لیکن اسی کے ساتھ ان احکام کے لاگو ہونے کے لئے کچھ شروط اور موانع بھی ہیں، چنانچہ کبھی حرمت تو ثابت ہوتی ہے لیکن شرط فوت ہونے کے سبب یا کسی مانع کے وجود کے باعث یہ احکام ناپید ہوتے ہیں، یا کبھی اس شخص کے حق میں حرمت ہی ناپید ہوتی ہے جبکہ اُس کے علاوہ دوسرے کے حق میں حرمت ثابت ہوتی ہے''[1]۔

یہ حق (درج ذیل) دو منحرف طریقوں کے مابین وسط اور معتدل طریقہ ہے:

''**ایک طریقہ:** یہ ہے کہ بعینہ ہر ہر فرد پر وعید لاحق اور نافذ ہونے کی بات کہی جائے، اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ نصوص کے بموجب عمل کرنا ہے۔

یہ طریقہ گناہوں کی بنیاد پر کافر قرار دینے والے خوارج، معتزلہ اور دیگر لوگوں کے قول سے بھی بدتر ہے، اور اس قول کا فساد دین اسلام میں بدیہی طور پر معلوم ہے، اور اس کے دلائل بھی دوسری جگہوں پر معروف ہیں۔

دوسرا طریقہ: یہ ہے کہ رسول ﷺ کی احادیث کے بموجب قول و عمل اس گمان سے ترک کر دیا جائے کہ: ان احادیث کے بموجب بات کہنے سے اس کے مخالفین کی شان میں طعنہ زنی لازم آتی ہے۔ یہ قول و عمل کا ترک ضلالت و گمرہی اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے وابستگی کا پیش خیمہ ہے، جنہوں نے اپنے علماء، پادریوں اور اسی طرح مسیح بن مریم علیہ السلام کو

---

(۱) رفع الملام ص (۷۱)۔

اللہ کے سوا رب بنالیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"لَمْ يَعْبُدُوهُمْ، وَلَكِنْ أَحَلُّوا لَهُمُ الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوهُمْ، وحَرَّمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلالَ، فَاتَّبَعُوهُمْ"[1]۔

انہوں نے ان کی عبادت تو نہیں کی، لیکن حرام کو حلال ٹھہرایا تو ان کی پیروی کی، اور حلال کو حرام ٹھہرایا تو ان کی پیروی کی۔

نیز یہ چیز خالق تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری کی طرف لے جاتی ہے۔ اسی طرح بُرے انجام اور گھناؤنے نتیجہ کا سبب بنتی ہے، جیسا کہ فرمان باری سے معلوم ہوتا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيْرٞ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝٥٩﴾ [النساء:۵۹]۔

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

پھر علماء کرام کے یہاں اختلافات کی کثرت ہے' اب اگر ہر حدیث جس میں وعید یا شدت ہو' جس کا کوئی مخالف ہو، اور اس وعید کے سبب اُسے بولنا یا مطلقاً اُس پر عمل کرنا ترک کر دیا جائے' تو اُس سے ایسی بُرائی لازم آئے گی جو کفر اور دین اسلام سے خروج سے تعبیر کئے جانے سے بھی زیادہ عظیم تر اور سنگین ہوگی، اور اگر اِس سے لازم آنے والی بُرائی

(۱) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

پہلے سے سنگین تر نہ ہو تو اس سے کمتر بھی نہ ہوگی“[1]۔

درحقیقت مجتہد پر طعن و تشنیع سے اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ امت میں علم اور عدل وانصاف سے معروف عالم کے بارے میں یہ حسن ظن ہے کہ وہ عمداً و قصداً حق کی مخالفت نہیں کرے گا، بلکہ معاملہ محض اتنا ہے کہ اس نے اجتہاد کیا اور اس میں اس سے غلطی ہوگئی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جنہیں امت میں عمومی طور پر سچی زبان حاصل ہے، بایں طور کہ امت کے کم وبیش تمام طبقوں میں ان کی مدح وثنا اور تعریف وستائش کی جاتی ہے وہ ہدایت کے امام اور تاریکیوں کے روشن چراغ ہیں، ان کی غلطی درستی کے مقابل کم ہے، اور غلطیاں عام طور پر جو ان سے ہوئی ہیں وہ اجتہادی ہیں جن میں وہ معذور ہیں، وہی لوگ علم اور عدل وانصاف کے سچے پیروکار ہیں چنانچہ وہ جہالت ونادانی ظلم ونا انصافی، گمان کی پیروی اور خواہشات نفسانی سے دور ہیں“[2]۔

ثالثاً:

احکام میں مجتہدین کے اختلاف کے کئی معتبر اسباب ہوا کرتے ہیں یہ جان بوجھ کر، بلا وجہ یونہی، یا خواہش نفس وغیرہ کی بنیاد پر نہیں ہوتا، ان اسباب میں سے کچھ باتیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ”رفع الملام عن الائمۃ الأعلام“ نامی نفیس اور عمدہ رسالہ میں جمع کیا ہے، چنانچہ اختلاف کے اجمالی اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) رفع الملام، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص (۱۰۴-۱۰۶)۔

(۲) مجموع فتاوی ابن تیمیہ، (۱۱/ ۴۳)۔

''جان لینا چاہئے کہ امت میں عمومی مقبولیت رکھنے والے ائمہ کرام میں سے کوئی بھی امام جان بوجھ کر کسی بھی چھوٹی بڑی سنت میں رسول اللہ ﷺ کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا، کیونکہ وہ رسول اللہ کی اتباع کے واجب ہونے پر یقینی طور سے متفق ہیں' نیز اس بات پر بھی کہ لوگوں میں ہر ایک کی بات کو لیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے' سوائے رسول ﷺ کے۔

البتہ اگر ان میں سے کسی کی کوئی بات ملے جس کے برخلاف حدیث صحیح موجود ہو' تو لازمی طور پر اس کے چھوڑنے میں اس کے پاس کوئی عذر رہا ہوگا۔

اور تمام اعذار کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ اُس کا یہ خیال نہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے وہ بات کہی ہے۔

۲۔ اس کا یہ خیال نہ ہوگا کہ اس بات سے وہی مسئلہ مراد ہے۔

۳۔ اس کا یہ خیال ہوگا کہ وہ حکم منسوخ ہے۔

اور یہ تینوں قسمیں کئی اسباب میں پھیل جاتی ہیں''[1]۔

پھر شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ان اسباب پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، طالب علم کو چاہئے کہ اس چھوٹے حجم کے مفید ترین رسالہ کا ضرور مطالعہ کرے۔

رابعاً:

یہ بات بھی لازمی طور پر جان لینی چاہئے کہ علماء مجتہدین کے درمیان ہونے والا ہر اختلاف حقیقی اختلاف شمار نہیں ہوتا، چنانچہ کبھی وہ لفظی اختلاف ہوتا ہے' یا پھر اختلاف تنوع کے قبیل سے ہوتا ہے' اختلاف تعارض وتضاد نہیں ہوتا۔

---

(۱) رفع الملام، از ابن تیمیہ، ص (۱۲)۔

چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

''سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ آيَةً سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ خِلَافَهَا، فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ، فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ، فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ، فَقَالَ: ''**كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ، وَلَا تَخْتَلِفُوا، فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا**''[1]۔

کہ میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا، جسے میں نے رسول اللہ ﷺ کو اُس کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا تھا، چنانچہ میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور نبی کریم ﷺ کے پاس لے کر آیا، اور آپ سے اس کا ذکر کیا، تو میں نے آپ کے چہرے پر ناگواری محسوس کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم دونوں صحیح پڑھ رہے ہو، اختلاف نہ کرو، کیونکہ تم سے پہلے کے لوگوں نے اختلاف کیا جس کے نتیجہ میں ہلاک و برباد ہو گئے''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے اس اختلاف سے منع فرمایا ہے جس میں اختلاف کرنے والوں میں سے ہر ایک دوسرے کے پاس موجود حق کو قبول کرنے سے انکار کرے، اس لئے کہ دونوں پڑھنے والے اپنی قراءت میں درستی پر تھے۔ اور آپ ﷺ نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ: ہم سے پہلے کے لوگ اختلاف کرنے کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے تھے''[2]۔

پھر فرماتے ہیں:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الخصومات، باب مایذکر فی الاشخاص، (۳/ ۸۸)، وکتاب الأنبیاء، (۴/ ۱۵۱)، وکتاب فضائل القرآن، باب: اقرءوا القرآن ما ائتلفت قلوبکم...، (۶/ ۱۱۶)، ومسند احمد، (۱/ ۴۱۲، ۴۶۵)۔

(۲) اقتضاء الصراط المستقیم، (۱/ ۱۲۳)۔

”جان لو کہ امت کے درمیان کا اکثر و بیشتر اختلاف جو خواہشات نفسانی کو جنم دیتا ہے، آپ اُسے اسی قسم کا پائیں گے۔ وہ یہ کہ اختلاف کرنے والوں میں سے ہر ایک جس بات کو ثابت کر رہا ہے، اُس میں یا اس میں سے بعض میں درستی کو پانے والا اور جس پر دوسرا قائم ہے اس کی نفی کرنے میں خطار ہو گا“[1]۔

خامساً:

وہ بنیاد اور اصول جس کی طرف اختلاف کو لوٹایا جائے گا اور اس سے حق و باطل کی معرفت ہوگی، وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيْرٞ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ٥٩﴾ [النساء:۵۹]۔

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

اللہ عزوجل کی طرف لوٹانا، اللہ کی کتاب قرآن کریم کی طرف لوٹانا ہے۔

اور رسول ﷺ کی طرف لوٹانا، آپ ﷺ کی زندگی میں براہ راست آپ کی طرف، اور وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف لوٹانا ہے۔

---

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم، (۱/ ۱۴۴)۔

اسی اصول پر یہ مسئلہ بھی مبنی ہے کہ جو بات دلالت وثبوت کے اعتبار سے قطعی دلیل سے ثابت ہو اُس میں اجتہاد نا قابل قبول ہے، اور جو ایسے مسائل میں اجتہاد کرنا چاہے گا وہ اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا، ارشاد باری ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾﴾ [النساء:۱۱۵]۔

جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔

سادساً:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عصمت کسی کے لئے نہیں ہے، علماء مجتہدین میں سے کوئی معصوم نہیں ہے، لہٰذا ہر ایک کی بات لی جا سکتی ہے اور رد کی جا سکتی ہے سوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

''كلٌّ يُؤخذ من قوله ويُرَدُّ إلاَّ صاحب هذا القبر، وَأَشَارَ إلى قبر النَّبِيِّ ﷺ''[1]۔

ہر ایک کی بات سے لیا بھی جائے گا اور رد بھی کیا جائے گا، سوائے اس قبر والے کی بات کے، اور انہوں نے قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا۔

(۱) دیکھئے: إرشاد السالک، از ابن عبد الہادی، (۱/ ۲۲۷)، وسیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۸/ ۹۳)۔

لیکن اگر کسی بات پر امت کا اجماع ہو جائے تو اُس میں درستی کا یقین ہو جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَجْمَعَ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ''[1]۔

اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرسکتا۔

(۱) اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

چودہواں مبحث:

علماء پر اعتراض کرنے میں جلد بازی سے اجتناب

بلاشبہہ امت میں علم، امانت اور عدل سے معروف علماء پر اعتراض ترک کر دینا ایک قابل ستائش امر ہے، کیونکہ طالب علم کو چاہیے کہ جلیل القدر علماء کی رائے کے بالمقابل اپنی رائے کو متہم ٹھہرائے تحقیق و توثیق کرنے سے پہلے فوراً اعتراض نہ کرے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بلاشبہہ امانت، سچائی اور اہل فضل، دین اور ورع والوں کی راہوں پر چلنے میں معروف عالم دین سے جب کوئی ہنگامی پیش آمدہ مسئلہ پوچھا جائے اور وہ جواب دے، یا اس کے سامنے کوئی ایسی صورتحال پیش کی جائے کہ اس جیسی حالت کا پیش آنا بعید ہو، یا سامع کے سمجھ میں آنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں اس پر اعتراض یا تنقید نہ کی جائے۔ اور اگر کوئی اشکال درپیش ہو تو ان شاء اللہ توقف کرنا کامیابی کے لئے زیادہ موزوں اور مقصد کے حصول کے لئے زیادہ سزاوار ہے''[1]۔

---

(۱) الموافقات، از شاطبی، (۵ / ۴۰۰)۔

قابل اعتماد عالم جس کے بارے میں حق اور خیر کے التزام کا گمان ہو اُس پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرنا قابل تعریف صبر کا حصہ ہے، کیونکہ:

''جسے عالم اور علم کی ہم نشینی پر صبر کی قوت نہ ہو اور اُس پر اچھی طرح ثابت قدم نہ رہ سکتا ہو وہ علم حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ بے صبرا آدمی علم حاصل نہیں کرسکتا، اور جو صبر پر کاربند اور اُس کا دامن تھامے رہتا ہے اُس کے ذریعہ ہر مقصد پالیتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے''(۱)۔

چنانچہ آپ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ میں پائیں گے کہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام پر ان امور کے سلسلہ میں صبر کی شرط لگائی تھی، جن کا علم خضر علیہ السلام کو تھا، موسیٰ علیہ السلام کو ان کا علم نہ تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ قَالَ لَهُۥ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰٓ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِۦ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِىٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعْصِى لَكَ أَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَإِنِ ٱتَّبَعْتَنِى فَلَا تَسْـَٔلْنِى عَن شَىْءٍ حَتَّىٰٓ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ ﴾ [الکہف: ۶۶-۷۰]۔

اس سے موسیٰ نے کہا کہ میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کرسکتے۔ اور جس چیز کو آپ نے اپنے علم میں نہ لیا ہو اس پر صبر بھی کیسے کرسکتے ہیں؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی بات میں، میں

---

(۱) تیسیر الکریم الرحمن، (۵/ ۶۸)۔

آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔اس نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں۔

احکام وفیصلے بسااوقات اصل میں اسی طرح ہوتے ہیں جیسے عالم پر اعتراض کرنے والا چاہتا ہے،لیکن عالم کوئی عارض جانتا ہے،جو اس حکم کو اس کی عام حالت سے پھیر دیتا ہے۔

علامہ سعدی رحمہ اللہ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے قصہ کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے:کہ معاملات کے احکام اُن کے ظاہر پر لگائے جائیں گے،اور جان ومال وغیرہ میں دنیوی احکام اُنہی سے متعلق ہوں گے۔کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے کشتی توڑنے اور بچے کو مارڈالنے کی بابت خضر علیہ السلام پر اسی لئے نکیر کیا،کہ ظاہر میں یہ تمام کام منکر ہیں،اور موسیٰ علیہ السلام اس حالت کے علاوہ میں جس میں انہوں نے خضر علیہ السلام کی صحبت اختیار کی تھی،خاموش نہ رہ سکتے تھے،اسی لئے انہوں نے جلدی کی اور عام حالت کے مطابق اس پر حکم لگادیا،اس عارض کی جانب توجہ نہ دی جو ان کے لئے صبر کرنے اور انکار کرنے میں جلد بازی نہ کرنے کا موجب تھا''[1]۔

اس عظیم اصول یعنی''تحقیق وتثبت سے پہلے علماء کرام پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرنے'' کی سب سے بڑی دلیل نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ ہے جو حدیبیہ کے روز قریش کے ساتھ صلح نامہ لکھے جانے کے بعد پیش آیا۔

اس صلح کے دفعات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) تیسیر الکریم الرحمن،(۵/ ۶۹-۷۰)۔

۱۔ مسلمانوں اور قریش کے درمیان دس سال تک جنگ بند رہے گی۔

۲۔ مسلمان اس سال عمرہ کئے بغیر واپس جائیں گے، انہیں آئندہ سال عمرہ کے لئے مکہ آنے کی اجازت ہوگی اور وہ تین دن تک مکہ میں قیام کرسکیں گے۔

۳۔ جو قبائل مسلمانوں اور قریش والوں میں جس کے بھی حلیف بننا چاہیں، انہیں اس کی اجازت ہے۔

۴۔ قریش کا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مسلمان ہوکر مسلمانوں کے پاس آئے گا، مسلمان اُسے واپس کردیں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو قریش کے پاس آئے گا وہ اُسے واپس نہیں لوٹائیں گے۔

اس صلح سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑا ملال ہوا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض بھی کیا، اور کچھ لوگوں نے تو صلح نامہ لکھے جانے کے دوران ہی اعتراض کیا اور کہا:

''يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَكْتُبُ هَذَا؟ قَالَ: ''**نَعَمْ، إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللهُ، وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا**''(۱)۔

اے اللہ کے رسول! کیا ہم یہ لکھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! جو ہم میں سے اُن کی طرف پلٹ کر جائے اللہ اُسے دور ہی کردے، اور جو ان میں سے ہمارے پاس آئے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے عنقریب کشادگی اور آسانی کی راہ نکالے گا''۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ شد و مد سے اعتراض کرنے والے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں:

''فَأَتَيْتُ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ: أَلَسْتَ نَبِيَّ اللَّهِ حَقًّا، قَالَ: ''**بَلَى**''.

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیہ، (۳/۱۴۱۱)، حدیث (۱۷۸۴)۔

قُلْتُ: أَلَسْنَا عَلَى الحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى البَاطِلِ؟ قَالَ: ''**بَلَى**''. قُلْتُ: فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا إِذًا؟ قَالَ:''**إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ، وَلَسْتُ أَعْصِيهِ، وَهُوَ نَاصِرِي**''، قُلْتُ: أَوَلَيْسَ كُنْتَ تُحَدِّثُنَا أَنَّا سَنَأْتِي البَيْتَ فَنَطُوفُ بِهِ؟ قَالَ:''**بَلَى، فَأَخْبَرْتُكَ أَنَّا نَأْتِيهِ العَامَ؟**''، قَالَ: قُلْتُ: لاَ، قَالَ:''**فَإِنَّكَ آتِيهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهِ**''، قَالَ: فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ: يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَيْسَ هَذَا نَبِيَّ اللَّهِ حَقًّا؟ قَالَ: بَلَى، قُلْتُ: أَلَسْنَا عَلَى الحَقِّ وَعَدُوُّنَا عَلَى البَاطِلِ؟ قَالَ: بَلَى، قُلْتُ: فَلِمَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِي دِينِنَا إِذًا؟ قَالَ: أَيُّهَا الرَّجُلُ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ، وَلَيْسَ يَعْصِي رَبَّهُ، وَهُوَ نَاصِرُهُ، فَاسْتَمْسِكْ بِغَرْزِهِ، فَوَاللَّهِ إِنَّهُ عَلَى الحَقِّ، قُلْتُ: أَلَيْسَ كَانَ يُحَدِّثُنَا أَنَّا سَنَأْتِي البَيْتَ وَنَطُوفُ بِهِ؟ قَالَ: بَلَى، أَفَأَخْبَرَكَ أَنَّكَ تَأْتِيهِ العَامَ؟ قُلْتُ: لاَ، قَالَ: فَإِنَّكَ آتِيهِ وَمُطَّوِّفٌ بِهِ''[1]۔

میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: کیا یہ حقیقت نہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے عرض کیا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! میں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت کیوں برداشت کریں؟۔ آپ ﷺ نے فرمایا:''میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا، اور وہی میرا مددگار ہے''۔ میں نے کہا: کیا آپ ہم سے یہ نہیں فرمارہے تھے کہ ہم بیت اللہ جائیں گے

(۱) صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجھاد، (۳/ ۱۲۸)، وصحیح مسلم، کتاب الجھاد، باب صلح الحدیبیہ، (۳/ ۱۴۱۲)، حدیث (۱۷۸۵)۔

اور اس کا طواف کریں گے؟۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال جائیں گے؟۔کہتے ہیں: میں نے کہا: نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: تو یقیناً تم بیت اللہ پہنچو گے اور ایک دن اس کا طواف کرو گے۔ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، اور ان سے عرض کیا: اے ابو بکر! کیا یہ (محمد ﷺ) اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! میں نے کہا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا : کیوں نہیں! میں نے کہا: پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں ذلت کیوں برداشت کر رہے ہیں؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے شخص! یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ اپنے رب کی حکم عدولی نہیں کر سکتے، وہی ان کا ناصر و مددگار ہے، لہٰذا ان کا دامن تھامے رہو، اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں۔ میں نے کہا: کیا نبی کریم ﷺ ہم سے یہ نہیں کہتے تھے کہ عنقریب ہم بیت اللہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں! لیکن کیا انہوں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال بیت اللہ پہنچو گے؟ میں نے کہا: نہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو یقیناً تم (ایک نہ ایک دن) ضرور بیت اللہ پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے۔

تو یہاں عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مسئلہ کی بابت رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا، جسے انہوں نے غلط اور برا گمان کیا، حالانکہ وہ یقینی طور پر درست اور سراپا خیر و بھلائی تھا۔

امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں ۔۔۔ دین کے مسئلہ میں کچھ نرمی اور اس میں کچھ نقصان برداشت

کرنے کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ بشرطیکہ وہ چیز اپنے آپ میں قدح و برائی کا باعث نہ ہو۔ جب وہ چیز موجودہ حالت میں امن وسلامتی اور مستقبل میں اچھائی اور بہتری کے لئے حتمی اور ناگزیر ہو جائے، خواہ مسلمانوں کی کمزوری کی حالت میں ہو یا قوت وشوکت کی حالت میں، نیز یہ کہ پیروکار کے لئے محض بروقت ظاہری صورتحال کی بنا پر اپنے پیشوا پر اعتراض کرنا مناسب نہیں، بلکہ اس پر تسلیم کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ پیشوا عام طور پر کثرت تجربہ کے سبب معاملات کے انجام کار سے زیادہ واقف ہوتا ہے، بالخصوص اس پیشوا کے ساتھ جسے وحی الٰہی کی تائید حاصل ہو،،[1]۔

اور واقعی بعد میں واضح ہوا کہ صلح حدیبیہ جسے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ناپسند کیا تھا' وہ مسلمانوں کے لئے خیر وبھلائی، فتح اور عظیم مصلحتوں کا باعث تھی۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر اس سے پہلے کوئی فتح نہ ہوئی، بلکہ جنگ ہوتی تھی جس میں لوگوں کی مڈبھیڑ ہوا کرتی تھی؛ چنانچہ جب صلح ہوئی اور جنگ کا سلسلہ بند ہو گیا، لوگ ایک دوسرے سے مامون ہو گئے اور باہم ملکر ایک دوسرے کے ساتھ کھل کر گفتگو اور بات چیت کی، تو اگر کسی معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والے شخص سے بھی اسلام سے متعلق بات کی گئی تو وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

چنانچہ ان دو سالوں میں اتنے لوگ اسلام میں داخل ہوئے جتنا اس سے پہلے تمام اسلام لانے والے تھے' بلکہ اس سے بھی زیادہ،،[2]۔

---

(۱) فتح الباری، (۵ / ۳۵۲)۔

(۲) بحوالہ: سیرۃ النبی ﷺ، از ابن ہشام، (۳ / ۳۲۵)۔

امام ابن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام زہری رحمہ اللہ کی بات کی دلیل یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ حدیبیہ میں چودہ سو صحابۂ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے تھے، پھر اس کے صرف دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار صحابۂ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے''(۱)۔

امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام زہری رحمہ اللہ کی ذکر کردہ بات کے علاوہ مذکورہ صلح کی ایک ظاہری مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ صلح اُس فتح اعظم سے پہلے ایک مقدمہ اور تمہید تھی' جس کے بعد لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہوئے، یہ صلح اُس کا آغاز اور کنجی تھی، اور چونکہ حدیبیہ کا واقعہ فتح مکہ کا مقدمہ تھا' اسی لئے اُسے فتح کہا گیا ہے۔۔۔

نیز صلح حدیبیہ کے فتح ہونے کا ایک سبب مسلمانوں کو خانۂ کعبہ سے روکنا بھی ہے، جو بظاہر مسلمانوں کے لئے باعث تکلیف تھا، لیکن باطن اور حقیقت میں اُن کی عزت وشوکت کا تمغہ تھا؛ کیونکہ ان لوگوں کے درمیان طے کردہ معاہدۂ امن کی بنا پر کسی روک ٹوک کے بغیر لوگوں کے درمیان آپسی میل جول کی فضا پیدا ہوئی، مسلمانوں نے مشرکین کو قرآن سنایا اور اسلام کے سلسلہ میں اُن سے پُر امن علانیہ بحث ومناظرہ کیا، جبکہ اس سے پیشتر یہ باتیں وہ اُن سے خفیہ ہی کر پاتے تھے، اسی طرح جو لوگ اسلام چھپا رہے تھے وہ بھی ظاہر ہوگئے، چنانچہ مشرکین عزت کی جگہ ذلت ورسوائی اور غلبہ کی جگہ پستی وپسپائی سے ہمکنار ہوئے''(۲)۔

اور اعتراض کرنے والے صحابہ کرام پر یہ مصلحتیں آشکارا ہوئیں تو انہوں نے اپنے

(۱) سیرۃ النبی ﷺ، از ابن ہشام، (۳/ ۳۲۶)۔

(۲) فتح الباری، (۵/ ۳۴۸)۔

اعتراض سے توبہ کیا، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی غلطی کا علم اور احساس ہوا، لہٰذا وہ خوب اعمال صالحہ کر رہے تھے اس امید سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اُن کی غلطیوں کو معاف فرمادے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مَا زِلْتُ أَصُومُ وَأَتَصَدَّقُ وَأُصَلِّي وَأَعْتِقُ مِنَ الَّذِي صَنَعْتُ مَخَافَةَ كَلَامِي الَّذِي تَكَلَّمْتُ بِهِ يَوْمَئِذٍ حَتَّى رَجَوْتُ أَنْ يَكُونَ خَيْرًا"(1)۔

میں اپنے کرتوت کے سبب اپنی اُس تند کلامی کے ڈر سے جو میں نے حدیبیہ کے دن کی تھی، مسلسل روزہ رکھتا رہا، صدقہ کرتا رہا، نمازیں پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا، یہاں تک کہ مجھے خیر ہونے کی امید ہوگئی۔

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ علماء صحابہ پر اعتراض کرنے سے ڈراتے تھے، اور جلیل القدر لوگوں کی آراء کے بالمقابل آدمی کی اپنی رائے کو متہم کرنے کا حکم دیتے تھے، اور لوگوں کو حدیبیہ کے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بلکہ خود اپنا موقف یاد دلاتے ہوئے کہتے تھے:

"أَيُّهَا النَّاسُ، اتَّهِمُوا رَأْيَكُمْ، فَإِنَّا كُنَّا يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ، وَلَوْ نَسْتَطِيعُ أَنْ نَرُدَّ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَرَدَدْنَاهُ"(2)۔

اے لوگو! اپنی رایوں کو الزام دو، کیونکہ ہم ابو جندل (صلح حدیبیہ) والے دن موجود تھے، اگر رسول اللہ ﷺ کے حکم کو ٹھکرانا ہمارے بس میں ہوتا تو ہم اُسے ٹھکرا دیتے۔

اور اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجات، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کمال علم اور عمر رضی اللہ عنہ سے اُن کا بلند مقام ہونا بھی واضح ہوا۔

---

(1) مسند احمد بسند حسن، (۴/ ۳۲۴)۔

(2) صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجھاد، (۵/ ۳۳۱، مع فتح الباری)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعینہ نبی کریم ﷺ کے جواب کی طرح جواب دینے میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل، رسول اللہ ﷺ کے احوال کے سب سے زیادہ واقف کار، دینی امور کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے، اور حکم الٰہی کی موافقت میں سب سے پائیدار تھے''[1]۔

اور علماء کرام پر اعتراض کی سنگینی اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے جب اعتراض کرنے والے کا مقصد اُن کی تنقیص اور ناقدری ہو، چنانچہ ایک دن زیاد نے کوفہ کے منبر پر خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اے لوگو! میں نے آج کی شب تین باتوں کے سلسلہ میں بڑی فکرمندی کی حالت میں گزاری ہے' لہٰذا میں نے سوچا کہ اُن کی بابت تمہیں نصیحت کر دوں: دیکھو میں شرف والوں کی تعظیم، علم والوں کی عزت و تکریم اور عمر والوں کا ادب و احترام چاہتا ہوں، اللہ کی قسم! جو شخص کسی علم والے کی ناقدری کرتے ہوئے اس کی بات رد کرنے کے جرم میں میرے پاس لایا جائے گا' میں اُسے سزا دوں گا، اور جو شخص کسی شرف والے کی توہین کرتے ہوئے اُس کی بات رد کرنے کے جرم میں میرے پاس لایا جائے گا' میں اُسے سزا دوں گا، نیز جو شخص کسی عمر رسیدہ بزرگ کی بے ادبی کرتے ہوئے اُس کی بات رد کرنے کے جرم میں میرے پاس لایا جائے گا' میں اُسے بھی سزا دوں گا، لوگ اپنے بڑوں، علم والوں اور عمر رسیدہ افراد ہی سے قائم ہیں''[2]۔

(۱) فتح الباری، (۵/ ۳۴۶)۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ، (۱/ ۵۳)۔

حکماء اہل علم سے جھگڑنے اور زبان لڑانے سے منع کیا کرتے تھے، لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

''علماء سے نہ جھگڑنا ورنہ اُن کے نزدیک بے وقعت ہو جاؤ گے اور وہ تمہیں دور کر دیں گے، اور بے وقوفوں سے نہ جھگڑنا ورنہ وہ تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئیں گے اور گالیاں دیں گے''[1]۔

میمون بن مہران رحمہ اللہ نے فرمایا:

''کسی عالم یا جاہل سے جھگڑا تکرار نہ کرنا، کیونکہ اگر تم کسی عالم سے جھگڑو گے تو اُس کا علم تم سے سمٹ جائے گا، اور اگر جاہل سے جھگڑو گے تو وہ تم سے دلی نفرت اور کینہ رکھے گا''[2]۔

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ عالم کے سامنے بات کرنے سے زیادہ اُس سے سننے کی جستجو کرے، حکماء نے کہا ہے:

''جب علماء کی مجلس میں بیٹھو تو بولنے سے زیادہ سننے کی کوشش کرو، اور جیسے خوب خاموشی سیکھتے ہو ویسے ہی خوب غور سے سننا سیکھو''[3]۔

❁ ❁ ❁

علماء پر اعتراض ترک کرنے سے مراد یہ نہیں کہ کلی طور پر اعتراض کرنا چھوڑ دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ احتمال واجتہاد کے موقع پر اور اعتراض برائے اعتراض، نیز تحقیق وتثبت کے بغیر فوری اعتراض کرنے سے گریز کیا جائے۔

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ، (۱/۱۰۷)۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ، (۱/۱۲۹)۔

(۳) جامع بیان العلم وفضلہ، (۱/۱۳۰)۔

کیونکہ کچھ لوگ علماء پر اعتراض کرتے ہیں' اُن کا مقصد محض اپنی شخصیتوں کو نمایاں کرنا ہوتا ہے' تو ایسے لوگ اعتراض کرنے والے ہیں اقتداء کرنے والے نہیں!

اور رہا مسئلہ بالکل اعتراض نہ کرنے کا تو یہ چیز صرف معصوم کے لئے ہے' جبکہ یہ ثابت ہے کہ علماء معصوم نہیں ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ابوعبد الرحمن سلمی سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے کہا: ''جو اپنے استاذ سے کہے: کیوں؟ وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا''۔

پھر فرماتے ہیں: ''میں کہتا ہوں: مرید کو چاہئے کہ اپنے پیر سے ''کیوں؟'' تب نہ کہے، جب اُسے معلوم ہو کہ اس کا پیر گناہوں سے معصوم ہے' اُس سے غلطی کا صدور نہیں ہوسکتا، لیکن اگر پیر غیر معصوم ہے اور اُسے ''کیوں؟'' کہنا ناپسند ہے، تو وہ خود کبھی کامیاب نہ ہوگا، ارشاد ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ [المائدۃ:۲]۔

نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو۔

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ﴾ [العصر:۳]۔

اور (جنہوں نے) آپس میں حق کی وصیت کی۔

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾﴾ [البلد:۱۷]۔

اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔

اور واقعی کچھ مریدان ایسے ہوتے ہیں جو گرانی اور دردسر کا باعث ہوتے ہیں' صرف اعتراض کرتے ہیں' اقتدا نہیں کرتے، اور کہتے ہیں عمل نہیں کرتے، تو ایسے مریدان کامیاب نہیں ہوں گے''[1]۔

❁ ❁ ❁

(۱) سیر أعلام النبلاء، از ذہبی، (۱۷/ ۳۴)۔

پندرہواں مبحث:
علماء پر اعتماد قائم اور بحال رکھنا

کچھ لوگ علماء کرام سے کوئی عمل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں' جسے علماء نہیں کرتے' اور اُن کے نہ کرنے کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ معاملات کے نتائج اور عاقبت و انجام پر نظر رکھتے ہیں۔

کیونکہ بعض مصلحتوں کو اس لئے انجام نہیں دیا جاتا کہ وہ مستقبل میں بڑے عظیم مفاسد کا پیش خیمہ ہوتی ہیں، اور چونکہ دین اسلام مصلحتوں اور بھلائیوں کا دین ہے' لہٰذا وہ بڑے فساد کے بالمقابل چھوٹی مصلحت کا اعتبار باقی نہیں رکھ سکتا۔

کیا آپ غور نہیں کرتے کہ اللہ کی آیات' اُس کے رسول ﷺ اور مومنوں کا استہزاء ومذاق کرنے والے پکے منافق کو قتل کرنا ایک مشروع امر ہے' بلکہ یہ چیز موجب قتل ہے، یعنی دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جانا؟

لیکن اس کے باوصف نبی کریم ﷺ نے اس سے احتراز کیا' کیونکہ یہ قتل بہت سارے مفاسد کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا تھا۔

چنانچہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

''كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ، فَكَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ

الْأَنْصَارِ. فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ: يَا لَلْأَنْصَارِ! وَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ: يَا لَلْمُهَاجِرِينَ! فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **"مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ؟"** قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! كَسَعَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ. فَقَالَ: **"دَعُوهَا، فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ"** فَسَمِعَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أُبَيٍّ، فَقَالَ: قَدْ فَعَلُوهَا. وَاللهِ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ. قَالَ عُمَرُ: دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ. فَقَالَ: **"دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ"**[1]۔

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی جنگ میں تھے' ہوا یہ کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصاریوں میں سے ایک شخص کی سرین پر ہاتھ یا لات مار دیا، تو انصاری نے کہا: اے انصاریو! دوڑو، اور مہاجر نے کہا: اے مہاجرین! دوڑو۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ تمہارے درمیان جاہلیت کی پکار کہاں سے آگئی؟"۔ لوگوں نے بتایا کہ مہاجرین میں سے ایک شخص نے انصاریوں میں سے ایک شخص کی سرین پر ہاتھ یا لات مار دیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ بڑی گندی اور ناپاک بات ہے"۔ یہ بات عبداللہ بن ابی نے بھی سنی تو اُس نے کہا: اچھا تو اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے، اللہ کی قسم! مدینہ واپس پہنچ کر ہم میں سب سے زیادہ عزت والا ذلیل ترین کو باہر نکال دے گا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ المنافقین، (۶/۶۶)، وصحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب نصر الأخ ظالما أو مظلوما، (۴/۱۹۹۸-۱۹۹۹)، حدیث (۲۵۸۴)، وسنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ المنافقین، (۵/۹۰)، حدیث (۳۳۷۰)۔

اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجئے، اس منافق کی گردن مار دوں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، اس رہنے دو، ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں ہی کو قتل کرنے لگا ہے''۔

اس حدیث سے عیاں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منافق کے قتل سے اس ڈر سے گریز کیا کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں' حالانکہ اس وقت دعوت خوب انتشار کے مرحلہ میں تھی، اور یہ چیز لوگوں کو محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے سے متنفر کر دیتی، اور یہ فساد اس منافق کو قتل کرنے کی متحقق مصلحت سے کہیں زیادہ بڑا اور سنگین تر تھا۔

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی کو اس بات کے سبب قتل کرنا چاہتے ہیں' جو اس کے بارے میں آپ کو معلوم ہوئی ہے، اگر واقعی آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیجئے' میں اُس کا سر آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دوں گا، اللہ کی قسم! خزرج کے لوگ خوب جانتے ہیں کہ اُن کے یہاں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا کوئی نہیں ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ آپ میرے علاوہ کسی اور کو اس کے قتل کا حکم دیدیں گے اور وہ اُسے قتل کر دے گا، تو میری غیرت عبداللہ بن ابی کے قاتل کو لوگوں کے درمیان چلتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں کر سکے گی، لہذا میں اُسے قتل کر کے ایک کافر کے بدلے مومن کو قتل کرنے پاداش میں جہنم رسید ہو جاؤں گا؛ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بَلْ نَتَرَفَّقُ بِهِ، وَنُحْسِنُ صُحْبَتَهُ مَا بَقِيَ مَعَنَا''۔

نہیں، بلکہ ہم اس کے ساتھ نرمی برتیں گے اور جب تک ہمارے ساتھ رہے گا، اُس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

اس بعد یہ ہوا کہ جب بھی کوئی واقعہ رونما ہوتا عبد اللہ بن ابی کی قوم کے لوگ خود اُسی کو کوستے اور ڈانٹ پھٹکار کرتے، جب رسول اللہ ﷺ کو اُن لوگوں کے بارے میں یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''كَيْفَ تَرَى يَا عُمَرُ؟ أَمَا وَاللَّهِ لَوْ قَتَلْتُهُ يَوْمَ قُلْتَ لِي اقْتُلْهُ لأُرْعِدَتْ لَهُ انُفٌ لَوْ أَمَرْتُهَا الْيَوْمَ بِقَتْلِهِ لَقَتَلَتْهُ''۔

عمر! تمہارا کیا خیال ہے؟ اللہ کی قسم! جس دن تم نے مجھ سے اُسے قتل کرنے کے لئے کہا تھا، اگر میں اُسے قتل کر دیتا تو اُس کے لئے غضبناک ہونے والے حمایتی کھڑے ہو جاتے، جنہیں میں اگر آج قتل کرنے کا حکم دوں تو وہ خود ہی اُسے قتل کر دیں گے۔

تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قَدْ وَاللَّهِ عَلِمْتُ لَأَمْرُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَعْظَمُ بَرَكَةً مِنْ أَمْرِي''[1]۔

اللہ کی قسم! یقیناً میں نے خوب جان لیا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم وفیصلہ میرے فیصلہ سے کہیں زیادہ بابرکت ہے۔

رسول اللہ ﷺ اس منافق کی قوم میں اُس کا مقام و مرتبہ جانتے تھے نیز یہ کہ اوس وخزرج

---

(۱) بحوالہ: سیرت ابن ہشام، (۳/ ۲۷۴)، اوران سے طبری نے روایت کیا ہے، (۲۸/ ۱۱۶)، وتاریخ الامم والملوک، (۲/ ۶۰۸)، نیز دیکھئے: البدایۃ والنھایۃ، از امام ابن کثیر (۴/ ۱۵۸)۔

میں لڑائی کا اندیشہ تھا اور مہاجرین وانصار میں دو بچوں کے سبب [1] مار دھاڑ کے خطرات منڈلا رہے تھے اس لئے آپ نے سمجھ لیا کہ عبداللہ بن ابی کے قتل کے نتیجہ میں بڑا فتنہ وفساد، لوگوں میں خونریزی اور آپ ﷺ کی بابت تفرق وانتشار رونما ہوسکتا ہے اور یہ چیزیں اُسے قتل کرکے مسلمانوں کو راحت پہنچانے کی مصلحت سے کہیں زیادہ سنگین ہیں، اور ان تمام باتوں اور فیصلوں میں نبی کریم ﷺ نے حکم شرعی کی نفی کی ہے نہ اس منافق کا خون محفوظ ہونے کی بات کہی ہے، بلکہ معاملہ کو محض مصالح ومفاسد کی رعایت سے متعلق رکھا ہے۔

ایک دوسری مثال:

کیا آپ نہیں سوچتے کہ خانہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ اولین بنیادوں پر تعمیر کرنا بہتر اور مناسب ہے؟

لیکن دیکھئے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کرنے سے احتراز کیا، چنانچہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

"سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ الجَدْرِ أَمِنَ البَيْتِ هُوَ؟ قَالَ: "**نَعَمْ**" قُلْتُ: فَمَا لَهُمْ لَمْ يُدْخِلُوهُ فِي البَيْتِ؟ قَالَ: "**إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ**" قُلْتُ: فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا؟ قَالَ: "**فَعَلَ ذَلِكَ قَوْمُكِ، لِيُدْخِلُوا مَنْ شَاءُوا وَيَمْنَعُوا مَنْ شَاءُوا، وَلَوْلاَ أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ،**

---

(۱) اس سے مہاجرین کے ایک بچے اور انصار کے ایک بچے کے درمیان جھگڑے اور مار پیٹ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کے سبب مہاجرین وانصار کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے لوگوں کو مدد کے لئے للکارنے کی آوازیں بلند ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ نے اُسے جاہلیت کی پکار قرار دیتے ہوئے اُس سے اجتناب کرنے کا حکم دیا۔ دیکھئے: صحیح مسلم، حدیث (۲۵۸۴)۔ [مترجم]

فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوبُهُمْ، أَنْ أُدْخِلَ الجَدْرَ فِي البَيْتِ، وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالأَرْضِ"[1]۔

کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے حجر اسماعیل کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ کعبہ کا حصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں" میں نے عرض کیا: تو انہوں نے اُسے کعبہ میں شامل کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا: "تمہاری قوم کے پاس اخراجات کم پڑ گئے تھے"۔ میں نے پھر عرض کیا: اُس کا دروازہ بلند کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسا تمہاری قوم کے لوگوں نے کیا تھا، تاکہ جسے چاہیں داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں روک دیں، اور اگر تمہاری قوم ابھی جلد ہی جاہلیت سے نہ نکلی ہوتی (نئی اسلام لانے والی) نہ ہوتی، جس کے سبب مجھے ان کے دلوں کی ناگواری کا اندیشہ ہے، تو میں حجر (حطیم) کو کعبہ میں شامل کر دیتا اور اُس کے دروازے کو زمین سے چپکا دیتا"۔

چنانچہ یہاں رسول اللہ ﷺ نے خانہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرنے سے اس ڈر سے احتراز کیا کہ آپ کا یہ کام کہیں قوم کے لئے فتنہ کا باعث نہ بن جائے جو ابھی نئی نئی اسلام لائی ہے۔

لہٰذا اے بابرکت بھائی! اس مسئلہ پر غور کریں، اور اللہ کی شریعت کے امین علماء کرام پر اپنا بھروسہ قائم رکھیں، اور یہ بات خوب اچھی طرح جان لیں کہ وہ کسی خیر و بھلائی کے کام سے ہرگز نہیں کتراتے، مگر محض اسی بنیاد پر کہ اس میں اُس سے بڑھ کر کسی بھلائی کی امید ہوتی ہے یا اس سے بڑھ کر کسی شر و برائی کا اندیشہ ہوتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الحج، باب فضل مکۃ و بنیانھا، (۲/۱۵۶-۱۵۷)، و صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جدر الکعبۃ و بابھا، (۲/۹۷۳)، حدیث (۱۳۳۳)، و سنن دارمی، کتاب المناسک، باب الحجر من البیت، (۱/۳۸۲)، حدیث (۱۸۷۶)۔

بعض لوگ علماء کرام سے اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اُنہیں ہر چیز کھول کھول کر بتائیں، حتیٰ کہ وہ پوری امت کے عمومی مسائل میں جو فیصلے، فتوے یا آراء صادر کرتے ہیں' اُن کی حیثیت و نوعیت بھی کھول کر بتائیں۔

جبکہ اس مطالبہ میں شریعت اور عقل کی خلاف ورزی ہے، کیونکہ لوگوں کو ہر معاملہ کی خبر دینا لائق و مناسب نہیں ہوتا۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ''(۱)۔

لوگوں سے وہی بیان کرو جو وہ جان سکیں، کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں:

''مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لَا تَبْلُغُهُ عُقُولُهُمْ إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةً''(۲)۔

تم جن لوگوں سے بھی کوئی ایسی بات بیان کرو گے جہاں تک ان کی عقل کی رسائی نہ ہو' تو ان میں سے کچھ لوگ فتنہ (آزمائش) میں پڑ جائیں گے۔

لہٰذا کوئی بات بیان کرنے یا کسی بات کی خبر دینے سے زیرک اور گہری سوجھ بوجھ رکھنے والے علماء احتراز کرتے ہیں' اگر اس کے بیان کرنے سے اس سے بڑے فتنہ کا اندیشہ ہو۔

اور یہ چیز علم چھپانے کے قبیل سے نہیں ہے' جس سے منع کیا گیا ہے' کیونکہ وہ علم چھپانا

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما، (۱/۴۱)۔

(۲) صحیح مسلم، مقدمہ، باب النھی عن الحدیث بکل ما یسمع، (۱/۱۱)۔

ممنوع ہے جس کے پیچھے کوئی شرعی مصلحت نہ ہو‘ ورنہ شرعی مصلحت کے لئے علم چھپانا مشروع ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جان لینا چاہئے کہ ہر حق معلومات کو نشر کرنا مطلوب نہیں ہے‘ خواہ وہ علم شریعت اور احکام کے علم میں مفید چیزیں کیوں نہ ہوں‘ بلکہ اس میں تقسیم ہے: کچھ باتوں کو نشر کرنا مطلوب ہے‘ اور یہ علم شریعت کا بیشتر حصہ ہے‘ جبکہ کچھ باتوں کو یا تو علی الاطلاق نشر کرنا مطلوب نہیں ہے‘ یا کسی خاص حالت، یا خاص وقت، یا خاص شخص کے اعتبار سے نشر کرنا مطلوب نہیں ہے“[1]۔

اور اس کا ضابطہ‘ جیسا کہ امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں‘ یہ ہے کہ:

”آپ اپنا مسئلہ شریعت پر پیش کریں‘ اگر وہ شریعت کے پیمانے پر درست ہو تو زمانہ اور زمانہ والوں کی حالت کے اعتبار سے اُس کے انجام ونتیجہ پر غور کریں‘ اگر اُس کا ذکر کرنا کسی فساد کا پیش خیمہ نہ ہو‘ تو اُسے اپنے ذہن میں عقلوں پر پیش کر کے دیکھیں‘ اگر عقلیں قبول کر رہی ہوں‘ تو آپ کو اس کی بابت بولنے کی اجازت ہے؛ خواہ عمومی سطح پر‘ بشرطیکہ وہ عقلوں کے عمومی طور پر قبول کرنے والے مسائل میں سے ہو‘ یا خصوصی طور پر بایں صورت کہ وہ مسئلہ عام کرنے کے لائق نہ ہو۔

اور اگر آپ کا مسئلہ اس نوعیت کا نہ ہو‘ تو اس سے خاموشی اختیار کرنا ہی عقلی وشرعی مصلحت کے موافق ہے“[2]۔

---

(۱) الموافقات، از شاطبی، (۴/ ۱۸۹)۔

(۲) الموافقات، از شاطبی، (۴/ ۱۹۱)۔

خلاصہ َ کلام اینکہ اہل علم کے بارے میں اپنا بھروسہ قائم اور بحال رکھیں، اور جان لیں کہ اُن کا بعض باتوں کے بارے میں عوام کو بتانے سے گریز کرنا، درحقیقت مصلحتوں کے حصول اور مفاسد کے دفعیہ کے لئے ہوا کرتا ہے۔

اور علماء کی بابت بھروسہ قائم رکھنے میں: یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ علماء کرام طالب علم اور سیکھنے والے کے لئے کب، کتنا اور کونسا علم مناسب ہے' اُس سے بخوبی واقف ہوتے ہیں' کیونکہ وہ علماء ربانی ہیں جو لوگوں کو بڑے بڑے مسائل سے پہلے چھوٹے چھوٹے مسائل کی تعلیم وتربیت دیتے ہیں اور اہم سے پہلے اہم ترین سے شروع کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿ وَلَٰكِن كُونُوا۟ رَبَّٰنِيِّـۧنَ ﴾ [آل عمران:۷۹]۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی ربانی حکماء وفقہاء ہو جاؤ''[1]۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ربانی: اُسے کہا جاتا ہے جو لوگوں کو بڑے علم سے پہلے چھوٹے علم کے ذریعہ تربیت دے''[2]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''چھوٹے علم سے مراد: وہ مسائل ہیں جو واضح ہوں، اور بڑے علم سے مراد: وہ مسائل ہیں جو دقیق اور پیچیدہ ہوں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: وہ لوگوں کو کلیات سے پہلے جزئیات کی، یا

(۱) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے، (۱/ ۱۶۰)۔
(۲) صحیح بخاری مع فتح الباری، (۱/ ۱۶۲)۔

اصول سے پہلے فروع کی، یا مقاصد سے پہلے تمہیدی باتوں کی تعلیم دے"(1)۔

ابن غیاث رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ جب وہ اعمش رحمہ اللہ کے پاس گئے اور اُن سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کی، تو انہوں نے اُن سے پوچھا: "کیا تم حافظ قرآن ہو؟" انہوں نے کہا: نہیں۔ تو اعمش رحمہ اللہ نے کہا: "جاؤ پہلے قرآن حفظ کر کے آؤ' تب میں حدیثیں بیان کروں گا"، ابن غیاث بیان کرتے ہیں: "چنانچہ میں نے جا کر قرآن حفظ کیا، پھر اُن کے پاس آیا، انہوں نے مجھ سے پڑھوایا، میں نے پڑھ کر سنایا، تو انہوں نے مجھے حدیث بیان فرمائی"(2)۔

اور مجھ سے ہمارے کئی مشائخ جنہوں نے سماحۃ الشیخ علامہ محمد بن ابراہیم آل شیخ -اللہ تعالی اُن پر اپنی رحمت کی برکھا برسائے- سے کسب فیض کیا ہے' بیان فرمایا کہ وہ اپنے پاس آنے والے طالب علم سے' سب سے پہلے حفظ قرآن کے بارے میں پوچھتے تھے، اگر وہ حافظ ہوتا تو اُسے آسان متون پڑھاتے، پھر رفتہ رفتہ وہ ان کے پاس علمی ترقی کرتا رہتا یہاں تک کہ منصب قضا کے قابل ہو جاتا، اس طرح شیخ رحمہ اللہ کے دروس اونچے مراحل تک بتدریج ہوا کرتے تھے۔

اور اگر وہ حافظ نہیں ہوتا' تو اُسے حکم دیتے کہ پہلے وہ قرآن حفظ کرے، چنانچہ جب قرآن حفظ کر لیتا تو آپ کے پاس حصول علم کے لئے آتا۔

---

(1) فتح الباری، (۱/ ۱۶۲)۔

(2) المحدث الفاصل، از رامہرمزی ص (۲۰۳)۔

خاتمہ

اس رسالہ کے اختتام پر، جس کے بارے میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ اسے نفع بخش بنائے، میں وہ اہم نتائج بیان کرتا ہوں، جن تک میری رسائی ہوئی ہے، اور یہ دراصل سابقہ اوراق کا خلاصہ ہے:

① علماء کی کچھ امتیازی خصوصیات ہیں جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں، اُن میں سرفہرست علم ہے جو ان کے سینوں میں موجود ہے، اور وہ فقہ و سمجھ ہے جس کا انہیں امتیاز حاصل ہے، اسی سے لوگ انہیں جانتے ہیں، اور ان کے لئے علم و فضل کی گواہی دیتے ہیں، اور مومنین روئے زمین پر اللہ کے گواہ ہیں۔

② علماء دیگر لوگوں سے ممتاز اور نمایاں ہوتے ہیں، خصوصاً ان لوگوں سے جنہیں جہلاء علماء میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ وہ ایسے نہیں ہوتے، جیسے، پڑھنے اور مطالعہ کر لینے والے مفکرین اور ثقافت یافتگان، واعظین اور لفاظی کرنے والے خطباء و مقررین۔

③ علماء کرام کا شریعت میں ایک اعتبار اور دین میں مقام و مرتبہ ہے، جو دیگر لوگوں کو حاصل نہیں ہے، میں نے اس رسالہ کے اندرونی صفحات میں اُن دلائل کی وضاحت کی ہے۔

اور اس مسئلہ سے متعلق چند ملاحظات ہیں:

الف: علماء کے اعتبار سے اُن کی ذات و شخصیت کا تقدس مقصود نہیں ہے، کیونکہ ان کی اطاعت اللہ عزوجل کی اطاعت کے تابع اور ماتحت ہے، وہ محض اللہ کے حکم کی رہنمائی کرنے والے ہیں۔

ب: علماء کا اعتبار کلی ہے، یعنی زندگی کے تمام گوشوں اور پہلوؤں میں ہے، جس طرح شریعت اسلامیہ زندگی کے تمام تر گوشوں کی منتظم کارشریعت ہے، لہٰذا جیسے عبادت کے مسائل میں علماء کی اطاعت کی جاتی ہے' اقتصادی وسیاسی مسائل میں بھی کی جائے گی۔

ج: علماء کا یہ اعتبار شریعت کے راستے سے آیا ہے' اور اسے شریعت ہی ختم کرسکتی ہے' لہٰذا عالم کے مقام و مرتبہ کو کوئی دنیوی معاملہ ختم نہیں کرسکتا، جیسے اُس کے ساتھیوں اور ہمجولیوں کا حسد، یا اس کی معزولی، یا کسی شخص کا اُس کی رائے سے راضی و متفق نہ ہونا، وغیرہ۔

د: جس قدر بات متفق علیہ ہوگی یا امت کے معتبر لوگوں کے ایک بڑے طبقہ نے وہ بات کہی ہوگی، اسی اعتبار سے علماء کا یہ اعتبار پختہ اور مضبوط ہوتا جائے گا۔

④ لوگوں پر واجب ہے کہ علماء سے دوستی ومحبت رکھیں' کیونکہ وہ اللہ واسطے محبت وولایت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں، اور یہ محبت آدمی کی نیکی و راستی اور اس کے عقیدہ ومنہج کی سلامتی کا عنوان ہے۔

⑤ علماء کا احترام وتوقیر ایک قدیم جاری سنت ہے' جس کی نبی کریم ﷺ نے ترغیب دی ہے اور سلف امت کا وطیرہ رہا ہے۔

⑥ علماء کا طریقہ یہ رہا ہے کہ علم، علماء سے لیا جائے، اور علماء سے علم لینے اور اُن سے وابستہ رہنے کے حکم کے سلسلہ میں دلائل کی بھرمار ہے، اور صورتحال یہ رہی ہے کہ لوگ علماء کے پاس جایا کرتے تھے' نہ کہ اس کے برعکس۔

⑦ علم کے کئی درجات اور علماء کے کئی مراتب ہیں' جو کئی اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، جیسے: عمر اور تخصص وغیرہ، لوگوں کے ضروری ہے کہ علماء کے مراتب و درجات کا خیال رکھیں۔

⑨ علماء کی برائی اور اُن پر طعنہ زنی منحرف اور گمراہ لوگوں کا شیوہ ہے، کیونکہ علماء پر طعنہ

زنی دراصل خود دین پر طعنہ زنی ہے، کیونکہ علماء ہی اُس کے پاسبان ہیں جو اس کا علم رکھنے والے ہیں۔

⑨ علماء بشر ہیں، ان سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہوسکتی ہیں، لیکن انہیں غلطی سے متہم کرنے میں دو سنگین اور خطرناک دھوکے ہوسکتے ہیں:

الف: ہوسکتا ہے ان پر غلطی کی تہمت صحیح نہ ہو۔

ب: عالم کے غلط ہونے کا حکم غیر عالم اور جاہل لگائے جو اپنی ذات کی غلطی سے واقف نہیں ہے' چہ جائے کہ وہ دوسرے کی غلطی جانے، اور چہ جائے کہ وہ عالم کے غلط اور خطاکار ہونے کا حکم لگائے۔

⑩ علماء امت کے سب سے بہتر اور چنندہ لوگ ہیں، واجب یہ ہے کہ اُن کے لئے عذر تلاش کیا جائے اور اُن کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے، یوں تو یہ تمام مومنوں کا حق ہے' لیکن علماء اُس کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

⑪ اس امت میں فتنے بکثرت رونما ہوں گے اور فتنوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس میں معاملات مشتبہ ہوجاتے ہیں، خلط ملط کی کثرت ہوجاتی ہے، عقل وخرد بہک جاتے ہیں، اور ایسی صورتحال میں عصمت وحفاظت ''جماعت'' کے لئے ہوگی، جس کی نمائندگی میں سرفہرست علماء کرام ہیں، بنابریں لوگوں پر واجب ہے کہ علماء کی رائے اپنائیں، اور ہر پل اُن کی بات کی روشنی میں کوئی بات کہیں، بالخصوص فتنوں کی حالت میں۔

⑫ علماء کی سیرت وسوانح کا مطالعہ کرنے والا شاید کسی کو ایسا نہ پائے گا جو نمایاں ہو' اور اُس کی بابت اختلاف نہ کیا گیا ہو، چنانچہ اس امت میں جو شخص بھی نمایاں ہوا' اُس کے بارے میں ضرور کلام کیا گیا' کسی نے تعظیم کی اور درست کہا، تو کسی نے تحقیر کی اور خطاکار ٹھہرایا۔

اس سلسلہ میں نیک موقف یہ ہے کہ تحقیق وتاکد کرلیا جائے، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے، ارشاد

باری تعالی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن جَآءَكُمۡ فَاسِقُۢ بِنَبَإٖ فَتَبَيَّنُوٓاْ﴾ [الحجرات:٦]۔

اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔

⑬ شریعت اور عقل میں یہ بات طے ہے کہ علماء غلطیوں سے معصوم نہیں ہیں، تاہم امت میں علم سے معروف فضیلت سے شہادت یافتہ لوگوں کے بارے میں گمان یہی ہے کہ ان کی غلطی اُن کی درستی سے کم ہے، اور جب معاملہ ایسا ہے تو حکم لگانے میں فضائل کی کثرت کا اعتبار کیا جائے گا، اور یہ قاعدہ سنی سلفی قاعدہ ہے' نہ کہ خلف کا نو ایجاد بدعتی قاعدہ۔

⑭ علماء کی لغزشوں اور خطاؤں کے بارے میں صحیح سالم موقف حسب ذیل دو بنیادوں پر مبنی ہے:

الف: خلاف شرع ہونے کے سبب اس لغزش کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

ب: اس غلطی کرنے والے پر حکم لگانے میں عدل و انصاف سے کام لیا جائے گا، چنانچہ غلطی کے سبب اُس پر طعن و تشنیع کی جائے گی' نہ ہی اُس کی باتیں رد کی جائیں گی۔

⑮ علماء مسلمانوں کے اماموں میں سے ہیں، اور ان کا حق یہ ہے کہ اگر ان سے خطا سرزد ہو تو انہیں نصیحت کی جائے' لیکن ان کے مقام و مرتبہ کے شایان شان اسلوب میں جس سے مقصد حاصل ہو جائے۔

⑯ جرح و تعدیل میں علماء کے اقوال اجتہادی ہیں' جس میں علماء سے چوک ہو سکتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں ہونے والی باتوں کی بنیاد عصبیت، خواہش نفس اور حسد بھی ہو سکتی ہے، بنابریں علماء میں ہم جولیوں کی آپسی چشمک کی باتوں کو سمیٹ دیا جائے گا، پھیلایا نہیں جائے گا۔

⑰ شریعت اسلامیہ میں جن باتوں میں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے اُس میں یہ

بھی ہے کہ مجتہدین پر حکم لگانے میں عدل وانصاف سے کام لیا جائے، اس سلسلہ میں کہی گئی باتوں کا خلاصہ حسب ذیل نقاط میں بیان کیا جاسکتا ہے:

الف: مجتہد کو اجر وثواب ملے گا، گنہ گار نہ ہوگا، خواہ غلطی کرے۔

ب: علماء کرام کے درمیان اختلاف ہونا ایک مقدر اور طے شدہ امر ہے، جس سے بچنا ممکن نہیں، البتہ اس اختلاف کے سبب زیادتی اور حد سے تجاوز کرنا منع ہے۔

ج: مجتہدین کا اختلاف یونہی بلا وجہ نہیں ہے، بلکہ اس کے معتبر اسباب ہیں، جن کے بارے میں علماء نے خصوصی کتابیں لکھی ہیں۔

د: اختلاف کو جس اصل اور بنیاد کی طرف لوٹایا جائے گا وہ کتاب وسنت ہیں۔

ھ: یقیناً ہر ایک کی بات کو لیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی، سوائے نبی کریم ﷺ کے۔

⑱ امت میں علم، امانت و دیانت اور عدل و انصاف سے معروف علماء پر اعتراض وتنقید نہ کرنا ایک قابل ستائش امر ہے، لہٰذا طالب علم کو چاہئے کہ جلیل القدر اہل علم کی رائے کے بالمقابل اپنی رائے کو متہم ٹھہرائے، اور تحقیق وتاکد سے پہلے اعتراض نہ کرے۔

⑲ لوگوں میں سب سے زیادہ اعتماد وبھروسہ کے حقدار علماء ہیں، لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ اہل علم کے تئیں اپنا اعتماد قائم اور بحال رکھے۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس کی نعمت سے نیکیاں انجام پاتی ہیں، اور درود وسلام اور برکت نازل ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر اور آپ کے آل واصحاب پر۔

وتمت الترجمة مع الكتابة في ۲۶ / ۴ / ۲۰۱۷ھ عصراً، والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات۔

قاله وكتبه: عنایت اللہ بن حفیظ اللہ سنابلی مدنی